

~~Handwritten scribbles~~

19-10-1969

ایزخ

نمک عقاب

تالیف
شک

وَبِاللّٰهِ التَّوْفِیْقِ - وَمِنْهُ الْهُدٰی اِلَى التَّحْقِیْقِ وَالتَّوْفِیْقِ ۱

حصہ اول

(ابتداء سے نقصان تک)۔

خطِ کاخ

مصنف

محمد سرفراز خان خطِ کاخ

بی۔ اے (انٹرن) ایم۔ اے۔ ایل۔ ایل۔ بی

یونیورسٹی گولڈ میڈلسٹ

ایڈووکیٹ

ب/۴۲ ریلوے روڈ بنوں

تاریخ خشک

ابتدا سے لقمان تک
لقمان سے آج تک
ثقافت
قبیلے شاخیں اور وصلی

خشک عقاب
خشک عقاب انجم رقم
اول
۵۰۰
۱۹۶۲ء
۱۹۶۴ء
۱۳۸۵ھ / ۱۹۶۵ء
حیدرہ پریس پشاور

۷ روپے ۵۰ پیسے

ہر بڑے کتب فروش سے

حصہ اول
دوئم
سوئم
چہارم

تصنیف
کتابت
بار
تعداد
سن آغاز
کتابت
طباعت
مطبع

قیمت

دستیابی

فہرست مضامین

حصہ اول۔

کتابیات (۹)

عرض حال (۱۲)

پشتون کے نام: پشتون (۳۰)۔ افغان (۴۰)۔ پٹھان (۴۲)۔
 بیلجائی (۴۳)۔ افغانستان (۴۳)۔ اوغان (۴۳)۔ اغوان، اغبان (۴۴)۔
 روہیلہ (۴۴)۔ بنی اسرائیل، بنی افغان یا بنی افغنہ، بنی آصف (۴۴)۔
 پشتون کی نسل: آریہ (۴۷)۔ قبطی (۴۷)۔ ایرانی (۵۰)۔
 ترک یا تاتار (۵۱)۔ گزرگانی (۵۲)۔ آرمینی (۵۲)۔ کلدانی (۵۴)۔ اور
 بنی اسرائیل (۵۴)۔

مخزن افغانی (۶۹)۔

دی پٹھانز (۷۳)۔

شجرہ (۸۳)۔

تختگش (۹۲)۔ ستاگیدی (۹۴)۔

کرلانٹریا کرلان (۹۷)۔ کرلانٹری (۱۱۳)۔ کرلانٹریوں کی بادشاہی

(۱۱۵)۔

کودے اور گے (۱۱۹)۔

لہان عرف خٹک (۱۲۳)۔ لہان کی اولاد (۱۲۵)۔

ٹری اور بولاق (۱۲۷)۔

خانہ کوچی (۱۲۹)۔

خٹک اور بنوں (۱۳۳)۔ خٹک اور بابر (۱۳۸)۔ خٹک اور کوٹا (۱۴۲)۔

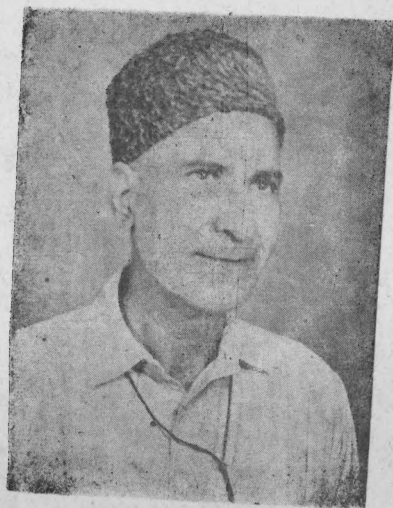
خٹک اور پنجاب (۱۴۶)۔ خٹک اور پشاور (۱۴۷)۔

موجودہ وطن (۱۴۸)۔ یوٹو (۱۵۲)۔ تھل (۱۵۳)۔

خوترہ (۱۶۰)۔ بہادر خیل، ٹری وادی (۱۶۵)۔ ٹری (۱۷۰)۔ گزرگزی (۱۷۲)۔

لاچی ماگین وادی (۱۷۱) - شکوردہ (۱۸۸) - پکپالہ (۱۸۰) -
 نریشترہ (۱۸۱) - فوڑہ (۱۸۳) - تیلاب (۱۸۵) - باٹی زئی سروان (۱۸۶) -
 بکپور (۱۸۸) - اور جگپور میں (۱۸۶) + پچامہ (۱۹۰) - حصہ سوم
 شکل دشابت (۱۹۳) - زبان (۱۹۷) - ادبیم (۲۰۰) - خودملت (۲۰۱) -
 مذہب (۲۰۸) - زیارتیں (۲۱۱) - ساز اور نافع (۲۱۴) - عورتیں (۲۲۱) -
 سیلے اور آفریم (۲۳۱) - خوراک (۲۳۲) - گھر (۲۳۳) - پیشے (۲۳۷) -
 گوشت (۲۳۹) - بندوبستیں (۲۴۴) - نشے (۲۴۵) - شمار (۲۴۸) - نقش
 نقشے و ریاب (۲۵۰) - کرلاٹری کے موجودہ وطن کا نقشہ (۲۵۱) -
 نگاروں کے موجودہ وطن کا نقشہ (۲۵۲)
 حصہ چہارم قبیلے

نصرتی (۲۵۴) - تندخیل (گندہ خیل، لغری) کا شجرہ (۲۶۵) - ایسوری
 (۲۶۷) - بوگوار (۲۶۸) - لغمان خیل (۲۶۹) - فتح خیل (۲۷۰) -
 چین خیل (۲۷۰) - سیرک (۲۷۱) - مندہ خیل (۲۷۱) - پیری خیل (۲۷۱)
 اکوڑ خیل (۲۷۳) - بارک (۲۸۸) - گندی خیل (۲۹۰) - ماشی خیل (۲۹۲) -
 اندامہ لادڑہ (۲۹۴) - لیس خیل (۲۹۵) - اکوڑی (۲۹۶) - اویا خیل (۲۹۶) -
 سوریا خیل (۲۹۷) - ڈنگری (انم زئی) (۲۹۷) - خلوزی (۲۹۸) -
 درشی (۲۹۹) - کنڈی (۲۹۹) - منگی (۳۰۰) - سینی (۳۰۰) - خرم (۳۰۱) -
 ساغری (۳۰۳) - بنگی خیل (۳۰۵) -
 تحریکیں (۳۰۷) - حکومتیں اور حملہ آور (۳۰۹) -



مصطفی

کتابیات

- ۱- ۱۴ - مثل خفیت ۱۸۸۶ء ضلع کوٹا تحصیل کرک مواضعات؛
مثلی لہری، منڈوہ، مانڑی، لنڈ مکر، عالمشیری، شنوہ گڑ پخیل، بدین خیل،
احمد والہ، ہارہ خیل، چوکارہ، کپیرکھ، کرک، قمر، عیسک + (اردو قلمی)
- ۱۵- ۱۸ - مثل خفیت ۱۸۹۳ء ضلع کوٹا تحصیل کوٹا مواضعات؛
پیری، گرگری، دین، گنڈیری + (اردو قلمی)
- ۱۹- ۲۴ - مثل خفیت ضلع پشاور ۱۸۷۱ء تحصیل نوشہرہ (اردو قلمی) مواضعات؛
زیارت کا صاحب، ایسورٹی، مغلی، نندرک، ڈنگری، ارٹریان
- ۲۵- ۲۷ - گنڈیری آف دی؛
کوٹا دسترکٹ ۱۸۸۳ء، بنوں دسترکٹ ۱۸۸۳ء، پشاور دسترکٹ ۱۹۳۱ء
- ۲۸ - اپریل گنڈیری آف انڈیا، دی انڈین ایمپائر، جلد II، نیو ایڈیشن +
- ۲۹ - ایضاً - پراولٹل پیپر، نارتھ ویسٹ فرنٹیر پراولٹس (کلکتہ ۱۹۰۸ء، مطبوعہ)
- ۳۰- ۳۴ - رپورٹ آف دی اینڈرلونیو سیشمنٹ آف دی
کوٹا دسترکٹ ۱۸۸۴ء، بنوں دسترکٹ ۱۸۸۴ء، بارک تپہ ۱۸۸۳ء،
بارک تپہ آف پیری تحصیل ۱۹۰۵ء، پشاور دسترکٹ ۱۸۸۸ء، مطبوعہ انگریزی
- ۳۵ - ایسیسمنٹ رپورٹ آف دی پیری تحصیل ۱۹۰۵ء، مطبوعہ انگریزی
- ۳۶ - تاریخ مریض [قد افضل خان خلک] قلمی، پشتو +
- ۳۷ - مخزن افغانی [انگریزی ترجمہ بنام پیشری آف دی افغانی] مطبوعہ ۱۸۲۹-۱۸۳۰ء
- ۳۸ - مخزن افغانی [انگریزی ترجمہ بنام لودی، پیسریڈ - مطبوعہ شانتی پبلیکیشن
۱۹۵۱ء + مخزن افغانی ۱۲۱ء کی تصنیف ہے +
- ۳۹ - حیات افغانی [قد حیات خان] اردو، مطبوعہ لاہور ۱۸۷۵ء
- ۴۰ - تاریخ خورشید جهان [شیر محمد خان] - فارسی، مطبوعہ ۱۸۹۴ء
- ۴۱ - ابن اکاونٹ آف دی کننگڈم آف کابل [مانسٹورٹ ابلنٹن]
انگریزی، مطبوعہ ۱۸۱۴ء

۴۱-۴۳- نفوس آن افغانستان، [انگریزی مطبوعہ لندن ۱۸۸۸ء] +
 سیلیکشنز فرلم دی پوٹیری آف دی افغانز (انگریزی لندن ۱۸۸۴ء) +
 و اے گراف آف دی افغان پینگوچ (انگریزی کلکتہ ۱۸۶۷ء) + [پرسہ

از میجر ایچ جی - راولی] +
 ۴۲-۴۶- دیوان خوشحال خان خٹک (پشتو و پیرہ، مطبوعہ پشاور جل ۱۸۷۰ء و
 دستار نامہ [خان] پشتو - تصنیف ۱۰۷۵-۱۰۷۹ء - مطبوعہ ۱۹۵۲ء) + و

فضلنامہ [خان] تصنیف ۱۰۸۹-۱۰۹۰ء - مطبوعہ پشاور ۱۹۵۲ء، پشتو +

۴۷- دیوان [عبدالرحمن ہند] پشتو، مطبوعہ پشاور ۱۹۳۱ء

۴۸- دی نیرو سٹائل - [پیٹرین] انگریزی، مطبوعہ لندن ۱۹۵۵ء

۴۹- دی ٹرائینز آف دیر، صوت اینڈ باجوڑ [اے - ایچ میکسین] انگریزی،
 مطبوعہ ۱۹۰۱ء +

۵۰- اے گلاسری آف دی ٹرائینز... [اے - ایچ رنڈ] مطبوعہ ۱۸۸۸-۱۹۲۰ء ۳۰ جلد -

انگریزی +

۵۱- تاریخ آزاد پٹھان (افریڈی) - اردو، مطبوعہ ۱۹۵۱ء + "یوسفزی"

اردو - مطبوعہ ۱۹۴۰ء + [اللہ بخش یوسفی] +

۵۲- سینٹرل ایشیا - حصہ ۲ - [میک گریگر] انگریزی، مطبوعہ کلکتہ ۱۸۷۳ء

۵۳- انڈیا ز نارتھ ولیٹ فریئر [ولیم ہارٹن] انگریزی، مطبوعہ لندن ۱۹۳۹ء

۵۵- دی پٹھان بارڈر لینڈ [سی - ایم - اینرقرز] انگریزی، مطبوعہ ۱۹۲۱ء +

۵۶- بنوں آف اور افغان فریئر [ایس ایس تھاربرن] انگریزی لندن ۱۸۷۹ء

۵۷- ایننگ دی وائلڈ ٹرائینز [وائٹلڈ - ٹی - ایل پینل] انگریزی، مطبوعہ +

۵۸- پٹھانہ شعرا - مطبوعہ کابل + د پشتو ادبیاتو تاریخ - نوک اول، مطبوعہ

کابل - ۱۳۲۰ ش / ۱۹۵۱ء - پشتو [عبدالحمید جیبی] +

۵۹- د پشتو ادب تاریخ [صدیق اللہ خان ریشٹین] پشتو، مطبوعہ کابل،

۱۳۲۵ ش / ۱۹۴۶ء

۶۰- ایران [گمشین] انگریزی، مطبوعہ +

۶۱- اے ایئر آن دی پنجاب فرنٹیر [میریٹ ایڈیٹڈس] ۲ جلد، مطبوعہ لنڈن ۱۸۸۴-۸۵ء انگریزی +

۶۲- دی پٹھانز [اولف کیرو]۔ انگریزی مطبوعہ لنڈن ۱۹۵۸ء

۶۳- دی پوٹینز [کیرو اور ہوویل] ترجمہ + مطبوعہ پشاور ۱۹۶۳ء

۶۴- تاریخ کوٹاٹ [۹] اردو، قلمی، بالتصویر، دفتر صدر قانون کوٹاٹ میں ہے۔

۶۵- افغانستان اینڈ دی افغانز (انگریزی مطبوعہ لنڈن ۱۹۴۹ء) +

دی ریسر آف افغانستان (انگریزی، مطبوعہ کلکتہ ۱۸۸۰ء) + و جرنل آف

اے پویشیکل مشن تو افغانستان (انگریزی، مطبوعہ ۱۸۶۳ء) + [ایچ ڈبلیو ہیلو]

۶۸- ایشیا لاجیکل ویکبولری آف پشتو [پروفیسر مارگنسٹرین] انگریزی، مطبوعہ +

۶۹- لینگو سٹیک سروے آف انڈیا - [جی رے گریسن] انگریزی، مطبوعہ کلکتہ

۱۹۲۱-۲۲ء

۷۰- د افغانستان پچولے تاریخ [احمد علی بھزاد] جلد I، پشتو، مطبوعہ ۱۳۳۲ء

۷۱- تذکرۃ الابرار و الاشرار [اخوند دیویرہ] فارسی، مطبوعہ پشاور ۱۹۶۰ء وغیرہ۔

۷۲- دی ہسٹری آف افغانستان [پرسی سائیکس] ۲ جلد، مطبوعہ لنڈن ۱۹۰۷ء

۷۳- اکبر نامہ [ابوالفضل] فارسی، مطبوعہ نو لکشتور ۱۸۸۱ء، آئین اکبری جلد

[ابوالفضل] مطبوعہ ۱۸۸۹-۹۱ء انگریزی ترجمہ از جبرٹ

۷۴- د پشتو تاریخ [قاضی عطاء اللہ خان] جلد I، پشتو، مطبوعہ ۱۹۶۷ء

۷۵- ہسٹری آف افغانستان [بی۔ بی۔ مالینسن] انگریزی، مطبوعہ ۱۸۷۱ء

(پشتو ترجمہ از منشی احمد جان خان) +

۷۶- تاریخ فرشتہ [محمد قاسم فرشتہ] تصنیف ۱۳۳۳ء، فارسی، ۲ جلد، مطبوعہ

نو لکشتور ۱۹۰۵ء (اردو ترجمہ) +

۷۷- قرآن کریم - [اللہ تعالیٰ] عزلی، مطبوعہ +

۷۸- انجیل مقدس (چرانا عہد نامہ) - [اللہ تعالیٰ] انگریزی ترجمہ، مطبوعہ

۷۹- پرنسٹن پریٹو [ہیمر کیپل] انگریزی، مطبوعہ ۱۸۲۲ء لنڈن ۱۸۲۷ء +

۸۰- اینسائیکلو پیڈیا برٹینیکا - بار پنجم - انگریزی، مطبوعہ ۱۸۷۵ء +

- ۸۲- اینسا پٹکلو پیڈیا آف اسلام ۱۹۵۵ء، جہازم فیسکیول میں مارگنٹرین کا باب "افغان" (انگریزی)۔
- ۸۳- جرنل آف دی برٹش سکول آف اورینٹل اینڈ افریقن سٹڈیز ۱۹۵۲ء، میں پبلی- کسالا کا (انگریزی)۔
- ۸۴- ٹک وید - انگریزی ترجمہ - مطبوعہ + [متفرق رشی]
- ۸۵- ہمایرس سر لا ارمینی - جلد I، مطبوعہ + [سینٹ پائرس]
- ۸۶- کتابیں جلد ۵ [ولیم جونز] مطبوعہ لندن ۱۷۹۹ء
- ۸۷- دی پٹری آف انڈیا اینڈ چیونگرلیکل اکاونٹ [یجرینل] جلد I، انگریزی
- ۸۸- دی لائف آف ایگنرائڈ [کوٹس کرٹیس] مطبوعہ
- ۸۹- مطلع السعیدین وفتح البحرین [عبدالمزاق سمرقندی] جلد ۲، فارسی لاہور ۱۳۶۳ھ
- ۹۰- تاریخ یمنی [عقی] تصنیف ۱۲۶۶ھ، فارسی، مطبوعہ +
- ۹۱- ریاض المحبت [نواب محبت خان] فارسی، قلمی +
- ۹۲- کتاب [کلپروٹ]، مطبوعہ، سینٹ پٹرسبرگ ۱۸۱۰ء +
- ۹۳- رسالہ الانساب افغانیہ [فرید الدین احمد] فارسی، ۱۸۰۳ء +
- ۹۴- تنقید بردی پٹھانز [ڈاکٹر دانی] انگریزی، ٹائپ شدہ +
- ۹۵- حدود عالم [۹] جغرافیہ، تصنیف ۱۳۷۲ھ/ ۱۹۸۲ء، مطبوعہ، انگریزی ترجمہ از منار سکی ۱۹۳۷ء +
- ۹۶- لٹری پٹری آف پرشیا [ای- جی براؤن] انگریزی، مطبوعہ، جلد I +
- ۹۷- بھرتا سنہیتا [ورما پیر] سنسکرت، مطبوعہ کلکتہ ۱۸۶۵ء، مترجمہ +
- ۹۸- کتاب الہند [ابو بھان البیرونی] +
- ۹۹- حاجی خلیفہ (مطبوعہ)
- ۱۰۰- خلاصۃ الانساب [حافظ رحمت خان]، فارسی، تصنیف ۱۱۸۸ھ +
- ۱۰۱- مجمع الانساب [محمد بن علی] فارسی، قلمی
- ۱۰۲- مجمع الانساب [میاں محمد نور وغیرہ]، فارسی، قلمی +
- ۱۰۳- روضۃ الاحباب، مطبوعہ +

- ۱۴۰۔ حبیب البیر [خوند امیر] - اردو، فارسی، تصنیف ۱۹۳۰ء، مطبوعہ بمبئی ۱۸۵۷ء۔
- ۱۴۱۔ مائثر الامرا [شاہنواز خان] - مطبوعہ کلکتہ ۱۸۸۸ء (فارسی)۔
- ۱۴۲۔ ستوربا دے موگود [نکولس منوسی] - اطالوی، انگریزی ترجمہ از ولیم اردن، ۱۹۱۷ء مطبوعہ لندن ۱۹۰۷ء۔
- ۱۴۳۔ پیٹری آف دی افغانیزان انڈیا [ایم۔ اے۔ ریم] - کراچی ۱۹۷۱ء، انگریزی۔
- ۱۴۴۔ حالات کوٹاٹ [ہرخان ملتان] - تصنیف ۱۲۹۳ء، فارسی، قلمی۔
- ۱۴۵۔ فارن دیپارٹمنٹ سیکشن ایف۔ پیرو ویڈنگز فروری ۱۹۲۷ء، ہزرت ۶۸-۷۹ نمبر ۷۔ (انگریزی) دہلی آنکائیوز میں محفوظ ہیں۔
- ۱۱۔ تتمۃ البیان فی امت الافغان [جمال الدین] - عربی، اردو ترجمہ ہمام، تاریخ افغانستان از محمود علی خان، مطبوعہ لاہور ۱۳۴۲ء۔
- ۱۱۱۔ دی پرمین پشینر [اینتی بارنٹ] - انگریزی، مطبوعہ لندن ۱۹۵۷ء۔
- ۱۱۲۔ اینتراپالوجی [جے۔ ای۔ ایم۔ وائٹ] - " " " " ۱۹۵۹ء۔
- ۱۱۳۔ تاریخ سلطانی [سلطان محمد خان] - فارسی، مطبوعہ لاہور ۱۲۹۸ء۔
- ۱۱۴۔ دی پات آف دی پھانز [جے۔ ویلیو سپین] - انگریزی، مطبوعہ لندن ۱۹۴۲ء۔
- ۱۱۵۔ جیات لودی معروف بہ شوکت افغانی [عبدالکیم لودی] - اردو، آگرہ ۱۳۱۵ء۔
- ۱۱۶۔ منتظم ناہری [محمد حسن خان] - فارسی، مطبوعہ ۱۲۹۹ء، منسوب کتابخانہ۔
- ۱۱۷۔ تاریخ سلطانی [سلطان محمد خان باکو] - فارسی، مطبوعہ لاہور ۱۲۹۸ء۔
- ۱۱۸۔ تاریخ افغانستان [خامیر] - انگریزی، مطبوعہ۔
- ۱۱۹۔ لب افغانہ [عبدالسلام خان] - اردو، مطبوعہ لاہور ۱۹۱۲ء۔
- ۱۲۰۔ بابرنامہ [بابر بادشاہ] - چغتائی، انگریزی ترجمہ ۲ جلد از مسٹر یورج - ۱۹۲۲ء۔
- ۱۲۱۔ دی گرامر اینڈ ویکبولری آف ہندی پشکو [جی۔ ایل لاپیر] - کلکتہ ۱۹۰۲ء۔
- ۱۲۲۔ بادشاہ نامہ [عبدالحمید لاہوری] - فارسی، ۲ جلد، کلکتہ ۱۹۲۷ء - تصنیف ۱۹۵۹ء۔
- ۱۲۳۔ دی پیراہلیم آف دی نارنگہ ولیٹ فریئر [سی۔ دیوینر] - کیمبرج ۱۹۳۲ء، انگریزی۔
- ۱۲۴۔ پیٹری آف بنگال [چارلس سٹوارٹ] - انگریزی، مطبوعہ لندن ۱۸۸۳ء۔

عرض حال

جب میں نے ۱۹۳۲ء میں اپنی تاریخ پیدائش (۲۸ اگست ۱۹۱۱ء) کے آیسویں سال، مسلم یونیورسٹی سے بی اے آنرز سکول کا امتحان پاس کیا اور نہ صرف اول درجے میں اول رہا بلکہ یونیورسٹی میں ایک نیا ریکارڈ بھی قائم کیا تو یونیورسٹی کے بعض طالب العلم مجھے دیکھنے اور مبارکباد دینے آئے تھے۔ انہیں میں سے ایک دن میری ملاقات دکن کے ایک طالب العلم سے ہوئی جس نے دوران گفتگو میں ٹھیٹھ بشتو زبان کا ایک لفظ استعمال کیا۔ میرے استفسار پر کہنے لگا کہ ہم بھی خٹک ہیں اور عرصہ مدید سے ہندوستان آئے ہیں لیکن یہ لفظ ابھی تک ہماری دوسرہ میں مستعمل ہے۔ مزید استفسارات پر وہ اپنے قبیلے کی بابت زیادہ کچھ نہ بتا سکا۔ ادھر میں بھی بوجہ اپنی نو عمری اور تعلیمی مشاغل کے اپنے قبیلے کی بابت زیادہ کچھ نہ جانتا تھا۔ اس دو طرفہ ندامت کی وجہ سے اسی لمحہ میرے دل میں اپنے قبیلے کے متعلق معلومات حاصل کرنے کا شوق پیدا ہوا۔ ۱۹۳۳ء میں تو میں ایم اے کے امتحان میں پھر اول درجے میں اول رہا۔ لیکن اس طرف زیادہ توجہ دینے کی وجہ سے ایل ایل۔ بی۔ بی۔ بی۔ ایس کے امتحان میں ناکامیاب رہا۔ اب میری میلان طبیعت تو ادب کی طرف تھی لیکن چار سال کی عمر سے ایک ٹانگ میں معذوری کی وجہ سے میرے والد صاحب (خالصاحب حاجی محمد جیات خالصاحب) مجھ سے وکالت کروانا چاہتے تھے۔ ۱۹۳۴ء میں پی ایچ۔ ڈی کا سکالرشپ پرول ہوکر میں نے زیر ہدایت محترم ڈاکٹر نادی حسن (بی ایس سی) پی ایچ۔ ڈی، چیرمین و پروفیسر

شعبہ فارسی) خاقانی شروانی پر کام شروع کیا جو تین سال کی محنت کے بعد اسلئے ادھورا چھوڑنا پڑا کہ جس پائے کا تحقیق میں لکھنا چاہتا تھا اس کے لئے ہندوستان میں مواد دستیاب نہ تھا۔ اور ۱۹۲۶ء میں شادی ہو جانے اور صاحب اولاد ہونے کی وجہ سے بیرون مملکت جانے کیلئے میرے حالات سازگار نہ تھے۔

اسی سال میں نے بطور سائیڈ ورک شیخ محمد علی حزین کی زندگی لکھنے اور تصنیفات پر کام شروع کیا۔ یہ کتاب ۱۹۲۶ء میں انگریزی زبان میں لاہور سے شائع ہوئی۔ اور شاید اسی سال میں نے بہ ہنگامی ڈاکٹر آلف سپینر صاحب (ڈی ایچ۔ ڈی ایل ایل۔ ڈی) جرمن و پروفیسر شعبہ عربی) مسلم یونیورسٹی کے لیکن میں شیخ شہاب الدین سپہروردی مقتول کے رسالے "مولیس العشاق" کا انگریزی ترجمہ "دی لوورز فرینڈ" کے نام سے شائع کیا۔

۱۹۳۵ء میں ڈاکٹر سپینر کی مکاری میں شیخ مقتول کے تین رسالوں (ثلاثہ رسائل) کا فارسی متن، انگریزی ترجمہ اور مصنف کے حالات زندگی وغیرہ جامعہ ملیہ پریس دہلی سے شائع کیے۔ اسی سال میں نے شیخ حزین کے ایک نادر الوجود کتابچے "رسالہ در چگونگی مرورید" کا فارسی متن، انگریزی ترجمہ اور دیباچہ ڈاکٹر سپینر کو (جو ان دنوں رخصت ہو گئے) جا رہے تھے) اسلامک ریسرچ ایسوسی ایشن بمبئی میں شائع کروانے کے لئے دیباہ ڈاکٹر صاحب جب لوٹ آئے تو رسالے کی بابت کبھی تو کہتے تھے کہ میں نے اے۔ اے۔ اے۔ فیضی صاحب کو دیا ہے اور کبھی ڈاکٹر رٹیرما کا نام لیتے تھے لیکن اُن سے خط و کتابت پر پھر وہ صاحبان نے رسالے سے لاعلمی کا اظہار کیا۔ وقت گزرنا گیا۔ قی کہ ایک دن میری وکالت کے دوران میں مجھے بنوں میں ڈاکٹر سپینر کا خط ملا کہ وہ رسالہ جنگ کے بعد سامان پلٹتے ہوئے مل گیا ہے۔ اور یہ رسالہ بیس سال کے بعد ۱۹۵۶ء میں جرمنی میں ہم دونوں کے نام سے چھپ گیا۔ کیونکہ سپینر صاحب ہی چاہتے تھے۔

۱۹۳۶ء میں میں چھ ماہ ریڈیو سٹیشن پشاور کا ایڈجارج رہا۔
 لیکن ایک بار گورنر کی تقریر میں کانگریس کے برخلاف ایک جملے
 کو سینسر کرنے لگے اور دو مرتبہ انگریزی کے پروگرام میں گوروں
 کو ان کی بدتمیزی پر فدا کرنے کے لئے سفید چٹری والے آقاؤں
 سے نہ بچھ سکی اور پشاور سٹیشن کا آل انڈیا ریڈیو کے ساتھ
 الحاق کے وقت سبز جھنڈی دیکھنی پڑی کہ جس کی بجائے برقی کاراج بنا
 ۱۹۳۶ء میں میرے ایک عزیز نے علیگڑھ آ کر طعنہ دیا کہ
 فارسی میں تو خوب جوہر دکھاتے تھے لیکن اب قانون میں کئی سال
 سے غوطے کھا رہے ہو + ان سے کہا گیا کہ یہ تو کبھی میں امتحان
 میں نہیں بیٹھتا اور کبھی پرچے ادھور سے چھوڑ دیتا ہوں ورنہ
 قانون پاس کرنا کوئی مسئلہ نہ ہے + تاہم وہ نہ
 مانے + ادھر لکھنے نے تازیانے کا کام کہا چنانچہ اسی سال ایل ایل
 بی کا امتحان بھی درجہ اول میں پاس کیا +

اسی سال خان قلات علیگڑھ تشریف لائے تھے۔ اور ایک
 بلوچ طالب العلم کے ذریعہ ہم پانچ طلباء کو انکی ریاست میں
 نوکری کرنے پر آمادہ کیا + وہاں جانر راقم الحروف نے چند سے قلات
 سکول کی ہیڈ ماسٹری اور چند سے مکران میں اے ڈی آئی ایس کا
 کام کیا + سرکاری سال ختم ہونے پر وہاں سے استعفیٰ دے کر گھر
 چلا آیا +

گھر پہنچ کر وکالت شروع کر دی +

مجھے بچپن ہی سے اصیل مرغوں کے پالنے اور لڑنے کا شوق
 تھا + بڑے ہو کر کئی قسم کے بدلتی مرغ بھی پالے + لڑکا مرغوں
 پر ایک کتاب "اشاراتِ اصیل" کے نام سے اردو زبان میں ۱۹۴۹ء
 میں پشاور سے شائع کی + اور اسی سال بدلتی مرغیوں پر بھی ایک
 کتاب بہ نام "اشاراتِ مرغی خانہ" اردو زبان میں پشاور سے شائع ہوئی +

اور سن ۱۹۵۰ء میں اسی مضمون پر اور اسی زبان میں اور اسی جگہ سے
 ”معلومات مرغی خانہ“ نامی کتاب شائع کی۔

اس کے بعد ”عرفان“ جلد اول کا انگریزی ترجمہ کیا۔ لیکن کسی وجہ سے

کتاب کے سرورق پر مترجم کا نام لکھا جانے سے رہ گیا۔

شعرو شاعری کا شوق بھی مجھے عہد طفولیت سے تھا۔ تکمیل تعلیم

کے بعد بنوں میں ۱۹۳۱ء میں ”اردو سبھا“ نامی نریم ادب کا پہلا صدر منتخب
 ہوا۔ اور جب ۱۹۵۶ء میں عابد مجبود صاحب نے بنوں میں پشتو ادبی ٹولہ

کی بنیاد ڈالی تو بنوں کے سب پشتونوں نے اردو سے علاحدگی اختیار کر لی

اسوقت مجھے ٹولہ کا پہلا صدر منتخب کیا گیا۔ آخر ٹولہ پر غیر ترقی پسند

عنصر کا غلبہ ہو جانے کی وجہ سے تنقیدی ٹولہ کی تشکیل کرنی پڑی۔

۱۹۵۶ء سے پشتو کے بہت سے رسالوں اور اخباروں میں میرا کلام

اور مضامین شائع ہوتے رہے ہیں۔

پیش کی تکنیک پر پورے اثر نے والے ایک ایک ایکٹ کے دو منظوم

پشتو ڈراموں کو پشتو میں پہلی بار شائع کرنے کا شرف بھی راقم الحروف کو

حاصل ہے۔ ان میں سے ایک کا نام ”ملک شاہ سلجوقی عرف کم اختر“ ہے جو

۱۹۶۰ء میں رسالہ قند (پشتو) کے ڈرامہ نمبر میں چھپا تھا۔ اور دوسرے کا نام

”قوی شاعر عرف بیچہ قوم“ ہے جو ۱۹۶۰ء میں رسالہ ”غنجہ“ میں شائع ہوا تھا۔

۱۹۵۹ء میں پشتو کے صوفی شاعر عبدالرحمن پر ایک کتاب ”رحمت بابا“

کے نام سے پشاور سے شائع کی تھی۔

۱۹۶۴ء سے ۲۹ سال بیت گئے۔ اس عرصے میں کئی اور کتابیں بھی

لکھی گئیں جو اشاعت کے لئے تیار ہوئی ہیں۔ مثلاً ”فرنگیہ خاقانی

(فارسی)“، ”شیکسپیر کے پانچ ڈراموں کے مکمل پشتو ترجمے جن میں سے صرف

ہیملہٹ کا ترجمہ کلکتہ نشر میں ہے“ اردو اور انگریزی کے ترجموں سے

کالی داس کی ”شکنتلا“ کا مفتور پشتو ترجمہ، ”لصوف کی ایک کتاب“ لطیفہ لفس“

جس میں لطیفہ لفس کا ذکر ہے (اردو) خاقانی شروانی کے بعض قصائد کا انگریزی

ترجمہ، پشتو کے تین شعراء کی الگ الگ سوانحمریان، "ونیری نرغ" و نیریوں کے رواج پر، "ژویل بنکاری" شیخ کے لئے لکھا ہوا پانچ ایکٹ کا مکمل منظوم اصلاحی پشتو ڈرامہ ہے اور اپنی نوعیت کے لحاظ سے "دوینو جام" کے بعد پشتو میں دوسرا مکمل ڈرامہ ہے، "نوئی بوٹان" سراغرسائی کا مکمل اور پشتو ادب میں اس موضوع پر پہلا ناول ہے، کلیاتِ عقاب (پشتو و اردو) حالات پر سبک و غیرہ، یہ آخری کتاب کچھ عرصہ ہوا چھپ چکی۔

ولیسے تو میں نے ستمبر ۱۹۶۱ء میں اس تاریخ کو مرتب کرنا شروع کر دیا تھا اور یہ اب سے کچھ عرصہ پہلے ہی چھپ جانی چاہئے تھی لیکن اسی کو کیا کیا جائے کہ اس دوران میں میں نے ۱۹۶۲ء میں ٹیکسپیر کے ڈرامے ڈی سرچٹ آف وینس کا پشتو ترجمہ "دوینس سوداگر" کے نام سے شائع کیا۔ (پشتو ادب میں یہ ٹیکسپیر کے ڈراموں کا پہلا مجموعہ، مکمل اور منظوم ترجمہ ہے)۔

۱۹۶۲ء میں خشکوں کے سب سے بڑے ولی کا صاحب پر ایک کتاب بہ نام "کا کا صاحب" اور اسی سال ایک کتاب اردو زبان میں بنوں کے غازی دلا سے خان پر شائع کی۔

"تاریخ خشک" کو مزید التواء میں نہ ڈالنے کی غرض سے دیگر تصنیفات کے مشغلہ کو سر دست چھوڑ کر اواخر جولائی ۱۹۶۲ء میں اس کتاب کی کتابت شروع کر دی اور برداشتہ توام اسے پشتو سے اردو میں بھی ترجمہ کرتا رہا کیونکہ اصلاً یہ کتاب پشتو میں لکھی گئی تھی، اور للہ الحمد کہ یہ کتاب آج آپ کے ہاتھوں میں ہے۔

چونکہ خشکوں کا حب علاقہ بہاری یا ریتلا اور عموماً بارانی ہے جسے پہاڑی نالوں نے کاٹ کاٹ کر نشیب و فراز بنادیا ہے جس میں زراعت بہت کم ہو سکتی ہے اسلئے ازمندہ گذشتہ میں یہاں کی سر زمین پر کبھی بھی ایسے بڑے بڑے شہر آباد نہیں ہوئے جہاں سے کچھ آثار قدیمہ ملنے کی امید ہو سکے، لیکن چھوٹے چھوٹے کنڈرات کہیں کہیں پائے جاتے ہیں۔

خٹکوں کے علاقے کے شمال اور جنوب کی طرف پشاور اور بنوں کے
زرخیز میدان پڑے ہوئے ہیں جن میں جا بہ جا پیرانی آبادیوں کے کھنڈرات
اور لاشانات ملتے ہیں جن میں آثار قدیمہ کے پائے جانے اور انکے ذریعے
خٹکوں کی تاریخ لکھنے میں مدد ملنے کی توقع ہو سکتی ہے۔

پشاور میں اب تک جو کھدائی ہوئی ہے یا جو آج کل صوبائی میں ہو رہی
ہے وہ عموماً بدھ مذہب کے آثار دریافت کرنے کے نقطہ نظر سے ہوئی ہے
اور بنوں میں تو آگرہ کی سطحی کھدائی کے علاوہ اور کسی کام سے بھی نہیں
ہے۔ حالانکہ بنوں میں غورپوالہ اور نار میں بھی کھدائی کے قابل کئی جگہیں

موجود ہیں

لیکن اور جگہوں کے آثار قدیمہ کی مدد سے خٹکوں کی جو تاریخ لکھی
جائیگی اس کی مثال علاقہ بارک خٹک کی ایک عورت کی رنگ بہ رنگ ٹوٹے
لگے ہوئے قمیص کی طرح تو ہوئی لیکن گرمیاں ہوگا تو چھوٹی نہ ہوگی اور چھوٹی
ہو تو دامن غائب ہوگا!

نہ تو خٹک کوئی کتبے چھوڑ گئے ہیں نہ سیکے نہ عمارتیں نہ پیرانی کتابیں
جن سے ان کی تاریخ مرتب کی جاتی۔ نہ ان کے علاقے میں انسانیات (انٹراپالوجی)
یا عمرانیات (سوشیالوجی) کے کسی ماہر نے کبھی کوئی کام کیا ہے جو ان کے
اصل اور نسل کے حالات زیادہ وثوق سے لکھ جا سکتے +

بعض لوگوں نے دوسرے ابتدائی قبائل میں پائے جانے والے
انسانیات اور عمرانیات کی معلومات کا اطلاق پشتونوں پر کرنا چاہا ہے
لیکن ایسا کرتے وقت بسا منہ کی کہاٹی ہے۔ مثلاً لکھا گیا ہے کہ پشتون
قبائل بجا ہی ازدواج کا رواج نہیں ہے۔ (اس کی توضیح ہم نے آگے کر دی
ہے)۔ ظاہراً دوسرے قبیلوں کی بابت جو حقائق معلوم ہوئے ہیں ان کا
اطلاق قوم خٹک پر بھی نہیں کیا جاسکتا +

ایک قبیلے کا علم انسانیات ایک یا دو یا حد تین یا چار پشتونوں میں
بدل جاتا ہے۔ اور یہ علم ان قبائل کے حالات معلوم کرنے میں معاون ثابت

ہو سکتا ہے جو نہایت ہی ابتدائی حالت میں ہوں۔ خٹک اب ویسی
ابتدائی حالت میں تو رہے نہیں البتہ ان کے بعض قبائل اب بھی پرمانی
دنیا سے بہت الگ تھلگ بسرِ اوقات کر رہے ہیں جن میں ایک حد تک
کام ہو سکتا ہے +

صوات، دیر، باجوڑ وغیرہ اور بھارت میں راجپوتانہ میں جو کام ہوا
وہ بھی بہ طریق موازنہ خٹک کے حالات دیکھنے میں ایک حد تک مفید ہو
سکتا ہے +

خٹکوں کی زبان پر بھی علم فقہ اللغت (فلاوجی) کی رو سے کام نہیں
ہوا۔ اور اگر ہوتا بھی تو چنداں مفید نہ ہوتا۔ کیونکہ اس علم کا دائرہ
بہت ہی محدود ہے۔ اس سے کسی قوم کی تاریخ دیکھنے میں قدرے مدد تو
لی جا سکتی ہے لیکن محض اس کی بنا پر کسی قوم کی تاریخ نہیں لکھی جا سکتی
اور پہلیو وغیرہ کا پشتونوں کی باقاعدہ تاریخ لکھنے کی بجائے محض ایک
لفظ (پشتون یا پختون) کے دو قسم کے تلفظ پر پشتون کو دو گروہوں
(پشتون اور افغان) میں بانٹا محض زیادتی ہے۔ اس طرح کے اچھا لی
تغیرات اور اصواتی مشابہات کی بنا پر تو یہ کہنا کوئی مشکل کام نہیں
ہے کہ سرحد کے خٹک اور یوپی کے کھلیک ایک ہی ہیں +

اس کتاب کے آغاز سے پہلے میں نے اپنے ہم پیشہ خلیفہ درملوگیا
وزیر ہاتھی خیل کے ساتھ ایک دن تاریخ خٹک کے مواد پر تبادلہ خیال
کرنا چاہا۔ اُس طرف سے جواب ملا: گلا (پیارے)! جانے بھی دو۔ ہم
دزیروں اور تم خٹکوں کی تاریخ کا سواد ہے ہی کہاں؟ — مجھے اپنے والد
[خانہوادیر خیر محمد خان صاحب شہید ۱۸۶۰ء - ۱۹۳۰ء] نے ایک مرتبہ بتلایا تھا
کہ اپنی جوانی کے دنوں میں ہم نے اپنے کئی سردے بغیر نماز جنازہ کے دفن
کر دئے تھے کیونکہ دور دور تک نماز جنازہ جاننے والا انسان نہ ملتا تھا۔
بہ مامر لاچاری ہم میں سے کوئی ایک پشتو خوان امیر حمزہ کی سرخا (سرخ
کٹافہ پر لکھی ہوئی) کتاب اٹھا لاتا تھا اور زور زور سے پڑھنا شروع کر

دیتا تھا کہ پھر امیر مزہ صاحب نے یوں تلوار نیام سے لٹائی اور یوں
کفار کے پیروں کو کھیت ڈالا۔ اور یوں کیا اور توں کیا۔ اور پھر وہ
شخص حاکم چلا اٹھتا تھا کہ ہلا [طبری کرو]۔ یا اللہ اسے بخش دے۔ اسے
دعاؤں تب حاضرین سردے پر خاک انڈیل دیتے تھے۔

ایسی حالت میں تاریخ خٹک لکھنے کا کسے یارا ہوتا؟ تاہم دل میں
گزر کہ اللہ الحمد! میری قوم اتنی گئی گزری بھی تو نہیں۔ ہم میں تو
بہت سے اولیاء اللہ، اصحاب طریقت اور خان اور اسکے پوتے جیسے
فضلاء گزرے ہیں۔ نوکل تو کر ہی لو لگا۔ اور نوکل کر ہی لیا۔ اور یہ
کتاب اسی نوکل کا نتیجہ ہے۔ اور اچھا ہے یا برا آپ خود ہی دیکھ لینگے +
میں ایک ایسے گوشے میں پڑا ہوا ہوں جہاں تاریخ خٹک پر مواد
بہ مشکل ہی دستیاب ہوتا ہے۔ اس پر مستزاد یہ کہ بعض لوگوں پر جن
کے ہاں مواد ملنے کی امید ہو سکتی تھی علمی بخل کا بھی شائبہ ہے + با ایں ہمہ
محض اس خیال سے کہ نہ جانے پھر کوئی خوشحال خان ثانی کب پیدا ہو
جو تاریخ خٹک کی تحریر کے نقصان کام کا بیڑا اٹھائے یہ ہر گز سببناست
تحفہ درویش آپکی خدمت میں بہ حد نیاز پیش کر رہا ہوں اور اپنی
بے بضاعتی اور کم علمی اور اپنی غلطیوں اور خامیوں کے لئے آپ کی عالی حوصلگی
سے چشم در گذر کی توقع رکھتا ہوں +

اب یہ چند کہ خٹک قوم کی کثیر تعداد اور ایک وسیع علاقے کے
پیش نظر انکی تاریخ لکھنا پھولوں کے بیج پر سونا نہ تھا تاہم میں نے
حق المقدور اس کتاب میں خٹکوں کے تاریخی، جغرافیائی، ثقافتی اور قبائلی
وغیرہ حالات جمع کرنے کی کوشش کی ہے +

تاریخی حالات میں آپ دیکھ پائینگے کہ پیروڈوٹس نے شاگبندی کے
نام سے جس قوم اور علاقے کا ذکر کیا ہے وہ اپنی ثقافت اور اپنے محل وقوع
کی وجہ سے یہی قوم خٹک اور کم و بیش ان کا موجودہ علاقہ ہے +
اس کتاب میں خٹکوں کے علاقے کے جغرافیائی حالات اسلئے شامل

کئے گئے ہیں کہ اگر کوئی شخص کسی قوم کے وطن کے جغرافیائی حالات، آب و ہوا اور عادات کا ذکر کئے بنا محض اس قوم کے مستند حالات یکجا کر لے تو یہ اس قوم کی مکمل تاریخ نہیں کہلائے جا سکتے۔ اس لئے کہ اگر ہم ان حالات سے نا آشنا رہیں جن میں یہ واقعات رو پڑے ہوئے ہیں تو ہمیں اس قوم کی تاریخ میں اکثر باتیں ناممکن یا غیر قدرتی نظر آئیں گی۔

ثقافتی حالات میں صرف ان باتوں کی طرف اشارہ کیا گیا ہے جو خشکوں سے مخصوص یا ان میں بہت کثیر الوقوع ہیں۔ جو باتیں سمجھی پشتونوں میں مشترکہ ہیں (مثلاً ننگ، ننواتے وغیرہ) اور جو ہم میں اسلام لانے کی وجہ سے آئی ہیں (مثلاً نماز، روزہ وغیرہ) ان کا ذکر بعد نہیں کیا گیا۔

ہمارے مورخ ثقافتی حالات کو توجہ نہیں دیتے آئے۔ لیکن کسی قوم کے معاشی، سیاسی اور اقتصادی حالات لکھے بغیر اس قوم کی موجودہ رجحان کے مطابق تاریخ لکھنی ناممکن ہو جاتی ہے۔

اس موضوع پر لکھتے وقت نہ تو مورخ کے اصولوں سے گریز کیا گیا ہے اور نہ اس خیال کو خود پر چھانے دیا گیا ہے کہ میں تو ایک خشک یوں قوم کی اس دکھتی رگ پر ماتہ نہ رکھوں گا یا اس مرض کا علاج بتلانے سے مجھے کیا واسطہ؟ اس لئے کہ ایک مورخ کو لامحالہ اپنی قوم کا معالجہ بھی ہونا پڑتا ہے۔ اس لئے جہاں ایسی صورت پیش آجائے وہاں لکھنے والے سے آئندہ خاطر ہونے کی بجائے اپنی اصلاح کی ٹھانی چاہئے۔

قبائلی حالات میں پہلے تو ہر قبیلے کی چند ابتدائی پشتیں دی گئی ہیں اور اسکے بعد اس قبیلے کے مختصر حالات دئے گئے ہیں۔

قبائل خشک میں اکوڑ خیل قبیلے پر تو نسبتاً بہت زیادہ مواد پایا جاتا ہے خصوصاً خان اور اسکے اخلاف پر تو کئی کتابیں لکھی جا سکتی ہیں لیکن زیر نظر کتاب میں اگر ایک طرف یہ گوارا نہ تھا کہ یہ اکوڑ خیلوں کی تاریخ بن کر رہ جائے تو دوسری جانب یہ بھی ملحوظ خاطر نہ تھا کہ اس میں کسی قبیلے کو اسکی اتحاد، وسعت وطن اور تاریخی کارکردگی سے

زیادہ صفحات دئے جائیں خواہ وہ میرا اپنا قبیلہ لڑی ہی کیوں نہ ہو۔
 باہر کے زمانے سے پہلے کی لکھی ہوئی کتابوں میں افغان کا ذکر
 تو ہے لیکن کرلاٹری کا ذکر نہیں ہے + زان بعد مخزن افغانی تک کی بعض
 کتابوں میں کرلاٹری کا ذکر تو ملتا ہے لیکن خشک کا ذکر نادر ہے۔ اس
 کے بعد کی کتابوں میں خشک کا ذکر تو ہے لیکن مختلف قبیلوں کا
 مکمل اور مفصل بیان مفقود ہے +

مخزن افغانی میں کرلاٹری قبیلے کا ذکر صرف تین صفحات پر محدود
 ہے اور کرلان کے بیٹے کودے کی اولاد کا شجرہ بھی غلط درج ہے جسکی وجہ
 آپ کو مخزن افغانی کا باب پڑھنے سے معلوم ہو جائیگی +
 میاں دہر شاہ کوٹلی کے پاس فارسی میں لکھا ہوا ایک ضخیم قلمی نسخہ
 موجود ہے جس کی جلد کے کاغذ پر ”کتاب فحج الانساب“ لکھا ہوا ہے۔ حقیقتاً
 یہ ایک کتاب نہیں ہے بلکہ چند کتابوں کا ایک مجموعہ ہے جس میں ہر کتاب
 بسم اللہ الرحمن الرحیم سے شروع ہوتی ہے + اس مجموعے کے شروع میں
 میاں محمد نور (ولد میاں محمد قاسم ولد میاں عبد اللہ معروف بہ حاجی بہادر صاحب
 کوٹلی) کی ایک تصنیف شامل ہے جسکی بابت مولف لکھتا ہے: ”یہ کتاب
 حاجی بہادر صاحب نے اپنے ناتھ سے ملک عرب میں لکھی تھی + چونکہ میں
 نے اپنے باپ دادا سے مسلسل سنا ہے کہ شریعت میں انساب کا
 ثابت کرنا جائز ہے اس لئے میں نے تاریخ کی پرانی کتابوں کا مطالعہ کیا۔
 ان مختصر کتابوں سے پرلے لوگوں کے شجرے لئے اور ان اوراق میں درج
 کر دئے تاکہ میری اولاد کو بہ وقت ضرورت کام آئیں + غالباً اس تحریر کی
 بناء پر کسی نے سب مجموعے کا نام کتاب فحج الانساب“ لکھ دیا ہے + اس
 مجموعے میں میاں محمد نور کی کتاب اصل نہیں نقل ہے۔ کیونکہ کچھ کے کاغذ
 پر لکھی ہوئے کے علاوہ آغاز کتاب میں تین اشعار کے بعد مولف کے
 نام کے ساتھ ”صاحب“ کا لفظ یوں استعمال کیا گیا ہے: ”کہتا ہے میاں
 محمد نور صاحب“ + اس کتاب میں کسی نے ۱۰۳۵ھ تک کے حالات بڑھا دئے

ہیں کیونکہ ایک جگہ لکھا ہے: ”اور پشاور اور کوٹا کی جاگیر پر سنہ ۱۳۲۵ء تک حاجی بہادر صاحب قدس سرہ العزیز کی اولاد قابض اور متصرف آ رہی ہے“ اور اس مجموعے کی ایک اور کتاب میں لکھا ہے: ”جان لے کہ ہمارے بزرگوار داداؤں میں سے حضرت محمد نور صاحبؒ نواسہ حضرت حاجی بہادر صاحب قدس سرہ العزیز سے منقول ہے۔“

اس مجموعے کی دوسری کتاب کا نام ”حالات کوٹا“ ہے، فارسی میں لکھی ہوئی اس کتاب میں حمد اور ثناء کے بعد کتاب کا مصنف غلام محمد خان ملتانی اپنی تصنیف کی بابت لکھتا ہے: ”کتنا ہے..... غلام محمد ملتانی کہ تقدیر مجھے کوٹا لائی۔ اسلئے اس ملک کے حالات میں جو کچھ میں نے معتبر کتابوں میں دیکھا اور کفہ لوگوں کی زبانی سنا وہ میں نے چند سطروں میں یہاں لکھ دئے“ یہ کتاب نواب خواجہ محمد خان خٹک (سنہ ۱۸۶۹ء - سنہ ۱۸۹۹ء) کے جین جیات میں لکھی گئی ہے۔

اس مجموعے کی ایک اور کتاب بھی حاجی بہادر صاحب کوٹا کی زبانی لکھی گئی ہے۔ جسکا آغاز یوں ہے: ”بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ جان لے کہ.... حاجی بہادر صاحب کوٹا سے یوں نقل پہنچی ہے کہ بنگش قوم کے حالات کی صحیح صورت یہ ہے کہ خالد ابن ولید کے تین بیٹے تھے۔ ان میں خالد کا بیٹا عبداللہ بہت ہوشیار.... تھا.... بنگش اس کی اولاد سے ہیں۔“ یہی کتاب لکھتی ہے: ”طوری پور [نوری] اور حاجی [خاٹھی] اصل میں کٹھن قوم سے ہیں جو پنجاب سے آئے تھے اور بنیلاب میں سکونت پذیر ہوئے تھے۔ اکبر بادشاہ کے زمانے میں بنیلاب سے کوچ کر کے موضع کرم کو چلے گئے اور اسے آباد کیا۔“

”حالات کوٹا“ میں اکوڑ خیلوں اور بنگشوں کے خوائین کے شجرے نسبتاً لہجہ سے دئے گئے ہیں اور خوائین خٹک پر خوائین بنگش کی برتری ثابت کرنے کے لئے جا بجا تاریخی لحاظ سے غلط اور ناممکن الوقوع خرافات سے کام لیا گیا ہے۔ مثلاً ایک جگہ لکھا ہے: ”خوائین کوٹا اسماعیل خان اور

شہولی خان جب اپنوں کے ہاتھوں تنگ آگئے تو بوجہ لاچاری خالص صاحب والا شان محمد افضل خان کے پاس ٹیری چلے گئے۔ اس نے انہیں مدد دی اور رخصت کر دیا۔ خشک قوم کی امداد سے حاکم بنے تھے + اسمعیل خان نے کمک کی وجہ سے لاچی کا گاؤں اسے بخشیش دیا تھا +“

مندرجہ بالا بیان میں حسب ذیل غلطیاں ہیں (۱) لاچی کا علاقہ خشکوں کو اس وقت تقسیم میں ملا تھا جب خشکوں اور ہنگشوں نے مل کر اورکزپوں سے جنوبی ہنگش کا علاقہ فتح کیا تھا (جیسا کہ آپ اس کتاب میں آگے جا کر پڑھ لینگے) + (۲) محمد افضل خان I سنہ ۱۰۹۳ھ / ۱۶۸۲ء میں حاکم بنا تھا۔ اور اسی کتاب فصیح الانساب میں آگے لکھا ہے: ”بیان ہنگش قوم کے ہائزٹی پے کے خواہن کا جو کوٹ کے حاکم تھے۔ اسمعیل خان ولد شاہولی خان شیرشاہ بن حسن خان قوم نیازی یا سوری کے زمانے میں ۱۵ محرم سنہ [۱۶ اکتوبر سنہ ۱۰۹۴ھ] کو کوٹ کا حاکم بنا +“ اسکا مطلب تو یہ ہوا کہ محمد افضل خان نے اپنے حاکم بننے ۱۹۳ سال پہلے اسمعیل خان کو مدد دی تھی!

اس مجموعے کی ایک کتاب میں اکوڑ خیلوں جیسے معروف قبیلے کا شجرہ بوں غلط درج ہے: ”محمد اشرف خان بن شرف خان بن خوشحال بیگ خان تو من خان بن سومن خان بن محمد علی خان ابو خان بن ماتو خان بن تری خان بن تری خان لقمان بن برہان +“ مندرجہ بالا شجرے میں زیر خط کشیدہ نام زائد اور غلط ہیں +

یہ دو مثالیں آنے والے کام کرنے والوں کیلئے مشعل راہ ثابت ہونگی اور وہ کتاب فصیح الانساب سے استفادہ کرتے وقت بہت احتیاط سے کام لینگے۔ کیونکہ یہ کتاب غلطیوں سے بٹی پڑی ہے +

اس مجموعے میں دو کتابوں کے سرورق غائب ہیں جسکی وجہ سے مزید غنت کے بغیر انکی بابت زیادہ کچھ نہیں لکھا جاسکتا۔ ہاں۔ انہیں ایک میں میں نے اس جیسی عبارت دیکھی جو اخوند درویش کے تذکرے میں پیرسہاک کے بزرگوں کی بھجوت ہے +

سکھوں سے پشتونوں کا علاقہ چھین چکے کے بعد انگریزوں نے افغانستان میں شمال کی طرف سے روسیوں کے بڑھتے ہوئے اثر کو روکنے کے لئے اور افغانستان کو حاصل کرنے کیلئے پہلے وفود افغانستان بھیجے شروع کئے۔ یہ وفود پشتونوں کے علاقے سے ہو کر گزرتے تھے۔ اسلئے انگریزوں نے پشتون قوم اور اسکی زبان کا مطالعہ شروع کیا اور دونوں پر ڈھیر ساری کتابیں لکھ ڈالیں۔ لیکن انہوں نے خٹکوں پر کوئی کتاب نہیں لکھی کیونکہ وہ اپنی کتابیں ان قبائل کی بابت لکھتے تھے جو ان کی راہ میں پڑتے تھے اور ان سے برسر پیکار رہتے تھے اور جن سے پیٹنے اور آئندہ کیلئے اپنی قوم کی آگاہی کیلئے انگریزوں کو انکی زبان اور عادات و خصائل جاننے کی ضرورت پڑتی تھی۔ یہ محسوس ہوا کہ وہ قومیں جو پہاڑوں میں بستیں تھیں اور اپنے محل وقوع کی وجہ سے انبار کی پر اثر مدافعت کر سکتے تھے، خشک ایک تو میدانوں یا نیچی پہاڑیوں کے علاقے میں بستے تھے جو بہ آسانی فتح کیا جا سکتا تھا۔ دوسرے وہ عرصہ دراز سے اپنی طاقت خانہ جنگیوں میں ضائع کر چکے تھے۔ تیسرے انکی مشرقی شاخ کی حکومت تو سکھوں ہی کے زمانے میں ختم ہو چکی تھی اور سکھوں اور اپنے عزیزوں کا ستایا ہوا مغربی شاخ کا خان شروع ہی سے انگریزوں کا حلیف تھا۔

انگریزی دور کی لکھی ہوئی تاریخی نوعیت کی بعض کتابوں میں خٹکوں کا ذکر ضمناً یا بطور ایک مستقل باب کے آتا ہے۔ لیکن وہ کتابیں آجکل سخت کمزور ہیں۔ اور اگر سچی تبلیغ اور صرف کثیرے کوئی انہیں پابھی لے تو ان میں کیا پایہ نگاہ؟ — خٹکوں کا غلط حال اور نامکمل شجرے، خٹکوں کے صحیح حالات کے متلاشیوں کے لئے اور انہیں صحیح کاوش اور تعاون سے بچانے کے لئے یہ مخصوص، جامع، مستند اور کم قیمت کتاب لکھی گئی ہے۔

زمانہ قریب میں کیرو صاحب نے ”دی پٹھانز“ کے نام سے جو کتاب
چھاپی ہے وہ اپنے مندرجات کی نوعیت کے لحاظ سے ایک علاوہ باب کی
مقتضی تھی جو اس کتاب میں قائم کیا گیا ہے +

اس کتاب میں قبیلوں کے شجروں، نقل مکانی اور اسمائے مساکن
کے بارے میں ضلع پشاور کے بندوبست ۱۸۷۷ء اور ضلع کوٹاٹ کے
بندوبست ۱۸۷۶ء اور ۱۸۹۳ء کے اشلہ حقیقت سے استفادہ
کیا گیا ہے + یہ اشلہ جات بعض لحاظ سے تو کافی قابل اعتماد ہیں
لیکن ان سے تاریخی مواد اخذ کرنے وقت بھیجے سے کام لینا چاہئے کیونکہ
بعض مواقع پر عملہ بندوبست کو بیان دیتے وقت مالکان اراضی نے
بوجہ بعد زمانی فحش غلطیاں کی ہیں۔ مثلاً کبیر کلا (کھیل کرک) کے
مالکان یہاں ہیں: ”تھینا چار سو سال کا عرصہ ہوتا ہوگا کہ جب سردار
شہباز خان حاکم نے قتل اور خوترہ پایان کے علاقے پر جو مروت قوم
کے قبضے میں تھا جنگ اور قبضہ کر لیا +“ اس بیان کے مطابق سردار
شہباز خان کا زمانہ تخمیناً (۱۸۱۶ء - ۱۸۰۰ء) بنتا ہے۔ حالانکہ تاریخ
سے ثابت ہے کہ نامبردہ نے ۱۷۵۹ء سے ۱۷۹۹ء تک ٹبری پر حکومت کی
تھی + ایسے ہی موضع بدین خیل کے مالکوں نے بھی سردار شہباز خان کا
زمانہ ۲۰ سال قبل کا بیان کیا ہے۔ لیکن موضع کرک کے مالکوں نے اس
کا زمانہ ۳۰ سال پہلے کا بتلایا ہے +

بندوبست سے پہلے زمانے کے شجروں کا جو مطلب میں نے اخذ کیا
ہے وہ آپ اس کتاب میں ”شجرہ“ کے باب میں پڑھ لینگے +
اس کتاب میں جہاں بھی ہو سکا میں نے پرانی کتابوں میں دئے
ہوئے شجروں کی درستی کر دی ہے اور جہاں جہاں وضاحت کے لئے
ضروری دکھائی دیا میں نے پرلئے شجروں میں چند پشتوں کی انفرادی
بھی کر دی ہے +

اس کتاب میں میں نے خفی التوسع زبان کی قصوں اور روایتوں سے

پہلوئی کی ہے۔ کیونکہ مرورِ زمان کے ساتھ اب ان میں سے کئی ایک نے اچھا خاصا افسانوی رنگ اختیار کر لیا ہے۔ اگرچہ یہ ایک مانی ہوئی حقیقت ہے کہ ہر قوم کی تاریخ کی بنیاد روایتوں اور افسانوں پر ہی ہوتی ہے۔ لیکن بہت عرصہ گزرنے کے بعد جب وہ قوم ترقی کر لیتی ہے تو آخر ایک وقت ایسا بھی آ جاتا ہے کہ اس قوم میں وقائع نگاروں کی جگہ مورخ سنبھال لیتے ہیں جن میں یہ اہلیت ہوتی ہے کہ روایات اور اصل واقعات کو چھانٹ کر رکھ دیں، جتنی بھی کوئی قوم مہذب اور عقل سلیم سے بہرہ ور ہو اتنا ہی اس قوم کے مورخ روایات سے اجتناب برتتے ہیں۔ اور یا تو روایات کو سرے سے اپنی تصنیفات میں جھٹکنے ہی نہیں دیتے یا ان پر تدقیق کے ساتھ بحث کر لیتے ہیں اور ان میں سے رنگینی کو علیحدہ کر لیتے ہیں اور اگر ممکن ہو تو انہیں اصلی واقعات کے ہمدوش کھڑا کر دیتے ہیں۔ اس کتاب میں بھی کافی حد تک اس طریق کار پر عمل کیا گیا ہے۔

پشتونوں اور ایرانیوں کی پرانے زمانے سے چلی آنے کی وجہ سے ایرانیوں نے پشتونوں کے برخلاف جو زہر اگلا ہے اسکی کچھ جھلک تو آپکو اس کتاب میں نظر آ جائیگی لیکن اس پر مفصل بحث سے عداً اجتناب کیا گیا ہے۔

پشتون کی نسل کے بارے میں مشرق اور مغرب کے اہل قلم مختلف نظریے پیش کرتے اور ایک دوسرے سے اندھا دھند نقل کرتے چلے آئے ہیں ان کے دلائل بھی آپ اس کتاب میں ملاحظہ فرمائیے۔ یہ کتاب پر چند کہ شکوک کی تاریخ وغیرہ کا ایک مختصر لیکن جگمگاتا ہوا مریع ہے لیکن با اس ہمہ مکمل پن کا دعویٰ نہیں رکھتی کیونکہ ابھی نو سنسکرت زبان میں پشتونوں پر مواد ڈھونڈنا باقی ہے۔ اور ابھی تو پشتونوں کے گھروں میں پڑا ہوا بہت سا مواد بھی مصنفہ شہود پر نہیں آیا۔

مجھے یہ لکھتے ہوئے ندامت محسوس ہوتی ہے کہ مجھے ان میں سے ایک جگہ سے بھی مواد حاصل نہیں ہوا جہاں سے مواد ملنے کی امید ہو سکتی تھی۔ بلکہ بعض اوقات تو خالص خٹکوں نے میری دل شکنی اور میری راہ میں روڑے اٹکانے کی کوشش کی۔

اس کتاب کے لئے خٹکوں کی زندگی کی تمثیلی تصویریں دہلی کمرے سے لی گئی تھیں اور اپنے فوٹوگراف اور ان کی طباعت کے اخراجات چھونے کے لئے بعض مشہور خٹکوں کو گشتی چھٹی بچھی گئی تھی لیکن ماسٹروٹے عزیزم پبلشر لفٹنٹ جنرل حبیب اللہ خان خٹک کے کسی طرف سے جواب نہ آیا۔ اس لئے جرنیل صاحب کا شکریہ ادا کرتے ہوئے یہ کتاب تقریباً معرا پیش کی جاتی ہے۔ اور مستقبل کو حال کے آئینے میں بھانپتے ہوئے اسے کم خرچ بنانے کی کوشش کی گئی ہے۔

اس کتاب کے نقشہ جات مستند مطبوعات سے لی گئے ہیں۔

بنوں ۱/۵۱ خٹک عقاب

پشتون کے نام :-

دنیا کی وہ سب سے بڑی قبائلی وحدت، جس نامور اور بھادر قوم کی اکثریت ایک لاکھ مربع میل کے احاطے میں سابق صوبہ سرحد آزاد قبائل اور بلوچستان اور افغانستان کے اکثر علاقوں میں سکونت پذیر ہے، جو سب کے سب خفی مسلمان اور جنکی زبان پشتو ہے اور جو اپنے آپ کو بلا استثناء پشتون یا پشتین (مذکر پشتون + جمع پشتانہ + مونث پشتنہ + جمع پشتنے اور پشتیلے) کہتے ہیں اور جو سب سے زیادہ پشتون کے نام سے مشہور ہے، جس نے ہندوستان اور ایران پر بھی حکومت کی اور جنکی حکومت افغانستان میں آج بھی قائم ہے۔ اس ملت قاہرہ کو اغیار نے کئی اور ناموں سے بھی پکارا ہے + پشتون کے جملہ ناموں کی تشریح حسب ذیل ہے :-

(۱) پشتون یا پشتین۔ قوم پشتون پشتونخوا (پشتون کے علاقے) کی اصلی اور قدیمی باشندہ ہے۔ پہاڑوں میں رہنے، جدا جدا رہائشگاہوں اور مقاماتی حالات اور مجبوریوں کی وجہ سے قبائل کا آپس میں آزادانہ ازدواج نہ کر سکنے کی وجہ سے ان کا خون میدانی علاقوں کے باشندوں کے مقابلے میں زیادہ صاف رہا ہے +

”تمہ“ میں لکھا ہے: ”بعض لوگوں کا خیال ہے کہ پشتون قوم ابتداء ہی سے ان پہاڑوں میں آباد تھی اور شروع ہی سے اور قوموں سے ممتاز چلی آئی ہے + یہی قوم سکندر یوی کیساتھ لڑی تھی اور فارس کے بادشاہ کشتاسب کے وقت موجود تھی۔ ان کا ملک سیستان کے صوبے اور مشہور پہوان رستم کے زیر حکومت تھا۔ یہ اسے گاٹے کی دس کھائیس سالانہ خراج میں دیا کرتے تھے۔ پھر انہوں نے بغاوت کی اور اس قیمتی خراج کے دینے سے انکار کر دیا۔ لیکن رستم نے جلد آور ہو کر انہیں دوبارہ مطیع کر لیا۔“

لیکن وقتاً فوقتاً پشتونوں میں اور قومیں مثلاً یہودی، عرب، ایرانی، ترک اور منگول بھی ملتی چلی آئیں اور پھر پشتون قوم کی رعایت سے پشتون کہلائے گئیں کیونکہ ان نوواردوں نے اپنا مذہب، لباس، زبان اور خو خصلت تک تیاگ کر کلمتہ پشتونوں کی ثقافت اپنا لی تھی۔ مثلاً جو بنی اسرائیل پشتونوں میں آکر بسنے لگے ان کا نہ تو یہودی مذہب ہی بچا رہا نہ عبرانی زبان، نہ زنا اور نہ اور کچھ۔ مروج اسلام کے بعد جو عرب یہاں آئے وہ بھی اپنی عربی زبان اور لباس وغیرہ چھوڑ بیٹھے، عرب تو بجائے خود بے سیدوں کے نئی قبیلے بھی اپنے آپ کو سید کی بجائے پشتون کہنے لگے۔ نرتوں اور ایرانیوں وغیرہ کا حال بھی اسی منوال پر ہے۔

پہلے دنیا کی قومیں پوست کے لحاظ سے چار گروہوں میں بانٹی گئی تھیں: (۱) سفید فام (آریہ)۔ (۲) زرد فام (منگولین)۔ (۳) سرخ فام (سیگمیتک)۔ اور (۴) سیاہ فام (جشی)۔ لیکن دور حاضر کے علماء دنیا میں گیارہ نسلوں کا وجود مانتے ہیں، خٹک قوم کا تعلق سفید فام نسل سے ہے۔

آریہ قوم کے اصلی مسکن کی بابت علماء میں اختلاف پایا جاتا ہے اور آئے دن اس بارے میں نئے نئے نظریے قائم ہوتے رہتے ہیں۔

علمائے افغانستان کے نظریے میں پشتون آریہ ہیں۔ ان کے ہاں اس نظریے کو پہلی بار ۱۹۲۲ء کے حدود میں ترویج ملی تھی، یہ وہ زمانہ تھا جب ہٹلر نے نازک نسل کا نظریہ پیش کر کے کہا تھا کہ جرمن قوم کا خون دنیا بھر کی قوموں سے پاکیزہ تر ہے۔ اور جرمن آریہ ہیں۔

آریہ نظریے کے حمایتی کہتے ہیں کہ آج سے چھ ہزار سال پہلے جب آریہ قوم کی تعداد بڑھی اور وہ وسطی ایشیا میں اپنے مسکن میں نہ سواتے تھے تو انہوں نے تقریباً ۱۰۰۰ ق م میں وہاں سے کوچ کیا اور بخد (باختر، بکٹریا) افغانستان (ترکستان) میں ایک خوبصورت تمدن کی بنیاد ڈالی۔

کچھ عرصہ بعد جب انکی تعداد پھر بڑھ گئی تو کچھ قبیلے تو وہیں رہ گئے لیکن کچھ یورپ، ایران اور بھارت کی طرف کوچ کر گئے۔

جو آریہ نجد میں رہ گئے تھے وہ رفتہ رفتہ کوہ ہندو کش کے شمالی اور جنوبی دامنوں میں پھیل گئے۔ حتیٰ کہ مغرب میں کوہ ہندو کش سے لیکر مشرق میں دریائے سندھ (ابا سندھ، اباسین، اٹک، نیلاب) تک، اور شمال میں تبت سے لے کر جنوب میں بحیرہ عرب تک سارے علاقے پر قبضہ کر لیا۔ بلخ، کابل، ہرات اور حراسان وغیرہ اسی علاقے میں شامل ہیں، اس علاقے کے بسنے والے باختری آریہ ہیں۔ اور خلک قوم کا تعلق اسی علاقے کیساتھ ہے۔ باختری آریہ کے ایک بڑے قبیلے کے پرانے نام نجد (یا بخت) کی رعایت سے ان کا وطن نجد، بخت یا بلخ کہلاتا ہے۔ چونکہ ان کے نام میں حرف "خ" پایا جاتا ہے جو سنسکرت زبان میں نہیں پایا جاتا اسلئے یہ ثابت ہوتا ہے کہ آج سے چھ ہزار سال پہلے آریہ ایک ایسی زبان بولتے تھے جس میں "خ" کا حرف موجود تھا۔ وہ زبان تو اب نہیں رہی لیکن اس سے باقی ماندہ تین زبانوں پشتو، اوستا اور سنسکرت (یا مگھی ہوئی ویدک زبان) میں سے اول الذکر دو میں تو یہ حرف موجود ہے لیکن تیسری میں اب نہیں پایا جاتا۔

پشتونوں کا سب سے قدیمی ذکر آریہ کی سب سے پرانی مذہبی کتاب "رگ وید" میں آیا ہے جو سن ۱۹۰۰ء اور سن ۳۰۰ء میں یعنی آج سے تقریباً ۳۹۰۰ یا ۳۴۰۰ سال قبل لکھی گئی ہے۔ آریہ کا مطلب ہے اسیل، رگ وید کے مطالعے سے پتہ چلتا ہے کہ اس کتاب کے لکھے جانے کے وقت، علاوہ اور جگہوں کے آریہ دریائے سندھ کے دونوں طرف بھی آباد ہو چکے تھے۔

اس کتاب میں چار جگہ پشتونوں کا ذکر "بخت" کے نام سے آیا ہے جو "بخت" کی صحیح صورت ہے کیونکہ وید کی زبان میں "خ" کا حرف نہ ہونے کی وجہ سے "بخت" کی "خ" کی جگہ اسکا ہم آواز حرف "ک" استعمال کیا گیا ہے۔ ایسا کہنا صرف اسی صورت میں قابل قبول ہو سکتا ہے جب ہم یہ کہیں کہ رگ وید کی تصنیف کے زمانے میں پشتون ایک ایسی زبان بولتے تھے جس میں "خ" کا حرف پایا جاتا تھا اور اگر اس زبان کو پشتو کہا جائے تو ساتھ ہی یہ بھی ماننا پڑے گا کہ "پشتون" کے نام کا "پختون" تلفظ "پشتون" تلفظ سے زیادہ

ہینگے، کیرو کا لفظ پتھر بھی کہی ہے۔ لیکن اسکا استعمال قطعاً غیر منطقی، غیر موزن و مضحکہ آہر اور ایک خاص غرض پر مبنی ہے جسکا ذکر آپ اس کتاب میں پڑھ لینگے + لیکن چونکہ علم فقہ اللہ کے بعض علماء کی رائے میں ”پشتون“ تلفظ ”پختون“ تلفظ سے قدیم تر ہے (جسکا ذکر آپ آگے پڑھ لینگے) اسلئے ہمیں لا محالہ یہ ماننا پڑیگا کہ اسوقت پشتون ایک ایسی زبان بولتے تھے جو پشتو اور اوستا دونوں سے قدیمی تھی اور جس سے یہ دونوں زبانیں نکلی ہیں کیونکہ دونوں میں ”خ“ کا حرف پایا جاتا ہے +

اس سے اس نظریے کی بھی تردید ہوتی ہے کہ پشتو اوستا سے نکلی ہے کیونکہ اگر ہم سنسکرت کے ”پکت“ کو ”پخت“ کی حرف شکل مان لیں تو ہمیں یہ بھی ماننا پڑیگا کہ اوستا زبان رگ وید کے لکھے جانے سے بھی پہلے بولی جاتی تھی حالانکہ اکثریت کی رائے اس کے خلاف ہے +

رگ وید میں پکت کا ممکن پکتیا کے نام سے یاد کیا گیا ہے + پکت ان دس قبیلوں میں سے ایک کا نام ہے جنہوں نے دس بادشاہوں کی مشہور جنگ میں حصہ لیا تھا۔ اور ایک خاص مقصد کیلئے اپنے فراہت داروں کے ساتھ شرکت کی تھی +

لیکن اس کے بعد (جیسا کہ ہندوستان کے تاریخی قصوں اور پرائوں کے مطالعے سے پتہ چلتا ہے) پشتون گننام ہو گئے۔ وجہ اسکی یہ ہے کہ اسوقت وادی کابل کے محلے حصے پر درہیو قبیلے نے قبضہ کر لیا۔ اور اس قبیلے کے بادشاہ گندارا نامی نے اس علاقے پر اپنی قوم بسالی +

ہندوستانی ماخذوں کی رو سے پہلے درہیو اور لنگے بعد بھرت کی اولاد پنجاب سے پشتونخوا کی طرف پھیلے + اگرچہ گندارا کے علاقے میں پہلے ایکمینین اور پھر ہندی باختری بادشاہوں کی حکومت رہی (جن دونوں کا حال آپ حملہ آوروں کے باب میں پڑھ لینگے) لیکن کم از کم تین ہزار سال تک اس علاقے کا مذہب ہندوستانی بردھ مذہب اور رسم الخط خروشتی (آریہ کی پرائی حروف تہجی) رہا + اور پرائوں میں مرقوم ہے کہ یہ لوگ

جنگا مذہب ہندوستانی بدھ مذہب اور رسم الخط فروشی تھا بھرت کی اطال
تھے۔ ان میں پشتونوں کا ذکر کہیں بھی نہیں آیا۔ جس سے صاف پتہ چلتا ہے
کہ اس وقت پشتون پوشیدہ وادیوں اور پہاڑوں میں کنارہ کش ہو گئے
تھے اور وہیں حسب معمول اپنا قدیمی قبائلی نظام اور آریہ مذہب چلا رہے تھے۔
عربوں نے فارس اور اورنگ نو پہلی صدی ہجری میں اور اس کے
بعد افغانستان کا میدانی علاقہ بھی فتح کر لیا (جس وقت اس کا شمالی علاقہ تاجک
قوم کے قبضے میں تھا) لیکن پشتون اور دیگر قدیمی باشندے جو پہاڑوں میں
رہتے تھے دسری صدی ہجری تک عربوں کے ساتھ لڑتے رہے۔ اور اس کے
بعد پہاڑوں سے انتر کر میدانی علاقہ پر قابض ہو گئے۔ یہ لوگ آج بھی خود
کو پشتون اور صرف پشتون کہتے ہیں۔ اس قوم کی سب سے خالص صورت
کوہ سلیمان کے پہاڑوں (جس جو ان کا اصلی مسکن تھا) اور سب سے بڑھ کر کولٹری
قبیلے میں نظر آتی ہے + لاولی کا خیال ہے کہ پشتون سولہویں صدی ہجری میں
جنوب سے شمال کی طرف پھیلے تھے۔ یہ خیال جیسا کہ ظاہر ہے پشتونوں کے
بعض قبائل کی آمد کے نقل مکانی کی بابت ہے +

مگر خلاف خالص پشتونوں کے میدان کے بعض اور قبائل نے (جو بعد
میں پشتونوں میں شامل ہوئے تھے) پہلے بدھ اور بعد میں ہندو مذہب اختیار کیا
تھا۔ اس لئے کہ میدانی علاقے میں تو بدھ مذہب کے آثار بہ افراط لیکن محفوظ
پہاڑی سطح مرتفعوں میں بہت کم ملتے ہیں + غزنویوں کے زمانے تک کابل کی
اوپری اور زیریں وادیوں پر شاہیہ خاندان کی حکومت تھی۔ اور ان علاقوں کی
ادبی زبان سنسکرت اور عوامی زبان ایک قسم کی پراکرت تھی +
لیکن اس کے بعد پشتونوں نے غزنویوں کی فوج میں لڑائیاں لڑیں اور
غزنوی علاقے کے ساتھ ہی ساتھ پشتون بھی درباٹے کابل کی بالاٹی اور زیریں
سطح کی وادیوں پر آ گئے۔ اور بعض پشتون میدانوں میں بھی آئے۔

گویو سے بعد کی پرانی کتاب کا نام اوستا ہے جو آج سے تقریباً ۲۵۰۰
سال پہلے لکھی گئی ہے اور جس میں پشتونوں کو بہت اور بڑے ناموں سے یاد کیا گیا ہے۔

اوسٹریا کے بعد پشتونوں اور بالخصوص خشکوں کا ذکر یونانی مورخ
ہیروڈوٹس کی کتاب ۳: ۹۱ میں آیا ہے۔ اس نے اپنی کتاب ۳: ۱۰۲ و ۱۰۳
میں ایکمینی بادشاہوں کی سلطنت کے ساتویں اور تیرھویں طبقے میں
ذکر کیا ہے۔ پشتونوں کو پکتی، پکتیوس اور پکتیس اور ان کے وطن کو پکتیکا
پکتیجا اور پکتیا کے ناموں سے یاد کیا ہے۔ وہ لکھتا ہے کہ پشتون ایک
مضبوط اور بہادر قوم ہے۔ واضح رہے کہ اس نے حسبِ عادت پشتونوں
اور پشتونخوا کے نام اپنے لیے میں لکھے ہیں۔

اسی زمانے میں ایرالجر سکاٹلنڈ (۵۲۱-۴۸۶ ق م) نے اپنے سفر نامے
میں پکتیکا کا ذکر کیا ہے۔

یونان کے مشہور جغرافیہ دان بطلموس کلڈیس نے پشتونوں کو پکتیان
اور ان کے ملک کو پکتین لکھا ہے۔ وہ لکھتا ہے کہ یہ ملک پاروپامیزاد
کے جنوب میں واقع ہے۔

سب سے پہلے مشہور مستشرق پروفیسر لاسین نے کہا تھا کہ رگ وید
کے پکت جنہیں یونانی مورخوں نے اپنے لیے پکتی، پکتوئیس اور پکتیس لکھا
ہے یہی آجکل کے پشتون ہیں۔ پروفیسر ٹرومپ اور پروفیسر گریرسن (اینگلو سٹک
سروے آف انڈیا) نے لاسین کے نظریے کی تائید کی ہے۔ اور اب سب
مورخین کا اس بات پر اتفاق ہے۔

لیکن اوسلو یونیورسٹی کا پروفیسر مارگنٹھرین اور کیمبرج یونیورسٹی کا پروفیسر
ہیلی علم فقہ اللغت کی بناء پر اس نظریے کی مخالفت کرتے ہیں۔

ہیلی نے اپنا نظریہ جرنل آف برٹش سکول آف اوریینٹل اینڈ المینٹین
سٹڈیز ۱۹۵۲ء میں کسٹیکا کے عنوان کے تلے شائع کیا ہے۔ جسکا خلاصہ یہ
ہے کہ پشتون بدیں وجہ ہیروڈوٹس کے ذکر کردہ پکتوئیس نہیں ہو سکتے کہ لفظ

پشتون کا اصلی تلفظ 'پشتون' ہے اور اس لفظ کا پختون تلفظ ہے کا جدید
تلفظ ہے۔ اور علم فقہ اللغت کی نو سے ش میں تبدیل ہو سکتا ہے۔
'خ' 'ک' میں بدل سکتی ہے۔

پ۔ مارگنشرین نے اپنا نظریہ ایسا ٹیکو پیڈیا آف اسلام ۱۹۵۵ء چھاپام
فیسبکبول میں افغان کے عنوان کے تحت شائع کیا ہے۔ اسکی دلیل بھی
وہی ہے جو پہلی کی +

ان دونوں نے تلفظ کے ایک ادنیٰ تغیر پر پشتونوں کو دو فرقوں
(پشتون اور افغان) میں بانٹنے کی ناپاک کوشش کی ہے۔ وہ دونوں کہتے ہیں
کہ جو ایچ پشتون برتتے ہیں اور جسے عرب عامہ میں پشتو یا [قنداری] یا
نرم لہجہ کہتے ہیں اس لہجے سے زیادہ قدیمی و وسیع اور خالص ہے جسے افغان
استعمال کرتے ہیں اور جسے عرب عامہ میں پختو یا [کابل] یا سخت لہجہ کہتے ہیں +
ان دونوں کے نظریوں کی اساس اس غلط مفروضے پر ہے کہ پہاڑی
علاقے کے پشتون اس وطن کے اصلی اور قدیمی باشندے ہیں اور ان کی
زبان بھی اصلی اور قدیمی زبان ہے جو پہرولی اثرات سے مقابلتا مصون رہی ہو +
ان دونوں نے یہ بھی نہیں سوچا کہ بعض پشتونوں کا پہاڑوں سے اثر
کرمیدانوں میں بسنا تو ماضی قریب کی بات ہے + پھر ان دونوں نے اپنے
اپنے دلائل سے جو نتائج اخذ کئے ہیں وہ بھی مختلف ہیں + پہلی کہتا ہے
کہ پکتولیس پروپامیسس کے کوہ دامن کی پریتے قوم ہے + اور مارگنشرین
کہتا ہے کہ شمالی چترال کی پٹو قوم ہے +

پشتونوں کو دو فرقوں میں بانٹنے کی مذموم کوشش کو کیرو نے بھی
خوب اچھالا ہے۔ لیکن اس نے دی پٹھانز کے صفحے ۳۶ پر پہلی اور مارگنشرین
سے جزوی اختلاف کیا ہے اور یوسفزیوں کی روایتی حمایت میں لکھا ہے کہ
سخت لہجہ نرم لہجے سے زیادہ قدیمی ہے۔ ایسا کرتے وقت کیرو نے کالیوں
کے نظریے کی تقلید کی ہے جو پشتونوں کی ابتداء سخت یا نجد سے بتلاتے ہیں +
لیکن کیرو نے اپنے خیال کی تائید میں جو دلائل پیش کئے ہیں وہ خلاف
واقعات، غیر منطقی اور از روئے تاریخ ناقابل قبول ہیں :- اولاً وہ لکھتا
ہے : "پشاد کے آس پاس کے پٹھان یوسفزیوں کے لہجے کو سب سے
اعلیٰ کہتے ہیں + اس بیان کی وقعت کا اندازہ اس بات سے لگائیے

کہ یہ تو ایک بہت محدود علاقے کی طرف منسوب ہے حالانکہ پشتو زبان تو مشرق میں دریائے سندھ سے لے کر مغرب میں دریائے ہلمند تک بولی جاتی ہے اور ایسی وسیع زبان کے متعلق ایک مقام کے آس پاس کے لوگوں کی رائے کو کیا وقعت حاصل ہو سکتی ہے؟ نیز جو کچھ کیرو نے لکھا ہے وہ بھی صداقت پر مبنی نہیں ہے۔ پشاور کے آس پاس کے پسے والوں میں تو خلک اپنے لیے کچھ کو باقی سب لوگوں سے اعلیٰ کہتے ہیں۔ اور افغانستان میں قندھاری اپنے لیے کچھ کو کابلی لیے سے بہتر سمجھتے ہیں۔ اور پھر لفظ پٹہاں کے استعمال سے کیرو کا مافی الضمیر کیا ہے۔ وہ اکثر تو یہ لفظ افغان کے برخلاف پشتونوں [کرلاٹریوں] کے لئے استعمال کرتا ہے۔ لیکن یہاں کس کے لئے بڑا ہے؟ پشاور کے آس پاس تو خلک اور افریدی بھی کہتے ہیں جو بزرگم کیرو پشتون ہیں اور خلیل اور مہمند بھی جو اس کی لغت میں افغان ہیں۔

اگر کیرو یہ کہتا کہ گزشتہ زمانے میں پشاور چھاؤلی میں سکونت پذیر گودے یوسفزیوں کے لیے کچھ کو اعلیٰ سمجھتے تھے تو بات کہنے کی بھی ہوتی۔ کیونکہ صوبہ سرحد کے صدر مقام پشاور میں فرنگیوں کا واسطہ سب سے پہلے چند یوسفزیوں کے ساتھ پڑا تھا اور انہوں نے پہلے یوسفزیوں کا لیے سیکھا تھا۔ جو صدیوں تک غیر ملکی حکمرانوں، تاجروں اور مسافروں کے اثرات کی وجہ سے گھسا پٹا، ادھوا، محدود اور مخلوط بن گیا تھا اور جس کا سیکھنا اس لیے میں فارسی اور اردو الفاظ کی بہتات کی وجہ سے مقابلتا آسان تھا۔ پھر جو انگریز کسی سے اپنے لیے کچھ لکھوانا چاہتا تھا تو وہ بھی اسی لیے میں پڑتا تھا، اس لیے چند نا سمجھوں نے کلام الملوک ملوک الکلام کے مصداق اس لیے کو معیاری سمجھنا شروع کیا۔ لیکن علاوہ انگریزوں کے اس لیے کو کہیں بھی مقبولیت حاصل نہیں ہوئی۔ پشتو کی پرانی کتابوں میں سے کوئی بھی بجائے پشتو زبان کے یوسفزی یا کسی اور لیے میں نہیں لکھی گئی۔ آج تک پشتو کے بھی لیے لکھے

والے پشتو زبان ہی میں لکھتے ہیں نہ کہ اس یا اس قبیلے کے لیے ہیں۔ اسی لئے پشتو کی کسی بھی پرانی کتاب کو جو بھی پڑھنے بیٹھنا ہے تو پہلی محسوس کرتا ہے کہ یہ تو میرے لیے میں لکھی گئی ہے +

یوسفزئی نے میں بعض چیزیں تو ناقابل ادراک ہیں مثلاً کہتے (کہتے) میں ش کا تلفظ نہ کرنا + علاوہ ازیں پشتو کے کسی سمجھدار لکھنے والے نے جنسل کو شکل، توبہ کو جبہ، پینے کو چے، کہنے کو کے، کنبیر وہ کو کبدہ وغیرہ نہ کو کبھی لکھا ہے اور نہ انشاء اللہ آئندہ کبھی لکھگا +

صاحب کو سبب، اور خلق کو خلک وغیرہ لکھنے کی بعض افراد کی آج کل کی مفہوم بدعتوں سے قطع نظر ہمیں پشتو زبان میں لظہم یا نثر کی کسی ایسی کتاب کا علم نہیں ہے جو ساڑھے تین سو سال سے پہلے کی اور یوسفزئی کے لیے میں لکھی گئی ہو +

ثانیاً۔ پشتو یعنی نرم کے لیے پریختو یعنی سخت کے لیے کی قدامت کی کیرو کی مبینہ وجہ محض اس کے قیاس پر مبنی ہے جیسا کہ اس کی تحریر میں تحت خط کشیدہ الفاظ سے واضح ہے۔ وہ لکھا ہے "دریا کے یوسپلا = غالباً کٹر" کیوں کہ یونانی زبان میں "یو" کے معنی ہیں "اچھا" اس لئے ظاہراً "یو" اسپاسی زبان کی "خو" کا یونانی طرز تحریر ہے + یا بہ ہر صورت ایران کی مختا منشی سلطنت کی اس طرف کا استعمال ہے +

کیرو کی تحریر سے تو یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اراشین نے انا با سس IV۔

۲۳ میں دریا کا نام یعنی خوا سپس لکھنے کی بجائے دریا کے نام کے پہلے دو حرفوں یعنی "خو" کا یونانی زبان میں ترجمہ کر دیا! اگر ایسا ہی تھا تو اراشین نے دریا کے نام کے بقایا جزو یعنی اسپس (جس کا مطلب کیرو کے خیال میں "گھوڑے" ہے) کا ترجمہ اپنی زبان میں کیوں نہ کیا؟ اور خوا سپس دریا کے کنارے سکندر نے جو اسپاسی قوم دیکھی تھی وہ یوسفزئی قبیلہ کیوں کر ہو سکتا ہے؟ کیرو نے تو یہ مفہوم کہ امیز وجہ لکھی ہے کہ یوسفزئی آج بھی اچھے گھوڑوں کے شوقین ہیں + لیکن اولاً

تو یہ وجہ اس لئے لغوی ہے کہ آج تو یوسفزیوں میں اچھے گھوڑے تو چھوڑ ایسے ویسے گھوڑے بھی نظر نہیں آتے اور نہ وہ پہلے کبھی اور نہ اب وہ دیگر پشتونوں سے زیادہ یا اچھے گھوڑوں کے مالک رہے ہیں +
 تائیاً یہ کہ قبیلہ یوسفزی کا نام تو ان کے مورث اعلیٰ یوسف کے نام پر پڑا ہے جو کہ نزدیک زمانے میں گزرا ہے۔ تو اس یوسف کی اولاد اپنے مورث اعلیٰ کی پیدائش سے ہزاروں سال پہلے کس منطق کی رو سے یوسفزی [اسپاسی] کہلاتے تھے؟

کیرو کے سامنے تو ایک مثال اور بھی تھی: سکندر کے زمانے کے یونان نے پنجاب کے ایک دیاب جھلم کا نام ٹائیڈ اسپس لکھا ہے۔ نہ جانے کیرو نے اس یونانی نام سے لفظی شبدہ بازی کے ذریعے اپنے مطلب کی کوئی بات پیدا کرنے سے اجتناب کیا۔ حالانکہ یہاں بھی ایک دربار کے نام کے دو جزو ہیں جن میں سے دوسرا جزو اسپس ہے!

لفظ پشتون کے اشتقاق کے بارے میں لوگوں نے مختلف قیاس آرائیاں کی ہیں + بعض آپ بھی سن لیجئے :-
 پروفیسر مارگٹشرین ایٹم لاجیکل ویکلری آف پشتو میں لکھتا ہے :
 ممکن ہے کہ لفظ پشتون اوستا کے لفظ پرستا سے نکلا ہو جس کے معنی پیٹھ کے ہیں اور چٹان یا باندی کے لئے استعمال ہوتا ہے +
 راورٹی (تیس ص ۴۶) نے لفظ پشتون کا مادہ تاجیک (فارسی) زبان کے لفظ پشت کو سمجھا ہے جس کا ایک معنی پہاڑ کا ٹیلا بھی ہے +
 تاریخ خورشید جہان (ص ۶۵) لکھتا ہے : ۸۶۹ء میں ... قاسم ... نے افغانوں کا ایک گروہ ساٹھ لیا۔ اور اس جبری گروہ کے لشکر کو اسلام کی فوجوں کا پشتبان مقرر کیا اس لئے فارسی بان لوگ افغانوں کو پشتبانی کہتے تھے اور یہ لوگ بھی اپنے آپ کو پشتوان کہتے تھے + رفتہ رفتہ حرف ملت یعنی الف استعمال میں گھر گیا اور پشتوان

پشتون بن گیا۔ اور اس کے بعد اس گروہ کی زبان بھی پشتو مشہور ہوئی۔
 اس کو دکانہ بیان سے تو یہ نتیجہ اخذ ہوتا ہے کہ افغانوں کا نام پشتون
 اور ان کی زبان کا نام پشتو لفظ کے بعد پڑے ہیں!
 بیاض الحجت کا مصنف پشتون کے معنی میں لکھتا ہے: "پشتون، جسے
 پشتو یا افغانوں کی زبان آئی ہو، یہ ہند میں پیدا اور پلا ہوا، بھارتیہ ممالک میں
 جمال الدین افغانی نامہ میں پشتو اور پشتون کے تحت میں لکھتا ہے:
 "خوست، کرم اور باجوڑ کے رہنے والے اپنا نام پشتو اور پشتون بتلاتے ہیں"
 یہ قطعاً خلاف حقیقت ہے۔ جمال الدین نے آگے چل کر جو جولاٹی طبع کی
 ہے اس پر کچھ لکھنا لفظ افغان کے سوا کچھ نہ ہوگا۔

(۲) افغان - پشتون کے بعد ہماری قوم سب سے زیادہ افغان کے
 نام پر مشہور ہے + تاریخ اوالفدا میں یہ اسی نام سے یاد کئے گئے ہیں۔
 لفظ افغان کے بارے میں پروفیسر مارگنشرین ایٹسایٹکوویچ یا آف
 اسلام میں اور گریسن اینگوسٹک سروے جلد ۱ ص ۵ پر لکھتا ہے کہ
 "یہ ایک ایرانی نام ہے جس کا اشتقاق معلوم نہیں ہے"
 افغان کا نام پشتونوں پر ان کے پڑوسیوں ایرانیوں نے رکھا ہے + ایرانی
 یہ نام (جس کا وہ اوغان تلفظ بھی کرتے ہیں) ان پشتونوں کے لئے استعمال
 کرتے تھے جو تخت نشین ہوئے تھے + اس نسل سے پہلے کی کتابوں میں اس
 نام کا ذکر نہیں ہے + اٹھارویں صدی میں احمد شاہ ابدالی کی بادشاہی
 بنانے سے پہلے افغانستان اپنے موجودہ نام پر کبھی نہیں کہلایا گیا۔
 بعض لوگ لفظ افغان کا مادہ جدید تحریروں میں ڈھونڈتے ہیں جو
 تیسری صدی عیسوی سے پہلے نہیں لکھی گئیں۔ اور ان میں بھی بعض میں یقین
 کے قابل کچھ نہیں پایا جاتا۔ جو کچھ ہے وہ درج ذیل ہے :-

تیسری صدی عیسوی میں ساسانی بادشاہ شاپور I کے نقش رستم کے
 کتبے میں کسی گائڈفر الگان رساڈ کا ذکر آیا ہے + وہ لوگ اس نام کے
 دوسرے لفظ الگان میں افغان کی پرانی صورت تلاش کرتے ہیں۔ لیکن ڈاکٹر دانی

(حال پروفیسر پشاور یونیورسٹی) کی رائے میں یہ ایک خطاب دکھائی دیتا ہے نہ کہ ایک نام۔

چھٹی صدی عیسوی میں ہندوستانی بخوی ورنہ پیرہ نے اپنی کتاب بھرت سمہنتا (اشلوک ۱۱: ۶۱ اور ۱۶: ۳۸) میں ایک قوم کا نام آور گئے لکھا ہے۔ لیکن ڈاکٹر دانی لکھتا ہے کہ گنہ کا مطلب ہے قبیلہ۔

چینی سیاح ہیون سانگ (۶۲۹-۶۴۵ء) ۶۴۵ء میں گندارا آیا تھا۔ وہ کوہ سلیمان کے شمالی حصے میں اپوکیں نامی قوم کا ذکر کرتا ہے۔ حدود عالم میں لکھا ہے کہ گودینر کے قریب سال [فریل] نامی گاؤں

میں افغان بستے ہیں۔
البیرونی کتاب الہند میں ۱۰۰۰ کے واقعات میں لکھتا ہے: ہندوستان کے شمالی پہاڑوں میں وادی سندھ کے دامن تک افغانوں کے مختلف قبیلے بستے ہیں جو کہ ہندو ہیں۔

ایک روایت کی رو سے لفظ افغان ساول کے پوتے افغنہ کے نام سے نکلا ہے۔ یہ بحث آپ اس کتاب میں آگے پڑھینگے۔

تاریخ فرشتہ ص ۲۵ پر یہ یہودہ بات لکھی ہے کہ جب افغان لاہور کے راجہ کے ساتھ لڑائیاں لڑتے تھے تو خلیج اور غور کے مسلمان ان کی مدد کے لئے آئے تھے۔ اور واپسی پر جب کوئی ان سے کوہستان کے مسلمانوں کا حال پوچھتا تھا تو کہتے تھے کہ کوہستان نہ کہو، آہ و فغان کہو۔ کیونکہ وہاں بغیر آہ و فغان اور غوغا کے اور کچھ نہیں ہے۔ ظاہراً اس وجہ سے لوگ ان کے وطن کو افغانستان اور انہیں افغان کہتے ہیں۔

خوشحال خان خٹک دستور نامہ ص ۱۸۰ پر لکھتا ہے: مہتر سلیمان کے وقت ملک طاوت کے پٹے ارجاء نے افغان کا خطاب پایا تھا۔ عبرانی زبان میں افغان پکڑنے والے کو کہتے ہیں۔ "غان" ایک دیو کا نام تھا۔ یعنی دیوگیر۔ غان دیو کو ارجاء نے پکڑا تھا۔

تمنہ البیان میں لکھا ہے کہ ایرانی اس قوم کو افغان پکارتے ہیں اور

اس کی وجہ یہ بتلائے ہیں کہ جب بخت ابن نصر نے انہیں قید کیا تو انہوں نے بہت شور مچایا، شور کو فارسی میں افغان کہتے ہیں۔ اس لئے اس نام سے مستحب پائے۔ بعض کہتے ہیں کہ ان کے جد اعلیٰ ساؤل کے پوتے کا نام افغان تھا۔

(۳) پٹھان۔ ہر پشتون سب سے زیادہ نفرت اس بات سے کرتا ہے کہ کوئی اسے پٹھان کہے۔ پٹھان اصلی پشتو کا لفظ نہیں ہے۔ کیونکہ پرانی پشتو میں ٹ کا حرف نہیں پایا جاتا۔ پشتو ایک آریائی زبان ہے جس میں ٹ کی سخت آواز دراوڑی زبان سے آئی ہے۔ پشتون کے لئے پٹھان کا لفظ گنگا کے میدان میں غالباً چھٹی صدی عیسوی کے بعد استعمال ہوا ہے۔ پشتونوں کے لئے یہ لفظ پنجاب، دکن اور بنگال میں استعمال ہونا ہے۔ پشتونوں کے لئے یہ لفظ فرشتہ اور دیگر مغلی مورخوں نے سولہویں صدی عیسوی میں استعمال کیا ہے۔

پشتونوں اور افغانوں کو دو جداگانہ وحدتیں قرار دینے کے لئے کیرو کو بھی اپنی کتاب کا نام ہی پٹھان رکھنا پڑا۔
 ہزن افغانی ص ۳۸ میں لکھا ہے کہ ”رسولؐ نے قیس عبد الرشید کو بتہان کا لقب دیا تھا جس کا مطلب عربی زبان میں وہ لکڑی ہے جس پر کشتی بنائے وقت رکھی جاتی ہے۔ بتہان سے پھر پٹھان بن گیا۔“
 یہ بیان بالکل اخو ہے۔ نہ تو عربوں کی لغت میں کسی لکڑی کا نام بطان یا بتہان یا ہتان ہے، نہ کتب احادیث یا تواریخ عرب میں اس بات کا ثبوت ملتا ہے نہ الفہم کی لوگوں کو زبانی القاب دینے کی عادت تھی۔

اور لفظ بتہان کا شاہی زبان کی طرف کھینچ لے جانا تو صریح ظلم ہے۔ پیغمبرؐ تو عربی اور القاب دے سریانی زبان میں! تواریخ فرشتہ میں لکھا ہے کہ پہلے پہل جب مسلمان بادشاہوں کے

وقت میں پشتون ہندوستان آئے تو وہ پٹنہ میں اترے۔ اس لئے ہندوستان
لوگ انہیں پٹان کہتے ہیں۔ فرشتہ کا بیان بھی بالکل خوبصورت
خان نے دستار نامہ ص ۱۷۹-۱۸۰ میں یہ لے تکی مانگی ہے :
”جب سلطان محمود سومنات کی غزا کے لئے جگرات آیا تھا تو پشتونوں
نے بہت کوشش کی تھی۔ سلطان نے انہیں کہا کہ یہ بہری لشکر کے
پٹانٹر ہیں۔ پٹانٹر ایک لکڑی ہے جس پر جہاز مرتب کیا جاتا ہے۔“
خان نے مخزن افغانی کے بیان کو مٹا کر لکھ دیا ہے۔ سلطان محمود
کی زبان ترکی تھی۔ ترکی میں یہ لفظ کہاں سے آیا ؟

(۱۴) سیلمانی۔ یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ حج پر جانے والے پشتونوں
کو عرب سیلمانی اور عربوں میں سے حرامی سیلمانی حرامی کہتے ہیں۔
بعض لوگوں کا خیال ہے کہ سیلمان کے ساتھ نسبت رکھنے کی وجہ
سے پشتون سیلمانی کہلاتے ہیں۔ خلاصہ الانساب میں لکھا ہے کہ زمانہ
قبل از تاریخ سے شام میں کوہ سیلمان میں رہنے کی وجہ سے سیلمانی کہلاتے
ہیں۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ دیرہ اسماعیل خان کے پاس کوہ کسی
یا کوہ سیلمان میں رہنے کی وجہ سے سیلمانی کہلاتے ہیں۔

(۱۵) الافغانیہ۔ سلطان محمود کے درباری مورخ العتبی نے اپنی کتاب
تاریخ الیمینی میں لکھا ہے کہ الافغانیہ سبکتگین اور محمود کی فوجوں میں
بھرتی ہوئے تھے۔ اس وقت یہ لوگ غزنی کے مغرب کو کوہ سیلمان
میں رہتے تھے۔

(۱۶) اوغان۔ ریاض المحبت میں لکھا ہے : ”یہ لفظ اصل میں افغان ہے۔
لیکن چونکہ افغان میں ف کا حرف نہیں ہے اس لئے اس نے الف اور واو
کی پی میں لکھ دیا۔“ بلن ایسا کرنا صحیح نہیں ہے۔ اگر پشتونوں میں ف نہیں

ہے تو اس کا مبدل اور قریب المنخرج پ تو کہیں نہیں گیا۔ اس لئے
 اِذْخَان لکھنا چاہئے تھا۔ اوغان تو ایرانیوں کے ہاں اِذْخَان کا غلط تلفظ
 ہے۔ جیسا کہ پہلے بھی عرض کیا گیا ہے۔ باہر نے بھی باہر نامہ جلد ۲ ص ۲۳۹
 میں پشتونوں کو اوغان لکھا ہے۔

ریاض المحبت کا مصنف نواب محبت خان، حافظ رحمت خان کا
 لڑکا اور یوسفزئی پشتون تھا۔ لیکن بہت مدت ہندوستان میں رہنے
 کی وجہ سے اپنے باپ کی طرح وہ بھی پشتو بھول چکا تھا۔

(۷) اغوان۔ اغبان۔ یہ الفاظ مسٹر کلپروت نے اپنی کتاب مطبوعہ سینٹ
 پیٹرز برگ ۱۸۸۱ء کے ص ۷۶ پر استعمال کئے ہیں۔ کروشکی نے پشتونوں
 کو ہمیشہ اغوانی لکھا ہے کیونکہ اس کا خیال تھا کہ افغان اغوان یا قبیلی
 البانیوں سے نکلے ہیں۔

حاجی خلیفہ اور مطلع السعدین وجمع البحرین میں ہزارہ اور جرما قیلوں
 کے ساتھ جس افغان یا اوغان قبیلے کا ذکر آیا ہے وہ (افغان یا اوغان)
 دراصل ہزارہ یا ترک یا چغتائی یا منگول تھے جو نکوٹار اوگلان (۱۲۸۱-۱۳۰۳ء)
 کے وقت میں مسلمان ہوئے تھے۔ حالانکہ اصلی افغان یا پشتون
 ان سے بہت پہلے مسلمان ہو چکے تھے۔

(۸) روہیلہ۔ اس نام سے ہندوستان کے بعض پشتون پکارے گئے ہیں اور
 ان کی وجہ سے ان کا وطن روہیلکنڈ کہلاتا تھا۔ روہیلہ روہ کے رہنے والوں
 کو کہتے تھے۔ پنجابی پشتونوں کے وطن کو روہ کہہ کر پکارتے تھے۔ یہ وطن
 شمال میں صوات سے بیکر جنوب میں بھکر تک اور مشرق میں حسن ابدال
 سے بیکر مغرب میں کابل تک پھیلا ہوا ہے۔

(۹) بنی اسرائیل، بنی افغنہ یا بنی افغان اور بنی آصف۔ یہ نام سب

سے پہلے نعمت اللہ ہروی (ص ۳۵) نے پشتونوں کیلئے استعمال کئے ہیں جو کہ قیس عبدالرشید کی اولاد کو (نہ کہ کرلاٹریوں کو!) یہودی سمجھتا ہے، سوائے نعمت اللہ کے پشتونوں کو ان ناموں سے کبھی کسی نے نہیں پکارا۔ نہ پشتونوں نے خود اپنے لئے یہ نام کبھی استعمال کئے ہیں + غلط بحث میں تو نعمت اللہ کے بعض تابعین لکھ بھی دیتے ہیں کہ پشتون بنی اسرائیل ہیں لیکن پشتونوں کو بنی افغذ یا بنی افغان یا بنی آصف تو انہوں نے بھی کبھی نہیں لکھا + گویا یہ فرضی نام نعمت اللہ نے خود اپنا فرضی نظریہ ثابت کرنے کے لئے وضع کئے ہیں +

نعمت اللہ قیس کی اولاد کو تو بنی اسرائیل ثابت کرنا چاہتا ہے - لیکن کرلان کی اولاد کے بابت اسے سائب سوناگھ گیا ہے + یہ دلچسپ بحث آپ اس کتاب میں آگے پڑھ لینگے +

پشتونوں کی نسل

جب ایک سوچی سمجھی ہوئی سازش کے تحت ہندوستانیوں نے محمد شاہ رنگیلے کی بیٹی اور نادر شاہ چرواپے کہ پیٹے کی نکاح خواہی کے وقت ایرانیوں کو ذلیل کرنے کی غرض سے سات پشت تک دیہن کا شجرہ سنانے کے بعد نادر شاہ سے سات پشت تک دولہا کا شجرہ سنانے کو کہا تو اس نے بیٹے کے بعد اپنا اور اپنے نام کے بعد تلوار کی مٹھی پر ہاتھ رکھ کر کہنا شروع کیا ابن شمشیر ابن شمشیر ابن شمشیر ابن شمشیر ابن شمشیر۔ تو اس وقت ہندوستانیوں کو بغلیں جھانکنے کے سوا چارہ نہ رہا۔

سو جب تک پشتونوں کے ہاتھ میں تلوار تھی کسی کو ان کا شجرہ پوچھنے کی ہمت نہ ہوئی۔ لیکن جب آپس کی نا امانی کی وجہ سے ۱۸۲۶ء میں تلوار ان کے ہاتھ سے چھن گئی تو مغلی مورخوں نے ان کی ذات پات پر ہر طرح کے شرمناک حملے شروع کر دیے اور ہماری تذلیل کے لئے جو جو کچھ لکھا اس کی کچھ جھلک آپ کو اس کتاب کے آئندہ صفحات میں نظر آجائیں گی۔ ایرانیوں کے برپا کردہ طوفان بد تمیزی کا ایک نتیجہ تو یہ نکلا کہ خاجہان لودی نے اپنے خدما لغت اللہ پروی اور ہیبت خان کاکڑ وغیرہ کے ذریعہ مخزن افغانی مرتب کروائی جس کا حال آپ کو اس کتاب میں مخزن افغانی کے باب میں ملے گا۔

انگریزوں کے افغانستان جانے والے اوائل و فروع کی دیکھا دیکھی یورپ کے دیگر اقوام نے بھی پشتونوں پر کمائیں لکھنی شروع کیں اور چونکہ پشتونوں کے متعلق کچھ غیر متفق علیہ مواد بھی منظر عام پر آچکا تھا اس لئے بن بعد کے لکھنے والوں میں سے ہر ایک نے اپنی لن ترائی الاینی شروع کی اور پشتونوں کو مختلف طور پر آریہ، قبلی وغیرہ نسل سے لکھنا شروع کیا جن میں سے ہر ایک کا مختصر ذکر صفحات ذیل میں پر یہ تاریخین کیا جاتا ہے:-

(۱) آریہ۔ - آریہ کے متعلق ہم اپنی مختصر مروضات پہلے ہی پیش کر چکے ہیں + لبقایا نام بہ استثنائے "یہودی" منفی ثبوت سے تعلق رکھتے ہیں۔ کیونکہ اب یہ اچھی طرح سے ثابت ہو گیا ہے کہ پشتون ان نسلوں سے نہیں ہیں + ہم پہلے یہ منفی ثبوت اور پھر یہودی پر اپنی گزارشات آپ کی خدمت میں پیش کرینگے۔

(۲) قبطلی۔ - ایران اور ہندوستان کے مغلی مورخوں نے پشتونوں کو یا تو دیونتراد لکھا ہے (جس کی تصریح مخزن افغانی کے باب میں ہو جائیگی) یا مصر کے وہ قبطلی جو موسیٰ کا دریا پار کر چکے کے بعد نیل میں غرق ہوئے تھے! یہ خرافات ان تصنیفات میں پائی جاتی ہیں جو مغلوں کا افغانوں سے ہند دوبارہ حاصل کرنے کے بعد لکھی گئیں +

سب سے پہلے مطلع الانوار نامی کتاب نے جو بقول فرشتہ ایک لقمہ آدی کی تصنیف ہے جو اس نے برٹانپور خاندیس میں پڑھی تھی اور جو مخزن افغانی کے ماخذ میں سے بھی ایک ہے) بلا کسی قسم کی تحقیق اور سند کے یہ خرافات لکھ دیے جو وہاں سے (مطلع الانوار) سے مصنف نسب افغانہ نے اپنی کتاب ص ۳۷-۳۸ میں نقل کی ہے: "فرعون کی قوم یعنی مصر کے قبطلی جو فرعون کو خدا ملتے تھے اس کے ساتھ غرق ہو گئے۔ مہتر موسیٰ نے انہیں مصر سے نکالا اور جدا کیا + وہ کہہ سلیمان گئے اور آباد ہوئے۔ ملک ہندوستان کے شہروں میں انہیں افغان کہتے ہیں + وہ ہندوستان سے ہاتھی لائے اور ابرہہ کی مدد میں اس کے دوست ہوئے۔۔۔ ابرہہ حبشیوں کے لشکر کے ساتھ اور افغانوں کے بارہ ہزار اور ایک روایت پر اٹھارہ ہزار ہاتھیوں کے ساتھ وہاں گیا۔"

اس دروغ بافی میں یہ مزخرفات اور جفائیات ہیں: (۱) کسی لواریخ میں بھی پشتونوں کا ابرہہ کے ساتھ شرکت کا ذکر مرفوم نہیں ہے + (۲) موسیٰ بنی اسرائیل کو مصر سے نکال لائے تھے نہ کہ قبطلیوں کو جو کہ فرعون کے ساتھی تھے (۳) سب دنیا کو ابرہہ کو اصحاب فیل لکھی آئی ہے۔ لیکن

مطلع الانوار میں لکھا ہے کہ افغان ہند سے اس کے پاس ہاتھی لے گئے۔
جہلا افغانوں کو بارہ یا اٹھارہ ہزار ہاتھی بھیجا کرنے کا مقصد بھی کبھی حاصل
ہوا ہے۔ یا انہوں نے کبھی ہاتھی پالے بھی ہیں؟

فرشتہ نے مطلع الانوار سے نقل کرتے وقت شرمناک بے ایمانی سے
کام لیتے ہوئے اس کی لغزشوں کو ڈھلپنے کی غرض سے اس کے بیان
کو اس رنگ میں پیش کیا ہے: ”افغان فرعون کے قبلی ہیں.... جب
موسیٰ اس کا فریر غالب آگیا تو اکثر قبلی نوبہ گار ہو گئے اور موسیٰ کا
دین لائے۔ لیکن ایک گروہ نے جو اس کی دوستی اور خدائی کے دعوے
میں پھنسا ہوا تھا نہایت جھل کی وجہ سے اسلام قبول نہ کیا اور وطن
سے نکالا گیا اور ہندوستان آگیا اور کدہ سیلمان میں ڈیرہ جما یا اور قبیلوں
کی کثرت کی وجہ سے افغان مشہور ہوئے + جب ابراہیمؑ پر چڑھا تھا
تو دود اور نزدیک کے کئی کافروں نے اس کی متابعت کی تھی + انی میں
افغانوں کے گروہ نے بھی مقرر شدہ مہاد پر ابراہیم کی دوستی کی اور
جب مکہ منظم کو پہنچے تو خدا نے تعالیٰ کے تہر میں گرفتار ہو کر مدیم
ہو گئے“

ملاحظہ فرمایا آپ نے کہ پشتونوں کو قبلی جہلانے کے لئے فرشتہ کس
ایمان فروشی کے ساتھ قبیلوں کو دو گروہوں میں بانٹتا ہے اور ایک کو
خود پھرت کرنے والے موسیٰ کے ساتھ مہر سے لکھتا ہے۔ اور کس شرا بیری
کے ساتھ انہیں نیل میں غرق ہونے کی بجائے مکہ لا کر معدوم کرتا ہے۔ اور
یہ عقل کا اندھا اتنا بھی نہیں سوچتا کہ جب افغان مکہ میں معدوم ہو گئے
تھے تو اب ۱۳۱۲ء میں یہ دو گروہ سے زیادہ پشتون کہاں سے آ گئے؟
”تاریخ خورشید جہان (ص ۵۵-۵۶) مطلع الانوار اور تاریخ فرشتہ
کے ان روایات اختلافات کے جواب میں لکھتا ہے، (۱) عہد عتیق کی کتابوں
میں یہ روایت نہیں ہے کہ افغان قبلی ہیں + (۲) کتب لغا سیر اور معتبر
لوگوں کے سیر میں کسی میں بھی یہ روایت نہیں ہے کہ پشتونوں نے موسیٰ

کے غلبے کے بارے میں چھوڑا (۳) کہاں ابرہہ اور کہاں افغان؟
مذہب مثل مورخ ابوالفضل نے بھی اکبر نامہ میں پشتونوں کو
فرعون کے قبیلے کے لکھا ہے و ملاطہ ہو ترجمہ از چہرٹ جلد ۲ ص ۲۰۲-۲۰۳ +
بعض لوگ جو مطلع الانوار وغیرہ کی بکواس قبول نہ کر سکنے کے باوجود
پشتونوں کو قبیلے لکھنا چاہتے ہیں یوں رقمطراز ہیں کہ یہ قوم جو انگ
اور خراسان کے درمیان بستی ہے مصر کے قبیلوں کی نسل سے ہے۔
اور جب بادشاہ سرسیرلیس ہندوستان فتح کرنے آیا تھا یہ بھی اس کے
مہراہ آئے تھے +

مصنف مخزن افغانی نے مطلع الانوار کی ہرزہ سراہی کو نہیں چھڑا۔
اور تاریخ فرشتہ کو مخزن افغانی سے بارہ سال بعد لکھی گئی ہے +
لیکن ہنگاموں کا کیا رونا۔ خود اپنوں کے ہاں ایسی تسبیح باتیں
سننے میں چلی آرہی ہیں۔ مثلاً جہات افغانی میں (جو بنوں میں کثیر تعداد
میں تقسیم ہوئی تھی) یہ قبیلوں کا قصہ پڑھنے کے بعد اس کا اطلاق
اپنے ہمساہ قوم خلک پر کرنا چاہا جن سے دیرینہ منافقتوں کی وجہ
سے شینک جلتے تھے + اور چونکہ پینل نے بھی یہودیوں کے بعض ایسے
مراسم کا ذکر کیا ہے جو بنوچوں میں بدرجہ اتم پائے جاتے تھے اس لئے
ان کا یہ یقین ہو چلا تھا کہ اگر مصر کے قبیلے کوئی ہو سکتے ہیں تو ضرور
ہم ہی ہیں اس لئے انہوں نے جنگ عظیم ۱۹۱۴ء-۱۹۱۸ء کے بعد یہ لہجہ پر کی
اٹانی شروع کر دی کہ خلک کے پرچرھے تھے + حالانکہ جنگ عظیم میں
کے پر لڑائی ہوئی ہی نہیں تھی + اور کے پر خلک نہیں بلکہ خود عرب چرھے
تھے جنہیں انگریزوں نے لارڈ لارلس کے ذریعے یہ کہہ کر اکسایا تھا کہ
ملک کٹھنایا اکثریت کٹھناری اور حکومت کہیں تم پر باہر سے آئے ہوئے
مٹھی بھر ترک! چنانچہ عربوں نے بمقام طائف سلطان ترکی کے نمائندے
شریف مکہ کی سفر فوج کو نرغے میں لینے کے بعد ساتھ دلت کے عرب
سے نکال دیا +

میں نے کہیں کسی انگریز کی انگریزی میں لکھی ہوئی ایک کتاب میں ایک تصویر کے نیچے "ٹٹک ڈانس ایٹ مکہ" (مکہ میں ٹٹک ڈانس) کے الفاظ لکھے ہوئے دیکھے تھے + کم انگریزی دانوں کو جو "ٹٹک ڈانس ایٹ مکہ" اور "ٹٹکس ڈانس ایٹ مکہ" کی معانی میں فرق کرنے کی اہلیت نہیں رکھتے تصویر کے نیچے کے الفاظ سے غلط فہمی پیدا ہو سکتی ہے + حالانکہ تصویر میں ایک ناچ دکھایا گیا ہے جس کا نام تو "ٹٹک ڈانس" پڑ گیا ہے لیکن جسے پشتونوں میں پشتونوں کے علاوہ اور جڑے رکھے والے اور شلوار پہننے والے بھی ناپختہ ہیں + چنانچہ تصویر میں غیر پشتونوں کی شکلیں اور لباس ان کی قوت کی صاف غمازی کر رہے ہیں +

(۳) ایرانی - اس نظریے کا اطلاق صرف شیخ ہیٹ کی لڑکی بی بی منو کی اولاد (غزنی) اور لودی یا لودھی) پر ہو سکتا ہے جو شاہ حسین کے لطف سے بیان ہوتے ہیں اور اپنی نسل شاہ حسین کے ذریعے ضحاک ایرانی (یا "مازی") تک پہنچاتے ہیں + ابن بطوطہ ہی اپنی ایرانی کہتا ہے (ترجمہ از قی ص ۹۸) + لیکن پشتونوں کے پرانے دستور کے مطابق خانہ داماد کی اولاد بھی اپنے خسر کے قبیلے سے گنی جاتی تھی - کیونکہ پشتون اپنی لڑکی کا بیاہ کسی غیر قبیلے کے آدمی سے صرف اس صورت میں کرتے تھے کہ اپنے قبیلے کو چھوڑ کر ان میں رہے اور ان کے قبیلے کا کہلائے + چونکہ شاہ حسین نے بھی اسی دستور پر عمل کیا تھا اس لئے اس کی اولاد پشتون کہلانے کی مستحق ہے + بعض جہلا سبھی پشتونوں کو ضحاک کی نسل سے گنتے ہیں +

جمال الدین تہمہ میں پشتونوں کی نسل کے بابت چند مختلف نظریے بیان کرنا کے بعد (جن میں سے اکثر کا ذکر اس کتاب میں دیگر ذرائع سے کیا گیا ہے) بغیر کسی قسم کے قوی دلیل کے لکھتا ہے: "ہمارے نزدیک صحیح یہ ہے کہ افغان کی نسل ایرانی ہے - ان کی زبان تہذیب اور اوستا سے ملتی ہے جو ایرانی فارسی زبان ہے + پرانے زمانے کے مورخین مثلاً فرانیس لنورمان اس نظریے کی تائید کرتے ہیں +

ہمیں عرب نژاد سید جمال الدین کی رائے سے اختلاف ہے، بعض زبان کی مشابہت پر کسی قوم کے نسل کا تعین تاریخی رائے کے اصول کے برخلاف ہے۔ ہمیں افسوس کے ساتھ یہ بھی دکھنا پڑتا ہے کہ جہاں تک پشتونوں کی تاریخ کا تعلق ہے ہم سید صاحب کو ایک محقق نہیں مان سکتے چاہے ان کی بہت اور خطابت وغیرہ کے متعلق کسی کا نظریہ کچھ ہی کیوں نہ ہو۔ کیوں کہ یہی سید صاحب ایک جگہ لکھتے ہیں: ”توخی، خٹک، سلیمان خیل اور باخیل غلزی کی شاخیں ہیں!“

(۴) ترک یا تاتار۔۔ بعض لوگ شاہ حسین مذکورہ بالا کو ترک یا تاتار کہتے ہیں + یہی صورت بھی شاہ حسین کی اولاد کے بابت ہمارا عندیہ وہی ہے جو پہلے لکھ چکے ہیں +

بعض لوگ پشتونوں کے بعض اور قبائل مثلاً بالا ای بنگش کے رہنے والے ”توری، خاچی (جابی یا زازی)، منگل، مقبل اور خویانی قبیلوں پر بھی ترک یا تاتاری ہونے کا شبہ کرتے ہیں + اول الذکر دو کی بابت تو آپ ”حالات کوہا“ کا بیان پڑھ چکے ہیں + کرم کے توری کہتے ہیں کہ ہم ترک ہیں اور پہلے ہمارا مذہب بدی (بدھ) تھا +

ان قبیلوں کو ترک کہنے والوں کا کہنا ہے کہ یہ قبیلے ان ترکمانوں کی اولاد ہیں جو غز ترکوں کی ایک شاخ تھی جو شمال کی طرف سے آئی، ۱۵۳ء میں سلطان سبھر کو شکست دی، غزنی، وادی کرم اور گردیز کے فواح میں بس پڑے اور تقریباً دس سال تک غزنی پر حکومت کی + یہ لوگ ”توریوں“ کی بابت مندرجہ بالا نظریے کی بنیاد ”توری“ اور ”تورانی“ کی مشابہت پر رکھتے ہیں جو کہ ایک بھونڈی بنیاد ہے +

لیکن اس کتاب میں آپ پڑھ لیتے کہ پشتونوں میں سے بعض اپنے آپ کو کہتے ہیں اور بعض کچھ + اور جب تک یہ قبیلے پر حتمی تحقیق نہ ہو جائے ہمیں ان کے موجودہ حصوں کو محض لاجری اور نامجمعی پر محول کر لینے کے سوا چارہ کار نہیں ہے +

”توری“ اور ”تورانی“ نظریے کے بعض داعی یہ دلیل بھی پیش کرتے ہیں کہ چونکہ توری فلخ ہو کر آئے تھے اس لئے انہوں نے کرلانڈیوں سے ان کے علاقے کے پیچ کا زرخیز علاقہ یعنی کرم پکڑ لیا۔ یہ استدلال بھی بہ وجہ متعدد ناقابل قبول ہے۔ کیونکہ (۱) توری قبیلے نے تو کرم کا علاقہ صوبہ سرحد میں انگریزوں کے آنے سے کچھ عرصہ پہلے حاصل کیا تھا۔ (۲) اگر توریوں نے یہ وجہ ناجائز ہونے کے کرم کا زرخیز علاقہ پکڑ لیا تو منگل رجو یہ بھی ان داعیوں کے خیال میں ترکمان ہیں) پہاڑ پر کیوں جا بسیرا کیا؟ اور (۳) شیتنگ قبیلے نے جو کرلانڈیوں کے علاقے کے پیچ میں بنوں کا زرخیز علاقہ قبضہ کیا ہے تو کیا یہ بھی ترکمان ہو گئے؟

(۵) گرکان - کلپروت لکھتا ہے کہ افغان گرکانی ہیں اور گرکانی زبان بولتے ہیں۔

(۶) ارمینی - تتمہ میں لکھا ہے کہ پشتون در حقیقت ارمینیوں کی ایک شاخ ہے جو پہلے شروان میں رہتی تھی + شروان کے پروس میں قزاق نامی جگہ ہیں کنسانو کو آج تک قندسار کہتے ہیں۔ اور اس ملک کے سردار اغواچ کے لقب سے پکارے جاتے ہیں جس لفظ کے معنی ان کی زبان میں سردار کے ہیں + جو ارمینی گنچہ، دیوان، پنجوان اور گیلان میں ہیں وہ اغوان کے لقب پر فخر کرتے ہیں اور اغوائیت کا دعویٰ رکھتے ہیں۔ اس لئے ہو سکتا ہے کہ افغان اغوان کی محرف صورت ہو اور قندسار کے سردار نے جب اپنا ملک چھوڑ دیا ہو اور قندسار کے خطے میں سکونت اختیار کر لی ہو تو اس جگہ کا نام بھی ابتداء میں قندسار ہو جو بعد میں قندسار بن گیا ہے۔۔۔۔۔ قندسار کو قندسار کہنے والا جاہل ہے کیونکہ قندسار کا ذکر مہارث میں آیا ہے۔

ارمینیہ کے لوگ کہتے ہیں کہ افغان ہم سے نکلے ہیں کیوں کہ البانیہ کے لوگ اغوان کہلاتے تھے کیونکہ ارمینیہ کی زبان میں اور زبانوں کا ”ل“ ”غ“ میں اور ”ب“ ”و“ میں بدل جاتے ہیں [ال ب ان = ارغ وان]۔

اور کہ یہ اغوان ارمینیہ سے ہندوستان گئے تھے اور وہاں عیسائیت کی جگہ اسلام قبول کیا۔ یہ کلہراٹ، کروینکی، چیکوبر اور ریپنگز کا نظریہ ہے۔ مؤرخ الذکر اپنی کتاب "پرسنل ہیرٹو جلد ۲ ص ۱۹۶" پر لکھتا ہے کہ شروان اور اس کے متصل ملکوں کے لوگوں کا آج [۱۹۴۱ء] تک یہ عقیدہ ہے کہ پشتون ان کی اولاد ہیں۔

نتیجہ میں بھی لکھا ہے: "بعض لوگ کہتے ہیں کہ افغان خزر قوم سے ہیں جو بحر خزر کے کنارے باب الابواب اور شروانات میں آباد تھے۔ حدود ایران میں لوٹ کھسوٹ کرنے کے پاداش میں شاہ ایران نے ان کو وہاں سے منتقل کر کے مشرقی خراسان کو نکال بھیجا۔ لیکن اس واقعے کی تاریخ معلوم نہیں۔"

مصنف "منتظم ناصری" جلد ۲ ص ۲۲۱ سے لے کر بھی ایسا ہی کچھ لکھا ہے۔ اور پشتونوں کو جلا وطن کرنے والے بادشاہ کا نام امیر تیمور گورگانی لکھا ہے جو کہ غلط ہے۔ پھر لکھا ہے: "انہیں ہند اور قندھار کے بیچ میں یعنی ان کے موجودہ وطن میں [ایسا یا] مصنف نے اغوانی کا نظریہ لسیاح سے نقل کیا ہے۔"

لیکن سینٹ مارٹن کی کتاب جلد ۲ ص ۲۱۳-۲۱۶ سے گورگانی یا ارمینی کا نظریہ غلط ثابت ہوتا ہے۔ تیزیہ نظریہ اس لئے بھی غلط ہے کہ یہ قول عتبی، میرخوند اور فرشتہ سبکتگین نے چپال کی جنگ (۹۷۹ء) سے واپسی کے وقت افغانوں اور غزنویوں کو جو اس کی اطاعت مان گئے تھے اس شرط پر اپنے وطن میں چھوڑا کہ جب ابھی وہ چاہے یہ رنگ اسے ایک لاکھ سوار دیا کریں گے۔

سبکتگین نے ۱۰۱۵ء/۹۶۲ء میں خود مختاری شروع کی تھی + اسی حساب سے افغان اپنے وطن غزنی اور قندھار میں اس زمانے سے بہت قبل رہتے تھے جو انہیں ارمینیہ کے اغوان کہنے کی صورت میں مان سکتے ہیں۔ آپ نے دیکھا کہ ان نظریوں کے داعیوں کے اراء محض گورگانیوں دینرو کے کہے پر مبنی ہیں۔ اور جمال الدین کی تحریر تو بڑی تگڑی بازی ہے۔

(۶) کلدانی - بعض لوگ پشتونوں کو اہل اسریا یعنی کلدانیوں کی نسل سے کہتے ہیں + یورپ کے ایک سیاح نے تو یہ بھی لکھ دیا کہ پشتون ہیں کلدانی الفاظ پائے جاتے ہیں +

(۷) بنی اسرائیل - اب ہم ایک پیچیدہ لیکن دلچسپ اور مدد لیکن بادی النظر غلط بحث تک آپہنچے ہیں جو ۱۰۲۰ء میں مخزن افغانی کے لکھے جانے سے شروع ہوئی ہے اور جس میں بھی اُس دور کی دیگر فارسی تصانیف کی طرح پشتون قوم کیلئے افغان کا لفظ بڑا گیا ہے +

نعت اللہ لکھتا ہے کہ افغانوں کے چار گروہ ہیں : ۱) کُرانی (کرلانٹری) ۲) سطرینی (۳) پٹنی - اور (۴) غور غشتی +

اگرچہ رگ وید ہی کے زمانے سے دیگر پہاڑی قوموں [مثلاً سکاتھینڈوں] کی طرح پشتون بھی کئی چھوٹے بڑے قبیلوں میں بٹے ہوئے تھے لیکن نعت اللہ کو چھوٹے قبیلوں کا علم نہ تھا + بلکہ بڑے قبیلوں میں سے بھی کرلانٹریوں کا کما حقہ ذکر نہیں کیا جسکی وجہ آپ کو مخزن افغانی کا باب پڑھنے سے معلوم ہو جائیگی + نعت اللہ نے کرلانٹریوں کے علاوہ باقی تین قبیلوں کو قیس کی اولاد لکھا ہے (جنہیں ہم آئندہ صفحات میں اختصار اور آسانی کے لئے قیسی لکھیں گے) + قیس کا اسلامی نام عبدالرشید لکھا ہے - اسکا شجرۂ نسب یعقوب تک لے گیا ہے جنکا لقب اسرائیل تھا + وہ لکھتا ہے کہ قیسی اسرائیل کی وجہ سے بنی اسرائیل اپنے ایک مورث افغان زوہر ایما ولد سائرول یا سائرول طاوت) کی وجہ سے افغان یا بنی افغان اور اپنے ایک دوسرے مورث آصف (ولد برغیاہ ولد سائرول طاوت) کی وجہ سے بنی آصف کہلاتے ہیں +

اب نتیجہ یہ نکلا کہ نعت اللہ نے افغانوں کے دو گروہ لکھے ہیں : ۱) کرلانی اور (۲) قیسی + لیکن ساتھ ہی اس نے یہ لکھنے کی فحش گھلطی بھی کی ہے کہ "سب افغان یعنی پشتون قیسی کی اولاد ہیں +"

نعت اللہ کی غلطی کے نتیجے میں بعض (خصوصاً پشتون) مورخوں نے سب افغانوں (یعنی کرلانٹریوں اور قیسیوں) کو قیس کی اولاد لکھا ہے +

اب جو لوگ نعمت اللہ کی غلطی کو بھانپ گئے تھے انہوں نے اس غلطی کا ازالہ یوں کرنا چاہا کہ کسی نے تو کرلان (یا کرلانٹریپی کرلانٹریوں کے مورث اعلیٰ) کو بھی تیس کا ایک بیٹا لکھ دیا۔ کسی نے اسے غور غشت کا بیٹا لکھ دیا اور کسی نے ارمر وغیرہ کے ذریعے اسے سٹرن سے وابستہ کرنا چاہا۔ لیکن اس کتاب میں کرلانٹر کا باب پڑھنے سے آپ پر واضح ہو جائیگا کہ ایسا کرنا کتنا بے محل، غیر ضروری اور لا حاصل ہے، نعمت اللہ پر جو اعتراضات ہوئے ہیں وہ معتدضین کا نام سننے بغیر سن لیجئے :-

(۱) قال: سب افغان یعقوب کی اولاد یعنی بنی اسرائیل ہیں + اقول: افغان پشتون کا مترادف ہے۔ اور پشتون کا ذکر یعقوب سے بہت پہلے رکوبد میں آیا ہے +

(۲) قال (ص ۳۷ بہ حوالہ مجمع الانساب): تیس کا شمار ۳۷، ۴۵ اور ۵۶ پشتون کے ذریعے علی الترتیب ساؤل، ابراہیم اور آدم تک پہنچتا ہے + اقول زبانی یادداشت کی بناء پر ساؤل تک ۱۷۰۰ سال اور ابراہیم تک ۲۲۰۰ سال اور یعقوب علیہ السلام تک صحیح کمرسی نام پہنچانا ناممکن ہے + ان میں عادل کے لئے ان سے کم از کم دکنی دکنی پشتیں چائیں + اور اگرچہ نعمت اللہ کی دی ہوئی پشتیں پرانی اجیل سے متفاوت ہیں لیکن اس کا بھی کچھ ٹھیک نہیں مثلاً ۲ سموئیل ۵: ۱۳-۱۶ اور I اخبار ۳: ۱-۹ میں سلیمان کے بھائیوں کے ناموں میں تضاد پایا جاتا ہے +

نیز پشتون کے معاملے میں صرف وہی پشتیں یاد رکھی جاتی ہیں جن میں کسی مشہور آدمی کا نام آتا ہے +

(۳) قال: سارول طاوت یہود کی نسل سے تھا + اقول: صحیح نام ساؤل طاوت ہے اور وہ بنیامین کی نسل سے تھا۔ دیکھو سموئیل ۹: ۱-۲ + غلطی حالات کوٹ میں بھی موجود ہے + لیکن اخوند درویش کی رحزن افغانی کی ایک سانچہ کی لکھی ہوئی (ذکرہ پیش ساؤل کو بنیامین کی نسل سے لکھا ہے +

(۴) قال: فیسیوں کے اجداد اعلیٰ ارمیاء اور ارمیاء طاوت کے بیٹے تھے۔
 اقول: طاوت کے تین بیٹے تھے جو بمعہ باپ کے لڑائی میں مارے گئے تھے۔
 (I سموئیل ۳۱: ۲-۶) اور صرف یوشان ولد ساول کا ایک بیٹا مفیوشٹ
 رہ گیا تھا جسے داؤد نے بعد تلاش اپنے پاس بلا لیا تھا (II سموئیل ۹: ۱-۶)۔
 اگر داؤد کے پاس ساول کے بیٹے ارمیاء (سپہ سالار فوج) اور ارمیاء (فیروز
 ملک) موجود ہوتے تو مفیوشٹ کی تلاش کا یہ کوکرتا و نیز داؤد کے
 سپہ سالار کا نام یواب ولد ضیرویا تھا۔

نعمت اللہ نے شجرہ چلنے کے لئے ارمیاء اور ارمیاء کے فرضی نام بڑھا
 دیے ہیں۔

تذکرہ دوم ص ۸۳ میں ساول کے دو بیٹوں کے نام آصف اور افغان
 لکھے ہیں جو یہ بھی غلط ہیں۔

(۵) قال (ص ۲۳): افغان کا باپ ارمیاء بہت بہادر سپہ سالار تھا۔ اقول:
 داؤد کے لشکر کے بہادروں کے جو نام II سموئیل ۲۳: ۸-۲۹ میں دئے
 ہوئے ہیں ان میں ارمیاء اور افغان کے نام شامل نہیں ہیں۔

(۶) قال (ص ۲۳): افغان سلیمان کا سپہ سالار تھا۔ اقول: I ملوک ۲:
 ۱-۶ میں سلیمان کے سرداروں میں افغان یا اقصہ کا نام نہیں ہے۔ داؤد
 کے سپہ سالار یواب کو قتل کر کے بعد سلیمان نے بنیادہ ولد یویاداع
 کو سپہ سالار مقرر کیا (I ملوک ۲: ۲۵)۔

نعمت اللہ نے قوم افغان کے نام کا جواز پیدا کرنے کے لئے فیس کے اجداد
 میں افغان کا نام زبردستی بڑھا دیا ہے۔

(۷) قال (ص ۲۴): بیت المقدس کی تعمیر کا کام افغان کو سونپا گیا تھا۔ اقول:
 بیت المقدس کی تعمیر کے لئے مصالحہ وغیرہ فراہم کرنے اور نگرانی کا کام ادنیرام
 ولد عباد کے حوالے تھا۔ (I ملوک ۵: ۵-۱۲)۔

(۸) قال: سب افغان افغان کی اولاد ہیں۔ اقول: ایسا ہی ہونا تو ہرانی
 انجیل میں کہیں نوان کا ذکر آتا۔ کمر لائبریز اور فیسیوں کو ملائے بغیر یہ نام ممکن ہے۔

(۹) قال: افغان افغانی زبان بولتے ہیں + اقول: افغانی یا پشتو جو ہندو آریں زبانوں کی مشرقی شاخ سے ہے بنی اسرائیل کی زبان کیونکر ہو سکتی ہے۔ جب کہ پشتو کے فرہنگ میں عبرانی الفاظ بھی موجود نہیں ہیں؟ پشتو زیادہ تر سنسکرت اور ایرانی زبانوں کی مرکب ہے +

کسی قوم کی زبان ایسی نہیں بدلتی کہ پھر نئی زبان میں پرانی زبان کا سراغ تک باقی نہ رہے + بعض لوگ اس کے خلاف یہ مثال دیتے ہیں کہ افغانستان میں ہزارہ قوم منگول زبان کی بجائے فارسی بولنے لگ گئیں۔ لیکن اس سے بھی لغت اللہ کی تردید ہی ہوتی ہے۔ کیوں کہ اس کا مطلب یہ ہوگا کہ ابتداء میں قیسیوں کی زبان اس موجودہ پشتو یا افغانی زبان کے علاوہ اور کچھ تھی جو وہ اب بولتے ہیں +

(۱۰) قال (ص ۲۵ وغیرہ): جب بخت نصر نے بنی اسرائیل کو ان کے وطن شام یا فلسطین سے جلا وطن کر دیا تو وہ جا کر کوہ غور، غزنی، کابل، قندھار اور کوہ فیرونہ میں رہنے لگے اور اتنے زیادہ تھے کہ پہاڑ کا سب علاقہ پکڑ لیا۔ سب صحیح النسب افغان قیس کی اولاد ہیں + اقول: دونوں بیانات کا تضاد لاخ ہے +

(۱۱) قال: قیس سنہ میں آنصلم کے پاس چند ملکوں کے ہمراہ گیا تھا۔ آپ نے اس کا نام ابوریشید اور لقب بطان رکھ دیا + اقول: اگر سب افغان قیس کی اولاد ہے تو اس کے ہمراہیوں اور پس ماندہ بنی اسرائیل کی اولاد کہاں گئی؟ کتب احادیث اور تاریخ میں ابوریشید کا نام نہیں ملتا + آپ نے ایک شخص کو ابوریشید کا لقب دیا تھا لیکن اس کا نام عبدلات اور لقب ابو مغویہ یا ابو ایتر دیگر اس کا نام عبد الرحمن بن عبد یا عبید تھا + بطان کا ذکر آپ پہلے پڑھ چکے ہیں۔

(۱۲) قال: بخت نصر کے وقت افغان کی اولاد میں سے کچھ لوگ عرب چلے گئے۔ خالد ابن ولید ان کی اولاد سے ہے + اور ص ۲۶ پر لکھا ہے: خالد افغان تھا۔ لیکن چونکہ اس کا نانا عبد الشمس تریس اور بہت مالدار اور با اثر آدمی

تھا اسلئے لوگ خالد کو بھی اس کے نانا کی وجہ سے قریش کہتے ہیں۔ اقول: خالد اصلاً قریش تھا۔ نعمت اللہ نے اسے ویسے ہی افغان بنا دیا تاکہ اس کی وجہ سے ایران کے قاصد کا جواب ہو سکے (دیکھو باب مخزن افغانی کتاب ہذا)۔ اگر خالد افغان ہوتا تو عربوں میں سے بھی کوئی تو اسے افغان لکھتا۔

بیلو لکھتا ہے: "اس خالد بن ولید کی اولاد اب بخداد کے پاس دیار بکر یا میسوپوٹیمیا کے علاقے میں رہتی ہے جنہیں لوگ آج تک خالد افغان یا صرف خالوی کہاتے ہیں۔ اور اس قبیلے کی ایک شاخ افغانستان میں بھی بستی ہے جو ہنگش کہلاتی ہے۔" بیلو فرشتے کو لکھ پیر دھوکا کھا گیا ہے۔

اکثر جہلا کہتے ہیں کہ خالد کا باپ عرب لیکن ماں اسرائیلی تھی اور نہیں جانتے کہ عربوں میں شجرہ باپ سے چلتا ہے نہ کہ ماں سے۔ خالد کو پشتون کہنا اسی قہاش کی غلطی ہے جیسے سلطان محمود غزنوی کو پشتون سمجھا جاتا تھا کہ وہ خالص ترک تھا۔

(۱۳) آپ نے قیس کو اس کے مورث اعلیٰ طاوت کا لقب ملکہ بخشا تھا۔ اقول: اس بات کا کوئی ثبوت نہیں ہے۔ قرآن مجید میں طاوت کے نام کے ساتھ ملک کا لفظ م کی زیر سے اور بادشاہی کے معنی میں ہے۔ پشتون ایران کے بادشاہوں کی تقلید میں خود کو ملک اور مغلوں کے متبع میں خود کو خان کہتے ہیں۔ خان دستور نامہ ص ۱۴۹ میں لکھتا ہے: "بنی امیہ کے وقت جب لشکر اسلام خراسان پہنچا تو اس قوم [پشتون] نے اسلام قبول کیا۔ ان سے کہا گیا کہ تم ملک طاوت کی اولاد ہو۔ اسلام میں تمہارا خطاب بھی ملک ہے۔" یعنی اس سے پہلے پشتونوں میں ملک کا خطاب مروج نہ تھا۔ اور نیز یہ لے خراسانی پشتون بنی امیہ کے عہد میں اسلام لائے۔

ہمارے خیال میں نعمت اللہ کی اس ساری کہانی کا محرک یہی ملک کا لفظ ہے جو کہ پشتونوں میں عام مروج ہے۔ اور جسے قرآن شریف میں طاوت کے نام کے پاس دیکھ کر نعت اللہ کو ملک کو ملک اللہ طاوت کو پشتونوں

کا مورث اعلیٰ بنانے کی سوچی۔ اور پھر اپنے مطلب کے لئے اسرائیلات کو غلط رنگ میں دکھائی دیا۔ ویسے ہی جیسے صوبہ سرحد میں کانگریس کے لئے جواز پیدا کرنے کے لئے کہ قرآن مجید میں یٰمُؤْمِنُونَ کا لفظ موجود ہے اور یہاں لغز بھی انقلاب زندہ باد ہے اور ہم انقلاب لانا چاہتے ہیں۔ (۱۷) قال: (۱۸) میں ایمان لانے کے بعد خالد ابن ولید نے اپنے عزیزوں کو غور میں انصاف کی بحث کا حال لکھ بھیجا جس پر قیس وغیرہ آپ سے ملنے گئے اور جا کر سلمان ہو گئے تھے۔ اقول: یہ قصہ روئے الاجا میں ہجرت کے چھ سال کے مندرجہ حالات میں اس واقعے کی مسخ شدہ صورت ہے۔ آپ نے بہ غرض تبلیغ خالد ابن ولید کو قبیلہ بنی الحارث کی طرف بھیجا۔ وہ قبیلہ اسلام لایا۔ ان میں سے چند لفر خالد کے ہمراہ مدینہ آئے جن میں سے آپ نے قیس ابن حریز کو سردار مقرر کر رکھا تھا واپس بھیج دیا۔

خلاصہ الانساب میں اس افسانے کو یہ رنگ دیا گیا ہے۔ کہ بغثت کے وقت افغان کی اولاد شام میں کوہ سلیمان میں رہتے تھے۔ بغثت کے بعد قیس مہ شتر آدمیوں کے آپ کے پاس جا کر سلمان ہوئے۔ اس میں اور پہلے افسانے میں دیگر فرقوں کے علاوہ اس میں خالد کے خط کا ذکر بھی نہیں ہے۔ اور اگر بغثت کے وقت افغان شام میں رہتے تھے تو قیس غور کو اور خالد عرب کو کب اور کیسے پہنچے؟

مندرجہ بالا بحث میں آپ نے دلائل فرمایا کہ ہزن افغانی میں اور غلط بیانیوں کے علاوہ ارباء افغان اور قیس بالکل فرضی نام ہیں جو لغت اللہ نے قیسوں کو بنی اسرائیل ثابت کر لینے کے لئے وضع کئے ہیں۔ ہزن افغانی میں لکھا ہے کہ قیس ۷۷ سال کی عمر میں لکھنہ میں مراد تو قیس ضرور لکھنہ میں پیدا ہوا ہوگا۔ یعنی اس کا زمانہ ولادت لکھنہ اور وہ آلاہم ہمعصر تھا۔ گویا اس وقت پشتونوں میں صرف وہی ایک

افغان زندہ موجود تھا!

مخزن افغانی مصنفہ ۱۳۸۵ھ کے آخر میں ہیبت خان کاٹر نے اپنا جو شجرہ دیا ہے وہ مختصراً یوں ہے: ہیبت خان بن سلیم خان بن جلہ گرام بن کاٹر بن ڈالی بن غرضانی بن ملک [قیس عبدالرشید] بنہان* گویا ہیبت خان سے قیس تک ۱۵ پشت گزر چکے تھے + اب ایک پشت جبکہ تین سال کا گنے جانے کے عام حساب سے قیس سے ہیبت تک (۳۰۶۱۵) ۴۵۰ سال گزرے تھے۔ یعنی ہیبت کے وقت ۱۳۸۵ھ سے قیس کے وقت تک (۱۳۸۵ھ = ۴۵۰) ۱۳۸۵ھ بتایا ہے جو تقریباً وہی زمانہ ہے جب [۱۳۸۵ھ میں] بغاات الدین اور محمد غوری نے غزنیوں سے غزنی لیا تھا۔ اور یہ بالکل غلط ہے کیونکہ تاریخ سے ثابت ہے کہ افغانوں نے سبکتگین (۳۶۷ھ/۹۷۷ء - ۳۸۷ھ/۹۹۷ء) کی فوج میں جنگ گئے تھے۔ تو اولاد (افغان) اپنے مورث اعلیٰ [قیس] سے (۳۶۷ھ = ۵۰۳ھ) ۲۰۳ سال پہلے کہاں سے پیدا ہوئی؟ الخضر اگر قیس کو ایک بڑے قبیلے کا نام نہ مانا جائے جس کی تین بڑی شاخیں نعمت اللہ کے وقت میں موجود تھیں تو وہ ایک فرضی نام بن کر رہ جاتا ہے جس کے لئے نعمت اللہ نے یہ تتبع مجمع الانساب ایک فرضی شجرہ اور پھر ایک فرضی قصہ گڑھ لیا ہے۔ جیسا کہ پہلے اشارہ کیا جا چکا ہے بعض (غوما یورپین) مورخوں نے نعمت اللہ کا مطلب نہ سمجھتے ہوئے بنی اسرائیل کا اطلاق بجائے بعض نیابیوں کے کمر لائریوں پر بھی کرنے ہوئے سب پشتوں کے بنی اسرائیل ہونے کی تائید اور تردید میں لکھا ہے:-

جب کوئی بیمار پڑ جاتا ہے تو دہہ
لیکر زنج کر کے اس کا پلو عزرائیل
کو مانگے کے لئے گھر کی دیوار پر باندھ

چلتے ہیں یہ یہودی بھی ایسا کرتے ہیں! یہ رسم افغانوں کے پڑوس صلا اللہ میں
نہیں ہے نہ سن ۱۳۷۳ھ

سخت و با کے دلوں میں سب ملا
 قربانی کے بکرے کے سر پر ماتہ رکھ کر
 ہمارا کی طرف آواز کر دیتے ہیں کہ وہاں
 گناہ جن کی وجہ سے وہ پکڑے گئے تھے
 اس کے ساتھ چلے جائیں، پینٹل بن کر
 کی بجائے گوشت سالہ لکھا ہے، اور نیز لکھا
 ہے: "یہ رسم بہت کم ہے۔ اور اب ہم
 ہو رہی ہے، یہ بھی یہودیوں کی رسم ہے
 [یہ رسم تفصیل بنوں کے شمشیر خیل
 اور کالا خیل کے علاقوں میں آج بھی باقی
 جاتی ہے۔ باقی بنوں میں قربانی کا جانور
 گھر کے بیرونی دروازے کے پاس ذبح
 کر کے اسٹاک کے پور مرین کے ساتھ ماتوں
 اور پاؤں کے تلوں اور دل پر مل دیتے ہیں]

(۲) حرف ان پیغروں کے نام رکھتے ہیں
 جن کے نام قرآن شریف میں آئے ہیں۔
 (۳) چینی سیاح ہیون سانگ لکھتے ہیں /
 لکھتے ہیں: "میں پشاور اور صوات آیا تھا،
 وہ اپنے سفر نامے میں لکھتا ہے کہ ان
 علاقوں میں، برہمت فنرل اور ہندو
 دھرم عروج پر ہے،" "یہودیت یا اسلام
 کا کوئی ذکر نہیں کرتا۔"
 نیز تاریخ سے ثابت ہے کہ پشتونوں کے
 کئی قبیلے شہود غزنوی کی وفات تک غیر مسلم
 تھے۔

(۴) انجیل کے نام رکھتے ہیں +

دس، "تیس کی مدینہ سے اپنے وطن کو مرنے
 کے بعد وہاں کے سب افغان بھی مسلمان
 ہو گئے،" "یعنی اس سے پہلے یہودی تھے۔
 یہ بیان مخزن افغانی کا ہے +

(۴) ایسی مشابہت تو کشمیریوں اور یہودی
کوچی اور پیوندہ بالخصوص صورت میں یہودی
سے مشابہت رکھتے ہیں + دونوں فدا اور
اور مضبوط ہیں۔ دونوں کی کھال بھٹ
آنکھیں سنہری، بال سنہری اور ناک لمبی اور
قد سے مخروطی ہوتی ہے۔

(۴۲) + رومن حکومت کے زمانے میں بہت
قسموں اور ملکوں کے لوگوں نے یہودی
مذہب اختیار کر لیا تھا +

آنکھ کا رنگ اور قد اقسام انسانی کا اہم
جزو نہیں ہیں کیونکہ یہ دنیا کی ہر قوم میں
پائی جاتی ہیں + بلوینڈ میں بھورے (بلانڈ)
یہودی بھی پائے جاتے ہیں + اور یہودیوں
کے قد اور سر بھی یکساں نہیں ہیں +

پشتونوں کی مبینہ خصوصیات بعض بہت
شمال اور بلندی پر رہنے والوں میں پائی
جاتی ہیں +

پشتون عموماً گدھی رنگ، کالی آنکھیں اور
کالے بال اور درمیانہ اور سیدھی
ناک رکھتے ہیں + یہ باقی کے رنگ اور ساخت
مستثنیات میں سے ہیں + اور رنگ تو گروہ
ہندی کا ثبوت نہیں ہے + رنگ تو سمہرا
کے لوگوں کا بھی آریوں سے ملتا ہے لیکن
آریہ نہیں ہیں +

یہودیوں کے خدوخال، فو خصلت اور زبان

ان کے قومی خصائل نہیں ہیں بلکہ ان
مظالم کا نتیجہ ہیں جو ہارسیں صدی عیسوی
کے عیسائیوں نے یہودیوں پر ڈھا رکھے
تھے + عیسائیت کی ابتداء میں یہودیوں
اور بحیرہ روم کے دیگر مشرقی اقوام میں
فرق نہیں کیا جاسکتا تھا + آج جہاں
لحاظ سے یہودیوں کی کئی قسمیں ہیں
اور ہر ملک کے یہودی باہمی ازدواج
کی وجہ سے اُس ملک کے باشندوں
کی طرح ہیں - مثلاً چین اور حبشہ میں +
جب عیسائیوں نے یہودیوں کو اور
لوگوں سے ملنے سے روک دیا اور
آپس میں شادی بیاہ کرنے پر مجبور
کر دیا تو نتیجتاً شمال مشرقی یہودیوں
کے سر بھلے جسے کے گول بن گئے اور
ان کے ناک اور منہ کے لفتشوں
نے بھی مستقل صورتیں اختیار کر لیں -
لیکن جسے یہودی ناک؟ کہا جاتا ہے
وہ ارمی قسم میں بھی پائی جاتی ہے
اور نہ یہودیوں سے مخصوص ہے نہ
ان میں عام پائی جاتی ہے +

عیسائیوں نے یہودیوں پر زمینیں
قانوناً بند کر رکھی تھیں اور وہ شہروں
میں رہنے پر مجبور ہو گئے - اس لئے ان
کی شکل و شماریت خالص شہری

بن گئی اور انہوں نے شہری پیٹھے مثلاً
سود خوری اور قانون اپنا لئے۔ لوگوں
سے نہ مل جل سکنے کی وجہ سے انہیں
بجھوٹا اپنی ایک زبان بنانی پڑی جسے
یہودی کہتے ہیں جو عبرانی یا سامی زبانوں
کے ساتھ کچھ قرابت نہیں رکھتی بلکہ
ایک جرمنی زبان ہے +

عیسائیوں کے مظالم نے یہودیوں کو
اپنے مذہب پر اڑا رکھے پر مجبور کر دیا
کیونکہ ان کی لقاء اسی میں تھی + ان
مظالم کی وجہ سے وہ اپنی زندگی اور
دولت غیر محفوظ سمجھتے تھے + عیسائیت
کے بھولے دعویٰ سے ان کا اعتبار جاتا
رہا اور وہ بدخو بن گئے اور ان میں یہ
خیال پیدا ہو گیا کہ وہ سب کچھ پر
بھیجتے ہیں +

۱۸۸۰ء میں جب شمال مشرقی اور جنوب
کے یہودی اپنے گھر فلسطین کو واپس
آ گئے تو انہوں نے عیسائی کے زمانے سے
بولنے والی اربعی زبان چھوڑ کر عبرانی
اختیار کر لی (دیکھئے آریا لوی ص ۷۷-۷۸)
پشتوزوں کی شکل و شباهت اور نحو
خصالت کیلئے اس کتاب میں متعلقہ باب
پڑھئے + ان خصوصیات کے اسباب پشتوزوں
کی آب و ہوا اور قبائلی اور سیاسی زندگی

میں ڈھونڈنے چاہئیں۔ نہ کہ ادنیٰ سی
شائبہ پر انہیں کسی (خصوصاً یہودی)
قوم سے وابستہ۔ خصوصاً جب کہ وہ
قوم بھی قدرتی نہ ہو۔

(۷) ملک کا لقب استعمال کرتے ہیں۔ ملک کا لقب تو پنجاب کے جاٹ اور
اودان بھی استعمال کرتے ہیں۔ اور ہند
کے مگر امیر بھی عام استعمال کرتے تھے۔

(۸) زمینیں ویش کے ذریعہ تقسیم
کرتے ہیں۔ جیسا کہ موسیٰ نے حکم خدا
کنعان کی زمینیں بنی اسرائیل میں بانٹی
تھیں۔ (دیکھئے تورۃ کنتی: ۳۶)

(۹) زیارتوں کی عزت کرتے ہیں جو
ان تخلصناؤں اور اپنی جگہوں کے
ساتھ مشابہت رکھتے ہیں جن کا ذکر
انجیل میں آئی جگہ آیا ہے اور جن
پھندوں کے ذریعہ بنی اسرائیل کو اللہ
کی عبادت سے کھینچتے تھے۔

(۱۰) قانون موسیٰ کی مطابقت میں
چھڑا بھائی بڑے کی پودہ سے سیاہ بھائی
کی اجازت دیتا ہے۔

پستو کے زمانے میں اپنی بیوہ بھاج
کا بھری پوری بنانا گوارا نہ کرتے تھے۔ اور
چونکہ اکثر شادیوں پتہ زادوں میں ہوا

کرتی تھیں اسلئے یہ چاہتے تھے کہ بھائی
کی شرم بھی رکھی جائے اور گھر کا بندہ
بھی گھر ہی میں رہ جائے +

(۱۱) باوجود مسافت ان میں ایک | پشتونخوا میں تو کئی جگہوں کے نام
جگہ کا نام خیر ہے۔ مثلاً در سمنڈ، لاہور اور

مقرا +

دو ذوں مثالیں بے ہنگم ہیں + ہور
اور اس کے پیشے نے سب قوم کے حق
ہونے کی کٹھن شرط ماننے کے لئے ان
سے کہا تھا +

پٹا پٹ کے پیشوں نے ایفروں کو ابراہیم
کے ساتھ زمین سے لے کر زمین سے لے کر کہا تھا +
پشتونوں میں ویش کا رواج، پشتونوں

کی وجہ سے تھا جس میں سب ذی راج
برابر اور ان کا نفع نقصان مشترک ہونا ہے
اس لئے ہر فرد کو جوان ہونے پر اپنا حصہ
زمین مانگنے کا حق حاصل تھا +

اسلام میں خدا کے سوا کوئی ملک یا
بادشاہ نہیں: **اَللّٰهُمَّ** ○

رگوبد کے نطانے میں لوگ سمیٹی یعنی
قبائلی جگہ کے میں اپنی مرضی کے اظہار
کے ذریعے راجہ کی طاقت کو محدود کر
دیتے تھے۔ اور آج کی طرح اس وقت بھی
ہر پشتون کھتری یعنی زمیندار بھی تھا
اور بیابانی بھی +

(۱۲) ان کے فیصلے ٹیک نہیں بلکہ
قوی جگہ کرتے ہیں + جیسا کہ یعقوب
کے پیشے اور شہیم کے پاس صلح کے لئے
گئے تھے لیکن اس نے اپنی قوم سے
مشورہ کیا (دیکھئے پیدائش ۳۴: ۱۱-۱۲)
اور ابراہیم نے زمین کے لئے پٹا پٹ کے
پیشوں کی بجائے قوم کیساتھ فیصلہ کیا۔
(پیدائش ۲۳: ۳-۱۱) +

(۱۳) یہودیوں کی طرح ایسے اور کھلے | صرف شمالی ٹھنڈے علاقوں کے مالدار
چنے پہنتے ہیں + پشتون خصوصاً یوسفزئی ایسے چنے پہنتے

ہیں + آج سے ۳۰ برس پہلے تک جنوبی
پشاور کی لوگوں کے پشتون بنو شارباز
پہنا کرتے تھے +

(۱۴) منگنی اور بیاہ میں فرق نہیں کرتے | یہ رسم عموماً نہیں ہے + کمر لٹری قوم
شادی سے پہلے دلہا اور دلہن میں بے
لکھی ہوتی ہے + [یوسفزئی اس رسم کو
چغتوب کہتے ہیں جس کی تفصیل حیات
افغانی میں درج ہے اور بعض پاوندہ
قبائل بھی ایسا کرتے ہیں

(۱۵) یہودیوں نے کبھی اور کہاں بھی عجمی
طور پر اپنا مذہب تبدیل نہیں کیا +

بعض یورپین مورخین کا یہ خیال ہے کہ پشتون بنی اسرائیل کے اگستہ
قبائل سے ہیں اس لئے غلط ہے کہ پشتونوں کو بنی یاجین کی اولاد کہا جاتا
ہے جو گستہ نہیں بلکہ اپنے وطن کو واپس آگیا تھا +

اکثر لکھنے والوں نے صرف لغت اللہ کے لکھنے کی بناء پر یہ لکھا شروع کر
دیا ہے کہ پشتون اپنے آپ کو بنی اسرائیل کہتے ہیں + حالانکہ حقیقت یوں نہیں
ہے + جن پشتونوں نے نخرن افغانی وغیرہ نہیں پڑھے وہ پرگز خود کو بنی اسرائیل
نہیں کہتے + ہم میں یہ روایت کبھی نہیں چلی آئی کہ ہم بنی اسرائیل ہیں +
اب پر چند کہ پشتونوں کی اسرائیلیت کی تائید اور تردید میں آئی ہے لکھا
گیا ہے لیکن نتیجہ یہ ہے کہ نہیں لکھا +
جیسا کہ آپ پڑھ چکے ہیں بعض قوموں کی بابت تو یہ ثابت ہو چکا ہے

کہ پشتون یہ نہیں ہیں لیکن ابھی تک کوئی یہ ثابت نہ کر سکا کہ اگر یہ نہیں ہیں تو کون ہیں۔ اور نہ اس کے بعد شاید کوئی کر سکے گا۔

نعت اللہ کے لئے اسی کے سال اخیر دروہیزہ نے اپنے تذکرہ ص ۷۹ میں افغانوں کو بوقت کی نسل سے لکھا ہے لیکن وہ تو صرف یوسفزیوں کی تاریخ لکھنے بیٹھا تھا جن کے مورث اعلیٰ کا نام اس لئے شہریوں لکھا ہے۔

اس سب بحث کے بعد ہم اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ نعت اللہ کے بیان کردہ چاروں گروہ ایک ہیں۔ جو چاروں ایک باپ کی اولاد نہیں ہیں۔

اگر پشتون ہیں کوئی بنی اسرائیل بھی آکر شامل بھی ہوئے تو وہ اب میرٹھ سے پشتونوں میں ایسے کھل بدل گئے ہیں کہ اب ان میں سے بنی اسرائیل کی تمیز کرنی قطعاً ناممکن ہے۔ چہ جائیکہ عرب یا ایرانی وغیرہ کی۔ اور چونکہ نعت اللہ نے قبیلے افغان، آصف، رہبہاء اور ارجہاء کی بابت جو کچھ لکھا ہے وہ سراسر غلط اور فرضی ہے اس لئے اس کا اسرائیلیت کا دعویٰ بھی بے معنی ہے۔

پشتون سب ایک اور آریہ النسل ہیں۔ اور اگر وہ اپنا شجرہ کرلانڈ یا قیس سے آگے نہیں لے جاسکتے تو اس میں عیب کی کوئی بات نہیں ہے۔ دنیا کی کوئی قوم بھی اپنا شجرہ پوری طرح نہیں بیان کر سکتی۔ اس بارے میں لورڈ سے پہلوان کے بیٹوں کی مثال دیکھئے۔

پشتونوں کی قومیت کی شد و مد سے بحث کرنے والے انگریزوں خود بھی نعت اللہ سے اڑھائی سو برس یعنی ۱۷۷۰ء تک اس ہم میں گرفتار تھے کہ خود کو کسی طرح بنی اسرائیل ثابت کریں۔ النساء کلو پیٹیا برٹینیکا بارہم میں افغان کے عنوان کے تحت لکھا ہے: "ایسی باتیں تقریباً ان سب قوموں کی ادب میں ملتی ہیں جنہوں نے اپنا مذہب یا تہذیب یروانی ذیل سے حاصل کی ہو" اور پھر لکھو آگے چل کر لکھا ہے "ہمارے اپنے ذمت [۱۷۷۰ء] اور ملک [برطانیہ] میں ایسے لوگوں کی کافی تعداد موجود ہے جو سنجیدگی سے یہ نظریہ رکھتے اور پھیلاتے ہیں کہ انگریز لوگ اسرائیل قبیلے سے ہیں۔ اور اس غلط نظریے پر پشتوں کے ادب سے زیادہ کتابیں بھری جاسکتی ہیں۔"

مخزن افغانی

رودسی پروفیسر ہنہارڈ ڈارن نے ۱۸۲۹-۳۰ء میں "ہسٹری آف دی افغانز" جس کا اردو ترجمہ شہاب الدین ثاقب نے تاریخ افغانہ کے نام سے کیا ہے، لکھ کر کہا کہ یہ "مخزن افغانی" کا ترجمہ ہے۔ کیمرج یونیورسٹی کے پروفیسر نے متن کے مقابلے کے لئے ڈارن کو اسی خیال سے دبا تھا کہ یہ مخزن افغانی ہے۔ کتاب چھپ گئی اور دنیا بھر ہی سمجھتی رہی کہ یہ مخزن افغانی کا انگریزی ترجمہ ہے۔

لیکن ۱۹۵۸ء میں شانتی نیکشن کے نرود جوسن رائے نے ایٹنبرک سوسائٹی، لکھنؤ یونیورسٹی اور علیگڑھ یونیورسٹی کے متعدد قلمی نسخوں سے مخزن افغانی کے سات بابوں اور خاتمے میں سے صرف پہلے چار باب (عہد لودی) کا ترجمہ کر کے دیہاڑے میں لکھ دیا کہ ڈارن کے ترجمے کا اصل ابراہیم بیٹی کی لکھی ہوئی کتاب "تواریخ مجلس آرائے" ہے جو عباس ساروانی کی "تاریخ شیرشاہی" کا مفصل بیان اور لغت اللہ کی تصنیف کے علاوہ ہے جس کا نام مخزن افغانی المشتہر تاریخ خاجہانی ہے۔

لیکن راقم الحروف عارض ہے کہ ابراہیم بیٹی اپنے نسخہ منقولہ ۱۷۸۸ء و موسومہ "تاریخ خاجہان لودی" و مخزن افغانی کی بابت لکھتا ہے کہ میں نے اپنے نسخے میں بعض مقامات اور کرائیوں کا حال تاریخ نظام شاہی تاریخ شیرشاہی اور لغت اللہ کے مخزن افغانی سے لکھے ہیں۔

ابراہیم کے اس واضح بیان اور رائے کی رائے کے بعد اگرچہ یہاں ڈارن کے ترجمے کو مخزن افغانی کا ترجمہ نہیں کہنا چاہئے لیکن چونکہ دنیا ۱۲۲ سال تک اس ترجمے کو مخزن افغانی کا ترجمہ کہتی چلی آئی ہے اس لئے ہم اپنی طرف سے بجائے مخزن افغانی کے تواریخ مجلس آرائے کے نام کا استعمال اس وقت تک مناسب نہیں سمجھتے جب تک مخزن افغانی کا اصلی متن نہ چھپ جائے۔ چنانچہ ہم نے اس کتاب میں اسی پر عمل کیا ہے۔

دارن کے ترجمے کی بابت ہمیں صرف مندرجہ ذیل گزارش کرنی ہے :-
 (۱) ص ۲۱ میں مصنف نے اپنی کتاب کے تصنیف کا جو سبب لکھا ہے
 یہیں اس سے غرض نہیں ہے۔ لیکن حیات افغانی (ص ۱۰۲-۳) میں لکھا
 لکھا ہے: "مخزن افغانی کی بعض نقول میں سبب تصنیف مندرجہ ذیل ہے۔
 شاہزاد کا تب ایسے قابل اعتراض سمجھ کر چھوڑ دیتے ہیں۔ لیکن دراصل یہ سبب
 واقعی تھا۔ لیکن مخزن افغانی کی جو کتاب سرکار [انگریز] کا ایلی غلام حسن خان
 علیزئی [جسے ٹیلر نے میر عالم خان مرزعلی خیل کے جلا وطن کئے جانے کے بعد
 بنوں کا انتظام سونپا تھا] کابل کے مخبر خاندان کے کتب خانے سے لایا اور
 اس سے مجھے ملی اور اب میرے سلفے میزپر پڑی ہے۔ اس میں یہ لکھا ہے۔
 نقل بحسنہ" [ترجمہ از فارسی: ۱۰]

"اس کتاب کی تصنیف کا باعث اور سبب یہ ہے کہ ایران کے بادشاہ
 شاہ عباس صفوی کا سفیر جب میرے وئی تخت یعنی ہمدانگیر کے حضور
 آیا تھا تو اس نے افغانوں کی نسبت دیوؤں سے کی + اور ایک مخبر کتاب
 سے یہ روایت کی کہ شاہ ہفت اقلیم ضحاک کے کانوں تک پہنچا کہ کچھ
 فاصلے پر مغرب کے ایک ملک پر خوبصورت عورتیں متصرف ہیں + ضحاک نے
 اس ملک کو حاصل کرنے کے لئے ایک بڑا لشکر بھیجا۔ لیکن جنگ میں عورتیں
 جیت گئیں اور کام نہ ہوتا تھا + اس کے بعد ضحاک نے نریمان کو ایک بڑے
 زبردست لشکر کے ساتھ مقرر کیا + سخت جنگوں کے بعد ایک ہزار باہن
 پر صلح ٹھہری + لوٹتے وقت نریمان کا کوہستان کے پاس پڑاؤ پڑا +
 ایک دلو صورت اور شیطاں سمیت آدی بہاڑ سے نکل آیا + لشکر کو مار
 کرتا کرتا بڑھ کر دیا اور ان ہزار کنواریوں کو ایک رات میں حاملہ کر دیا + بھاگی
 ہوئی فوج جب اس پڑاؤ کو لوٹ کر آ پہنچی تو سب عورتوں کو گھابن پایا +
 جب یہ واقعہ پایہ تخت سلطنت کی خدمت میں عرض کیا تو حکم پہنچا کہ ان
 عورتوں کو اسی ویرانے اور بہاڑ میں چھوڑ آؤ کیوں کہ ان کی نسل سے شہروں
 میں فتنہ اور بربادی پیا ہو جائیگی + مطلب یہ نکلا کہ افغان انکی نسل سے ہیں +

یہ بات سن کر مجھے [خان جہان لودھی] کی غیرت آئی + چند جہانزادہ
آدی (جن کا ذکر کتاب کے مقدمے میں آیا ہے) اپنے لشکر کے سرداروں سے چنے
اور جہان میں پھرتے جیہوں نے علوہ علوہ افغانوں کے الساب تحقیق
تک پہنچائے جو درجہ بہ درجہ درجہ کئے گئے +

مصنف جہات افغانی نے مقدمہ مخزن افغانی سے ان سرداروں کے نام
یہ لکھے ہیں: قطب خان، سرمست خان ابدال، پمڑہ خان توتی، عمر خان کاکڑ
اور ظریف خان یوسفزی +

لیکن مخزن افغانی کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ خانبخاں نے علاوہ اپنے
سرداروں کے بیانات کے سندرجہ ذیل کتابوں سے بھی استفادہ کیا تھا: -
تاریخ طبری، مجمع اللسباب مصنفہ محمد ابن علی گزہ بدہ جہانگشا، مطلع الانوار،
معدن اخبار احمدی از احمد خان ولد بہلول خان کنوہ ۱۲۰۲ھ، تاریخ ابراہیم شاہی،
تاریخ نظامی، تاریخ شیرشاہی از عباس سادوالی اور اکبرنامہ ابوالفضل +

اس کے بعد مصنف جہات افغانی لکھتا ہے: اگرچہ یہ روایت جو ایران
کے سفیر نے ضد اور حسد کی وجہ سے افغانوں کی لیب کے بابت بیان کی قطعاً
غلط اور ایسے بنیاد ہے کہ بچوں کا قیاس بھی اس کے برخلاف مضبوط فتویٰ
دیگا۔ لیکن اس کے خواب میں خانبخاں جیسے جہانزادہ انسان نے جان کو حد
سے زیادہ سرائے +

اس کے بعد مصنف جہات افغانی لکھتا ہے: مخزن افغانی کے مصنف نے
اپنی کتاب کی تصنیف کی جو وجہ لکھی ہے وہ سبب ایسا ہے کہ غیرت انسانی نے
خانبخاں کو اس حد تک آمادہ کیا کہ وہ اپنی قوم کے اعلیٰ خاندانی پن اور اپنی
صفت کے لئے خلاف واقعہ درجے تک لکھنے پر مجبور ہو گیا +

مخزن افغانی کا صحیح اور مکمل متن دیکھنے بنایا میں جہات افغانی کے لکھے پر
بصرہ کرنے کا حق نہیں پہنچتا +

پشتون بادشاہوں کے زمانے میں بہت سے افغان (خصوصاً لودھانری،
ساروانری، جلالانری وغیرہ) سلاطین بہلول لودی کے بلاد پر حملے سے بہت ستا

گئے تھے۔ اور بعد کے منلی دور میں فوج اور سلطنت میں بڑے بڑے منصب،
جائدادیں اور اہمیتیں حاصل کر چکے تھے۔ اس لئے اس زمانے کے پشتون اپنی قلم
کے دلوں میں اپنے بادشاہوں اور اپنی قوم کے بابت کچھ لکھنا عین قدرتی
بات تھی خصوصاً جب کہ ان کے حسب اور نسب پر ایسے ناپاک اور جھوٹے
حملے بھی کئے جاتے تھے جیسا کہ آپ اس سے پہلے پڑھ چکے ہیں۔
پشتونوں کی تصنیفوں سے ہمیں ان کی نسل کی بابت نہ سہی ان کے بادشا
اور اس وقت کے ہندوستان کے چشمہ دید اور نہایت مختصر حالات تو آتھ گ
گئے۔

بادشاہوں کے بارے میں تو اس زمانے کے پشتون مصنف نہایت ہی
منفعت بخش پوزیشن (حالت) میں تھے اور ان کے حالات تو بسط سے اور
صحیح لکھ پائے لیکن پشتونخوا سے اُچھڑ مکانی، فارسی (اور غالباً عربی) کے بغیر
دنیا کی اور زبانوں سے ناواقفیت اور محدود مواد استعمال کرنے کی وجہ سے یعنی وہ
سب مواد استعمال نہ کر سکنے کی وجہ سے جس کے حاصل کرنے کی سہولتیں
اُس وقت موجود نہ تھیں (پشتونوں کے بارے میں ان کی تحقیق معیار تک
نہ پہنچ سکی۔

لیکن یہ اتنا قابل افسوس نہیں جتنا قیسیوں کی بابت ایک ایسا نظریہ
پیش کرنا جس کے لئے ان کے لکھنے کے علاوہ کوئی مستند ثبوت موجود نہیں۔
اور جو آج تک دنیا کے علماء میں ہلے فزاع بنا ہوا ہے جیسا کہ اس کتاب میں
آپ اس سے پہلے پڑھ چکے ہیں۔

پشتون پہ اصل سرفروشی دے
یا غرضتی دے یا بیٹھی دے
لودی غلی وی بیٹی نہ دے
سرفروشی پور بہا کر لاٹری دے + [خان]

دی پٹھانز

سر اوف کیرو تقریباً تیس سال تک پشتون پر حکومت کر چکا تھا اور پاکستان بننے سے پہلے ۱۹۴۹ء میں شمال مغربی صوبہ سرحد کا آخری انگریز گورنر رہ چکا تھا جو خاصی پشتو بھی بول لیتا تھا۔
دی پٹھانز کیرو کے پراپیگنڈے کے سلسلے کی دوسری کتاب ہے جو پشتونوں کے برخلاف لکھی گئی ہے + اس سے پہلے ۱۹۵۴ء میں "سوویٹ ایمپائر" نامی کتاب روس کے برخلاف لکھی چکا تھا +

دی پٹھانز کے لئے راستہ "ہنرو سائیل" نے ہموار کیا جو اس سے پہلے لکھی گئی اور اس کی تائید "دی پات آف دی افغانز" نے کی جو اس کے بعد لکھی گئی +

آج تک پشتونوں کی مکمل اور مستند تاریخ نہیں لکھی گئی + پچھلے وقتوں میں جو کتابیں لکھی گئی تھیں وہ یا تو کسی ایسی زبان میں تھیں جیسے اکثر پشتون نہیں سمجھتے مثلاً فارسی یا اردو۔ یا سخت کیماب تھیں مثلاً "افغانی اور تاریخ خورشید جہاں" + ان حالات میں پشتونوں کو اپنی ایک مفصل اور مستند تاریخ کی سخت ضرورت تھی۔

شمال مغربی صوبہ سرحد میں دو بار اور اخباروں میں مضامین کے ذریعے اپنی کتاب کا وسیع پراپیگنڈا کر چکے کے بعد جب کیرو نے ایک انگریزی قسم کے نام کے نیچے اپنی کتاب یہاں بھیجی تو ہمارے انگریزی خوان طبقے نے باوجود اس کی مانع قیمت کے اسے بڑی تعداد میں خریدا اور سمجھنے لگے کہ ان کی پشتونوں کی تاریخ کی پرانی آرزو پوری ہو گئی + لیکن جب پڑھ کر دیکھی تو اپنے پیسے اور وقت کے لئے پچھتلے + بعض نے تو اس کتاب کی بابت کچھ لکھا بھی لیکن اس پر منصفانہ تنقید لکھی جانی تاحال باقی ہے + لیکن چونکہ ہماری کتاب میں بار بار کیرو کا ذکر آتا ہے اس لئے اس کی کتاب کے متعلق اپنے بعض خیالات ہدیہ قارئین کرتے ہیں :-

(۱) یہ ایک ایسے شخص کی تالیف ہے جو سب عمر رسول افسر تو رہا لیکن مورخ نہ بن سکا۔ اس نے تاریخ اور افسانے کو ملا پایا ہے لیکن کوئی محضول نتیجہ نہ اخذ کر سکا۔ مثلاً پشتونوں کے نسل کے ذکر میں بنی اسرائیل کا ذکر تو چھپر دیا لیکن پھر ویسے ہی چھوڑ دیا اور یہ نہ کہا کہ پشتون بنی اسرائیل ہیں یا نہیں۔ اور اگر نہیں تو کون ہیں +

(۲) کتاب کے ص ۲۳۱ پر لکھا ہے کہ "تک اکو اور اس کا بیٹا بھی پر دو یوسفزیوں کے ناخون قتل ہوئے تھے + " یہ سراسر غلط ہے۔ کیونکہ وہ دونوں اپنے ہی خٹکوں کے ناخون مارے گئے تھے جیسا کہ آپ ہماری کتاب میں اکوڑ خیلوں کے باب میں پڑھائیے + اور پھر یہی غلطی کیرو اور ہوویل "دی بوٹمز" کے ص ۳ پر دھرائیے ہیں +

(۳) کتاب کے ص ۲۱۱ پر لکھا ہے کہ "کبریا دتنامنے شاپی شرک کی حفاظت کا کام ۱۶۵۱ء میں ماک آو کے سونپا + " یہ تاریخ بالکل غلط ہے + صحیح تاریخ کا ذکر ہماری کتاب میں اکوڑ خیلوں کے باب میں آجائیگا + یہی غلطی "دی بوٹمز" کے ص ۲ اور ۸ پر دھرائی گئی ہے +

(۴) کیرو کی مورخی کا حال تو مندرجہ دو مثالوں سے واضح ہو جاتا ہے اگرچہ ایسی بہت سی مثالیں آپ آئندہ صفحات میں بھی ملاحظہ فرمائیے گی + لیکن چونکہ اس نے اپنے اکثر مآخذ (بغیر کہیں اعتراف کے) جیسی صاحب کی کتاب "د پشتو ادبیا تو تاریخ" دوہم ٹوک مطبوعہ کابل سے لئے ہیں اور بعض ایسے مسئلوں کو بھی چھوایا ہے جن کے اصل تک رسائی اس فہماش کے مورخ کے لئے ناممکن دکھائی دیتی ہے اسلئے خیال اغلب یہ ہے کہ "دی بوٹمز" کے بعض باب کسی اور نے کیرو کو لکھ کر دیئے ہیں +

(۵) ویسے تو "دی بوٹمز" سب کچھ ملا کر ۶۳۵ صفحات کی کتاب بنتی ہے لیکن اس میں پشتونوں پر بہت کم مواد ملتا ہے۔ خصوصاً کولائٹری قبیلے پر + (۶) کتاب میں جا بجا انگریزوں کی تعریفیں ہیں خصوصاً پلا دین نامی باب میں تو جا بجا لکھا ہے کہ ملاں قبیلے کے پشتون ملاں انگریزوں پر یوں شہینہ اور

والہ تھے اور فلاں قبیلہ فلاں انگریز کو یوں [بمذلتہ پیر] مانتا تھا۔ حالانکہ انگریزی دور استبداد کے مظالم آج بھی ہمارے دلوں پر نقش ہیں۔ مثلاً اگر کوئی پشتون کسی راہ جاتے انگریز کو سلام نہ کر بیٹھتا تو اسے پیدوں کی سزا دی جاتی یا اس کے پیچھے گتے لگا دئے جاتے۔ اگر کوئی کارخانہ بنانے کو کہتا تو اسے کہتے کہ کراچی تو یہاں سے بہت دور ہے۔ وہاں سے تو شینیری لالہ پر ہی اتنے مصارف آجائیں گے کہ عمر بھر تک منافع نہ ملیگا۔ معمولی لوگوں پر مثلاً ہیڈ ماسٹر سکول، سٹیشن ماسٹر ریلوے اور انسپکٹر پولیس کے لئے بھی انگریز لا کر بھرتی کئے جاتے تھے۔ حریت پسندوں کو صوبائی، پشاور اور پشینہ تنگی میں مبین گنوں سے بھونا گیا۔ غرضیکہ ایک ایسے غاصب قوم کے ساتھ محکوم پشتونوں کی جو دلی محبت ہو سکتی ہے وہ اظہر ہے۔ ایسی حالت میں اگر کسی پشتون نے انگریزوں کے شر سے بچنے کے لئے منہ زبانی کسی انگریز کی کچھ تعریف کر دی ہو تو اسے کون محبت قلبی کہہ سکتا ہے؟

کتاب کے پورے گیارہ صفحے تو ارمن نامی ایک بدنام انگریز فوجی افسر کے قتل کے واقعے کے بیان پر ضائع کئے گئے ہیں کیونکہ اس کی قتل کے بعد کوئی فوجی پشتون دوسرے انگریزوں کے سامنے "آئی مائی۔ ارمن ارمن" کے رسمی لغزشی الفاظ کہتے ہوئے بیان ہوتا ہے۔ بات صرف اتنی ہے کہ وزیروں کے پاس میں ارمان (کلمہ حسرت کا تلفظ ارمن کیا جاتا ہے جو ارمن کے ہم صوت ہے۔ لیکن کیرو نے یہ نہیں بتلایا کہ ارمن وزیرستان میں جلتے میں کہاں تک حق بجانب تھا۔ انگریز تو زبردستی ان کے گھر میں گھسے اور انہیں اپنی جان اور مال بچانے کا حق بھی حاصل نہ ہوا!

(د) کیرو نے جا بجا اور خالص پچا لے مطالب باتیں لکھی ہیں۔ اور بسا اوقات مورخین اور علماء کے مانے ہوئے نظریوں سے بلاوجہ اور دلیل اختلاف کیا ہے۔ اور ایسے عجیب اور مضحکہ آمیز نظریے پیش کئے ہیں جو سکول کا ایک طالب العلم بھی سرسرا لے۔ اسپاسی اور یوسفزئی کا ایک ہونا، اور پشتون تلفظ کا پشتون تلفظ، قدیمی ہونے کی مثالیں آپ پڑھ چکے ہیں۔

(۸) پشتونوں کے شجروں کے ساتھ جو کھیل کھیلا ہے وہ تو بس کیروچی کا حصہ ہے۔ اس لئے شجروں کی ذاتی تفسیریں کی ہیں اور بہ زعم خود ان کی باطنی تفسیریں نکالی ہیں۔ جن کا واحد مقصد پشتونوں کا ایک دوسرے سے جدا کرنا، ان کے دلوں میں ایک دوسرے سے منہائرت پیدا کرنی اور دنیا کی آنکھوں میں انہیں نیست ثابت کرنا ہے + لیکن شجروں کو غلط ثابت کرنے کی سعی معکوس میں اس لئے ان کی صحت کا اعتراف کیا ہے۔ کیوں کہ اس لئے بھی لکھا ہے کہ میدان کے افغان جو خود کو افغنہ کی اولاد کہتے ہیں پہاڑ کے پشتونوں سے جو کرلانٹر کو اپنا مورث اعلیٰ کہتے ہیں بالکل جدا ہیں۔ اور شجروں نے بھی پشتونوں کے دو مورث اعلیٰ لکھے ہیں: (۱) کرلان اور (۲) تلیس +

(۹) پہلوؤں کے نتیج میں پشتونوں اور افغانوں میں غیر حقیقی فرق پیدا کرنے کی ناکام کوشش کے بعد (جس کی طرف کچھ اشارہ ہماری کتاب میں اس سے پہلے ہو چکا ہے اور جس کی چند مثالیں اس کے بعد آئیں گی) کیروئے مغربی پشتونوں کے بعض بڑے بڑے قبیلوں کی امانت کی کوشش بھی کی ہے: مثلاً غلزئیوں کو (جنہوں نے ہندوستان پر بھی حکومت کی ہے اور ایران پر بھی) خلیجی ترکوں کے ساتھ خلط ملط کرنے کی کوشش کی ہے اور انہیں تاجک قوم کے ایک قبیلے میں شامل کر دیا ہے جو نظارناک (ضخاک) ایرانی کی نسل سے تھا۔ اور ایکسٹریجے بیان کے بعد لکھا ہے: "پہلا روشن نکتہ یہ ہے کہ پرانی افغانی روایت غلزئیوں کو، جیسے کہ وہ تھے (جیسا اس کا مطلب یہاں نکالا گیا ہے) اصلی افغانی جڑ سے نہ سمجھتے تھے" (ص ۱۷۷)۔ بعض نا سچی لوگ غلزئی پشتونوں کو خلیجی منگولوں کے ساتھ خلط

کرتے ہیں۔ موصوفہ الذکر کے بارے میں تاریخ فرشتہ جلد ۱ ص ۱۳۳-۱۳۴ لکھا ہے: "نظام الدین احمد بخشی اپنی تاریخ میں لکھتا ہے کہ ایک معتبر تاریخ میں میری نظر سے گزرا ہے کہ خلیج قبیلہ چنگیز خان کے داماد تلج خان کی نسل سے ہے + قاجار تحریف ہو کر خالچ بنا۔ پھر یہ باعث کثرت استعمال

الف کو بھی مسترد کر دیا اور انہیں خلع کہتے تھے +
 مذکورہ بالا تمام کتابوں سے پہلے مخزنِ افغانی جلد ۲ ص ۱۶ لکھ چکا ہے کہ
 ”کیونکہ شاہ حسین افغان لعل سے نہ تھا اس لئے لوگ اس کی اولاد کو
 ان کی ماں [متو] کے نام پر متی بلاتے تھے +“
 لساہوں نے غلزئی کی جو وجہ تسمیہ لکھی ہے وہ تو آپ جانتے ہی ہونگے
 کہ چونکہ نکاح کے بغیر ماں کے بطن میں پڑ گیا تھا اس لئے غل زئی کہلاتا
 تھا +

ہمارے لساہوں کی وجہ تسمیہ لکھنے کے مرض میں گرفتاری کا کچھ حال تو
 آپ کرلانٹر کی وجہ تسمیہ میں پڑھ لیجئے۔ یہاں اتنا عرض کر دینا کافی ہوگا کہ
 پشتونوں میں ”نئی“ سے مرکب ناموں سے کسی کی اولاد کا مطلب لیا جاتا
 ہے مثلاً ”بارک زئی“ کا مطلب ہے ”بارک کی اولاد“ اس کیلئے کے مطابق
 غلزئی کا مطلب تو ہوگا ”چوری کی اولاد“ لیکن پشتو کے کسی قاعدے کی رو
 سے اس کا مطلب ”چوری کی اولاد“ نہیں ہو سکتا۔ الا ان لوگوں کے ناں
 جو پشتو سے ناواقفیت کی وجہ سے لکھتے ہیں کہ ”افغانی زبان میں ”ہجو“
 کا مطلب ہے ”چور“! (دیکھئے مخزنِ افغانی جلد ۲ ص ۵۶) +
 غلزئی خود کو بھی ہمیشہ غلجی کہتے ہیں اور متی قبیلے کے لوگ بھی انہیں
 غلجی لکھاتے ہیں +

غلزئی کے متعلق یورپ کے لکھنے والوں کی غلطی اس امر پر مبنی ہے
 کہ انہوں نے غلجی اور غلجی کے آوازوں کی ادنیٰ شباهت پر یہ ادھا رکھا
 لیا ہے کہ یہ دونوں ایک ہیں، تووری اور توریانی کی مثال آپ اس سے
 پہلے پڑھ چکے ہیں + وہ یہ نہیں جانتے کہ جس قوم کا ذکر مورخ بحث ہے وہ
 ہرگز اپنے آپ کو غلجی نہیں کہتی +

(۱) ہندوستان کو فتح کرنے والوں اور افغانستان میں دو سو سال سے
 ایک پائیدار اور خود مختار حکومت قائم کرنے والوں ابدالیوں یا درانیوں
 کی اہمیت کیرویوں گھٹاتا ہے؟ جیسا کہ — ابدالیوں کی اہمیتیں دھندلی

ہیں اور وہ سترہویں صدی [عیسوی] میں شاہ عباس اعظم کے وقت تک تاریکی سے نہیں آ لکھے۔“ [ص ۹۵] +

اور آرمٹر کو تو سٹرن کا متنی بنا کر پشتونوں سے خارج ہی کر دیا ہے +
(۱۱) پشتونوں کی امانت کے علاوہ کیرو نے پشتونوں کے پیروں کو بدنام کرنے کے لئے جیسا سود افتراؤں سے بھی کام لیا ہے + مثلاً ص ۱۰۱ پر ملا پاونڈہ [پہوندہ] کی بابت خامہ فرسایہ: ”تاخیر اور جھوٹ کی مناسب مدت کے بعد ملا لے خیر کے ساتھ پنجام بھرا دیا کہ ایک موجب خوشامند ہوگا لیکن بدین شرط کہ مجھے خفیہ ملا کرے۔“

کیرو کی تکذیب ہم اس کے ہم قوم اور ہم مذہب لوگوں کے لکھوں کے ذریعے کرینگے :-

صوبہ سرحد پر حکومت کے دو سال میں انگریزوں نے اپنے اعتباری جاسوسوں کی اطلاعوں پر پشتونوں کے ہر علاقے کے پیروں، ملاؤں اور عالموں کی انگریزوں کے متعلق رویے کی جو منظور شدہ اور مستند لیکن اس وقت خفیہ فہرست بنائی تھی اور جو آجکل دہلی کے آرکائیوز میں بہ نمبر ”فارن ڈیپارٹمنٹ - سیکشن ایف - پروسیڈنگز فروری ۱۸۹۶ء ۶۸ - ۷۹ نمبر ۷“ محفوظ ہے - اس میں بنوں اور وزیرستان کے ۱۷ کسان کے متعلق اطلاعات درج ہیں + ان ۱۷ میں سے ۵ کو انگریز کے مخالف لکھا ہے + ان پانچ میں سے ایک نفر جس کا شمارہ فہرست میں ۵۱ ہے ملا پاونڈہ ہے جس کی بابت لکھا ہوا ہے: ”(۵) ملا پاونڈہ - اس وقت سب سے اہم محسود ملا ہے + یہ شدت کے ساتھ انگریزوں کا مخالف ہے + بہت اثر لکھتا ہے۔“

اور کوٹاٹ کے ملاؤں کے ذکر (۷) میں شمارہ ۷ پر کرہی کے ملا انور شاہ صاحب کی بابت ”بہت اثر لکھتا ہے انگریزوں سے بہت نفرت لکھتا ہے“ کے بعد لکھا ہے: ”ملا پاونڈہ ان کا مرید ہے۔“ پہلی فہرست میں ملا پاونڈہ کے علاوہ (۱۰) ملا گل سید اور (۱۱) ملا معلوم

کی بابت لکھا ہے: ”دولوں صوت کے قلا کے شریک ہیں۔ لیکن ملا پاوند کے اثر کے نیچے ہیں + اول الذکر [ملا سید گل] پر یہ شک ہے کہ میرا شاہ کے قریب انگریزوں پر حملہ اسی نے بھڑکایا تھا + موخر الذکر [ملا معلوم] محسوب ہے + انگریزوں کے برخلاف ہے + والد پر حملہ بنانے میں شوش کی تھی + اس کی بڑی غرض دولت سمیٹنا دکھائی دیتا ہے۔“

اور (۱۱) ملا کاٹی شیرخان کاٹی گورم والے ارثر اور (۱۲) ملا اللہ میر لیکن اباخیل دولوں کی بابت لکھا ہے: ”ہر اہم معاملے میں یقیناً ملا پاوند کی رفاقت کریں گے۔“

اور ضلع پشاور کے ۲۲ ملاؤں میں سے ۱۵ کو انگریزوں کے خلاف، ۳ حق میں، ۱ غیر جانبدار اور ۳ کا رویہ نامعلوم لکھا ہے + انگریزوں کے ۱۵ مخالفین میں ”عبدالودود“ معروف یہاں گل معروف ”ملا صوت“ بھی لکھا ہے + اب ملا پاوند، اس کے پیر، اس کے زیر اثر لوگوں اور ان کے پیروں کے متعلق انگریزوں کی نہایت معتبر تحریرات یہ ہیں تو اب انہیں ماننا چاہئے یا سر اولف کے لکھے کو؟

(۱۲) کیرو نے پشتو زبان کے نرم اور سخت اہجوں کو دو زبانیں قرار دیا ہے۔ حالانکہ وہ دو زبانیں نہیں بلکہ بطور ماحول اور آب و ہوا کے اثر کے ایک ہی زبان کے دو مختلف ایچے ہیں + نوشہرے کے خاک اب کچھ کچھ سخت ایچہ استعمال کرتے ہیں اور بنوں کے محل جیل یوسفزئی سو فیصدی نرم ایچہ استعمال کرتے ہیں + کیرو شاید یہ نہیں جانتا کہ تقریباً ہر دس میل کے بعد ایچے میں کچھ نہ کچھ فرق آ جاتا ہے +

(۱۲) کیرو کے مشاہدے کا یہ حال ہے کہ جٹاؤں (شہریہ) کی بابت لکھتا ہے: ”اور کبھی کبھی انہیں لکڑی کے چھوٹے کلیوں کے درخت سے تھامے رکھتے ہیں۔“ یہ ایک بڑی غلطی ہے + لکڑی کی نیم ہوائی کنکلیوں کو چمٹے بنا دیا ہے اور انہیں شکوں کے بالوں میں الکا دیا ہے!

(۱۳) لکھتا ہے کہ ”کلیاڑی یا نانڈی کو پشتو زبان میں کلیاڑی کہتے

پس + ” اُس کی پشتودانی کا مزید انوارہ اس سے ہو جائیگا کہ ص ۲۳۰ پر خوشحال خان کے اشعار کے ترجمے میں جہاں خان بھر اور عروض کی بات کرتا ہے وہاں اُس نے ”میزان“ کے معنی ”ہنر“ اور ”بھر اور عروض کے معنی ”چسکا“ لکھا ہے !

(۱۴) پشتون قوم سے کیرو کی واقفیت کا ڈھونڈ اس کی کتاب کے ص ۲۳۰ پر اس بیان سے کھل جاتا ہے : ”پھر بھی یہ لکھ چکے کہ بعد بھی ایک پٹھان دوست، شالنے کے سید عبدالجبار شاہ جو سید بھی ہے کی ایک سنجیدہ بحث یاد آتی ہے + ”گو یا کیرو کی پٹھان کی اصطلاح میں (جو وہ عموماً کرلائیوں کہتے استعمال کرتا ہے) سید بھی شامل ہیں ! یہاں یہ وضاحت ضروری ہے کہ سید جمال الدین افغانی کے نام میں افغانی کی ’ی‘ باٹے نسبت ہے یعنی وہ سید جمال الدین جو بلوچ سکونت افغانوں سے وابستہ ہے اور ان کے ساتھ نسبت رکھتا ہے۔ اگر وہ بلوچوں میں رہتا تو اپنا نام سید جمال الدین بلوچی لکھتا + اگر سید کبھی پشتون بن سکتا تو وہ اپنے نام کے ساتھ افغانی کی جگہ ’افغان‘ لکھتا +

(۱۵) جملہ پشتونوں کے متحدہ مذہب یعنی اسلام سے عدم واقفیت محض کا یہ حال ہے کہ کیرو ص ۱۰۴ پر خارچیوں کی بابت لکھتا ہے : ”بعد میں انہوں [خارچیوں] نے کئی بازاری نظریے اپنائے۔ جن میں سے ایک یہ بھی ہے کہ امامت کے لئے واحد اور حقیقی صفت لقوی ہے + ” (۱۶) کیرو کی کتاب قید زمانی سے آزاد ہے۔ وہ جا بجا یہ جھٹلانا چاہتا ہے کہ ہزاروں سالوں سے پشتونوں کے قبیلوں کے مسکن، لباس، زبان اور عادات میں کسی قسم کا فرق نہیں آیا +

”دی پٹھانز“ کا ٹیبلہ باب یہ ہے : (۱) پشتون اور افغان دو بالکل جدا گانہ وحدتیں ہیں + (۲) پشتون انگریزی سامراج پر جان پھڑکتے ہیں + (۳) پشتونوں کے شہرے سراسر غلط اور جھوٹے ہیں۔ اور ان کے بناتے وقت وہی مطلب

در نظر تھا جو کیرو لے ان سے لکالا ہے + (۴) پشتونوں میں ہزاروں برسوں سے کسی قسم کی تبدیلی نہیں آئی + (۵) کشمیر کے ساتھ پشتونوں کی دلچسپی اسلئے ہے کہ وہ کسی زمانے میں وہاں حکومت کر چکے تھے + [حالانکہ وہ تو قصہ پارینہ ہے اور آج تو پشتون کی اس ملک میں دلچسپی ۴۵ لاکھ کشمیریوں کو حق خود ادا ریت دلانے کی غرض سے ہے نہ کہ وہاں دوبارہ حاکم بننے کی غرض سے] + (۶) پاکستان کے اور آزاد قبائلی علاقوں کے پشتونوں میں نمایاں معاشرتی اقتصادی اور قانونی فرق پیدا ہو چکا ہے - اس معاشرت کو مٹانے اور دونوں علاقوں کے پشتونوں کو آپس میں مل سکے کیلئے دونوں کا ایک سطح پر آنا ضروری ہے - [یعنی یا تو وہ زندگی کے ہر شعبے میں ترقی کر کے ہماری سطح پر آجائیں یا ہم پچھلے سو سال میں حاصل کی ہوئی ترقیات کو چھوڑ کر ان کی سطح تک انحطاط کر جائیں + مثلاً قانون پکچریوں، حکمہ جاسوسی وغیرہ کو گتہ تیاگ کر جرگہ اور رواج اپنائیں] +

(۷) ص ۱۲ پر قطعاً اپنی طرف سے لکھتا ہے: "مثلاً اگر آپ کسی یونفری یا خیل سے یہ پوچھیں کہ تم کون ہو؟ تو وہ ہمیشہ جواب دے گا کہ "میں افغان ہوں" ان قبیلوں کا آدمی یہ نہ کہیگا کہ "میں پشتون ہوں" + حالانکہ کیرو سے پہلے اور انگریز مثلاً الفنٹن (جلد ۱ ص ۲۰۰) اور گمریرسن (لینگوئسٹک سروے آف انڈیا جلد ۱۰، ایرانی خاندان، ص ۵) لکھتے ہیں کہ: "یہ لوگ اپنی قوم پشتون (جمع پشتانہ) کہتے ہیں - افغان نہیں لکھتے" + "بلیو لکھتا ہے: "تاہم اور پشتو بولنے والے قبیلوں کی طرح یہ [افغان بخلاف پشتون] اپنے آپ کو پشتون کہتے ہیں" +

(۱۸) کیرو (ص ۱۲) نے سر پر پٹھے یا ٹنڈے رکھنے یا رکھنے کو ایک موروثی رنگ دیا ہے اور اس بناء پر بھی پشتونوں کو دو گروہوں میں بانٹنے کی کوشش کی ہے اور لکھا ہے: "بموجہ یہ بات صحیح ہے کہ کودی کی اولاد شمالی ہے اور... "پختو" بولتے ہیں + گلی کی اولاد جنوبی ہے اور... "پشتو" بولتے ہیں + پچھلے سر کے بال چھوٹے اور دوسرے لمبے یعنی ٹنڈے رکھتے ہیں + لیکن گواٹ

کے ٹھک مستثنا ہیں جو انگریز کو دی کی اولاد ہیں (لیکن نرم لہجہ [پشتو] رکھتے ہیں اور اکثر اب بھی بال کانوں سے نیچے رکھتے ہیں۔“

کیرو نے شاید یہ نہیں دیکھا کہ پشاور کے ٹھکوں نے اب پٹھے رکھنا ترک کر دیا ہے اور بنوں کے محل جبل (یوسفزی) اکثر پٹھے رکھتے ہیں۔

پٹھوں کا رکھنا پرانے وقتوں میں تلوار کی ضرب سے بچنے کے لئے ضروری تھا۔ آج سے سو برس پہلے تک انگریز بھی پٹھے رکھتے تھے۔

کیرو نے چھوٹی موٹی غلطیاں تو اور بھی کئی کی ہیں لیکن کوئی کب تک لکھتا رہے؟ ہم "تاریخ ٹھک" لکھیں یا کیرو کا غلط نامہ؟

مختصر یہ کہ دی پٹھا نرہیں وحشی نظریوں کے علاوہ تاریخی اغلاط اور واقعاتی اشفاط کی بھی پیمائش ہے۔ اسکی کسی کہانی میں تسلسل نہیں پایا جاتا۔ ایک بات ادھوری چھوڑ کر دوسری پر لپک جاتا ہے + زمانے کی قید سے بے نیاز ماضی کے واقعات کو حال پر منطبق کئے جلا جاتا ہے +

الغرض، کیرو میں ایک مورخ کی کوئی صفت نہیں پائی جاتی۔ جیسا کہ داسول افسر پہلے تھا ویسا ہی اب بھی ہے۔ اس کی کتاب تاریخ اور افسانے کا ایک ایسا مذموم مجموعہ ہے جس میں مصنف نے اپنی مطلب ہر آدمی کے لئے بہتر سی جھوٹی اور فرہنی باتیں اپنی طرف سے شامل کر دی ہیں۔

شیخ کے

فرمانروایان ہند میں غلزئی (خجلی) سُوری اور لودی (لودھی) پشتون ہو گزرے ہیں۔ گو غزن افغانی کے مطابق وہ بھی صرف ہاں کی طرف سے پشتون تھے۔ لیکن جیسا کہ ہم پہلے عرض کر چکے ہیں قدیم پشتون رواج انہیں پشتون مانتا ہے۔

اللہ بخش یوسفی "یوسفزئی" ہیں لکھتا ہے کہ "صاحبزادہ عبدالقیوم لودی تھا" صاحبزادہ صاحب کے چیتے جی اور ان کی موت سے لے کر یوسفی کے لکھے تک تو یہ بات کسی کو معلوم نہ تھی۔ لیکن اگر وہ لودی ہو بھی تو "یوسفزئی" میں اس کے ذکر کا جواز کہاں سے لکھتا ہے؟

ہر بڑے آدمی کو یوسفزئی ثابت کرنے کی دھن میں یوسفی نے پہلے پر کی بھی اڑائی ہے کہ شیرشاہ سُوری سور کا باشندہ تھا جو علاقہ یوسفزئی میں ایک جگہ کا نام ہے۔ "یہ بات تو عباس ساروانی کو بھی معلوم نہ تھی!! قطع نظر سُوریوں وغیرہ کے حب اور نسب کے، ان کے وقتوں میں انکے قرابت داروں کو حاکمِ یوں وغیرہ میں سے بہت سے لوگ ہول لودی کے زمانے میں ہندوستان جا کر مرفع الحال ہوئے تھے۔ چنانچہ بعض کا خیال

ہے کہ اس لشاک کا ایک قبچہ غزن افغانی کی صورت میں روٹا ہوا۔

پشتونوں کے مکتوبہ شعروں کو ہم تین حصوں میں بانٹ سکتے ہیں:-

(۱) کمر لائبریری سے پہلے کی پشتین فرضی اور نامکمل ہیں جیسا کہ آپ

اس کتاب میں پہلے پڑھ چکے ہیں) اور ان سے بعد کی ایک دو پشتوں میں بھی گھملا پایا جاتا ہے۔ (۲) جو شعرے کسی کتاب کے مصنف کے وقت کے

نزدیک کے ہیں وہ مقابلاً درست ہیں لیکن غلطیوں اور کمیوں سے بُرا نہیں

ہیں جس کی مثالیں آپ کو اس کتاب میں کمر لائبریری کے باب میں ملیں گی۔

(۳) انگریزوں کے وقت ہند و پشت میں بنائے گئے شعروں میں بھی غلطیاں اور

خامیاں ہیں کیونکہ ایک تو وہ عموماً تو پشت تک زبانی یادداشت سے بنائے

گئے ہیں اور دوسرے ان میں صرف ان شاخوں کا ذکر ہے جن کی اولاد اس

وقت صاحب زمین تھی +

چونکہ پشتونوں کے کئی قبیلے (مثلاً افریدی) انگریزی حکومت کے تلے نہیں

آئے اس لئے ان کے شجرے بہت نامکمل رہ گئے ہیں + اور نہ ہی انگریزوں
نے قبیلوں کے آپس میں تعلق کا ذکر کیا ہے +

چونکہ کرلانڈ اور قیس کے وقت سے بعد کی بعض پشتیں بھی زمانے کے

حساب کی رو سے نامکمل ہیں (جیسا کہ قیس سے ہیبت خان کا اثر تک کی

پشتوں کا ذکر پہلے گزر چکا ہے اور کرلانڈ کے شجروں کا ذکر اس کے بعد آئیگا)

اس لئے ان شجروں کا لفظی مطلب لینے سے ہم بڑی گمراہی میں پڑ جائیگے +

مثلاً یہ کہنا بہت بڑی غلطی ہوگی کہ کرلان واقعی ایک شخص کا نام تھا

جس سے آج تک بہ مرور ۲۷ پشت یہ موجودہ بشمار کرلانڈی قبیلے

کے لوگ پیدا ہوئے کیونکہ تقریباً (۲۷ × ۳۰ =) ۸۱۰ سال میں ایک فرد کی

اس قدر اولاد کا ہونا مشاہدے اور تاریخی کوائف کی رو سے ناممکن ہے +

سیدوں کی مثال یہاں سے سامنے ہے +

اس لئے ہمیں لا محالہ یہ ماننا پڑیگا کہ کرلانڈ ایک بڑے قبیلے کا نام تھا +

اور جب ہم یہ کہتے ہیں کہ کرلان کے دو بیٹے تھے: کودے اور گے - تو اس

کا مطلب یہ لینا پڑیگا کہ کرلانڈی قبیلے کی دو بڑی شاخوں میں سے ایک

کا نام کودے تھا اور دوسری کا گے + ورنہ معاملہ چوہٹ ہو جاتا ہے +

کرلانڈ کا باب پڑھنے سے آپ کو معلوم ہو جائیگا کہ ہر دو کے شجروں

کی رو سے دونوں کا زمانہ بالکل ہی ایک ہے اسلئے قیس کی اولاد کے

بارے میں بھی یہ کہے بنا چارہ نہیں بنتا - کہ کرلانڈیوں کے زمانے میں

پشتونوں کے تین اور بڑے قبیلے بھی موجود تھے جن کے نام ہیں: سترینی،

غرغشتی اور بٹنی +

ہم اوپر کہہ چکے ہیں کہ موجودہ نامکمل شجروں کی رو سے کرلان کا زمانہ

آج سے ۸۱۰ سال پہلے یعنی (۱۳۸۹ - ۸۱۰ =) ۵۷۹ء / ۱۷۷۸ء کے حدود میں

ہوتا ہے۔ اور لامحالہ فیس کا بھی یہی زمانہ ہوتا ہے۔ لیکن جہاں تک کرلان کا تعلق ہے ہم وثوق سے کہہ سکتے ہیں کہ یہ غلط ہے کیونکہ خود غزنوی کے زمانے سے بھی پہلے کرلانٹری قبیلے کی دلازاک نامی شاخ پشاور، چچہ، ہزارہ وغیرہ میں آباد تھی۔

اب ہم یہ تو کہہ سکتے ہیں کہ دلازاک کرلانٹری قبیلے کی سب سے بڑی شاخ تھی جس کے نام پر کسی زمانے میں سب کرلانٹری لکھا رہے جاتے تھے (جیسا کہ سب قبسی سڑہی کہلاتے تھے) لیکن یہ کہنا ایک بڑی تاریخی غلطی ہوگی کہ دلازاک کرلانٹر کا سب سے بڑا بیٹا (یا پوتا) اور کرلانٹری قبیلے کا سردار تھا۔

اس ضمن میں ہمارے پاس خشکوں کے شجرے میں حسب ذیل ناقابل تردید ثبوت موجود ہے :- مروجہ شجروں میں مہندی کو بی کا بھائی لکھا ہے حالانکہ وہ نصرتی اور تترکی کا بھائی ہے جیسا کہ آپ اس کتاب میں آگے پڑھینگے۔

مہندی خوشتر یا این سے جا کر خوڑہ میں جا رہے اور نفع نقصان میں بی خیلوں کے شریک ہو گئے تھے۔ اس لئے لسانیوں نے (بہ شمول مصنف تاریخ مرصع) مہندی کو غلطی سے بی کا بھائی لکھا۔ حالانکہ مہندی ایک قبیلے کا نام ہے نہ کہ ایک فرد کا۔ اس نکتے کی توضیح ہم کو دے اور یکے کے بیان میں بھی کرتے ہیں۔

ہندوہست کے لوہے پشت سے آگے شجرہ چلانا آج بھی اور اسوقت بھی مشکل تھا۔ مثلاً آپ آگے جا کر دیکھینگے کہ نصرتی اور خورم شاخوں کی اس سے پہلے کی چند پشتوں کا پتہ نہیں چلتا۔

موجودہ کتابوں میں خشکوں کے شجرے کی اکثر غلطیاں ہم نے متنبہ جات حقیقت کی مدد سے درست کر دی ہیں۔ محض اتفاقی وغیرہ میں چھاپ شدہ اور ہندوہست کے شجروں میں تسلسل پیدا کرنے کے لئے ہم نے سابق الماکر کے آخر میں موخر الذکر کی چند ابتدائی پشتیں بڑھا دی ہیں۔

خٹکوں کے شجروں میں ہم نے لقمانؑ سے آگے پر پشت کو سلسلہ وار
شمارہ دیا ہے مثلاً لقمان کے بیٹوں کو ۲۵ اور اس کے پوتوں کو ۲۶ +
پر شجرے میں چاں کسی بڑے قبیلے کے مورث اعلیٰ کا نام آ جانا
ہے اسے مربع خطوط میں یوں ہمیں کر دیا ہے: [افغانی] + پھر قبیلوں کے
منفردانہ ذکر میں اُس سے شروع کر کے پہلے اسی قبیلے کی چند پشتیں اور
پھر اس قبیلے کے تاریخی حالات وغیرہ لکھے ہیں +

حیات افغانی کے شماروں کے مطابق تری (ولید تورمان ولد خٹک)
کا شمارہ ۷ ہے اور اس کا شجرہ ۱۶ سے آگے نہیں گیا + لیکن چونکہ خٹکوں
کے بعض اور شجروں کی آخری پشت کا شمارہ ۲۵ ہے اور اس کے ساتھ
"موجود ہے" کے الفاظ لکھے ہوئے ہیں۔ اس لئے ثابت ہوا کہ تری کی اولاد کا
شجرہ مصنف حیات افغانی کے وقت سے (۲۵-۱۶ =) ۹ پشت یعنی (۹
x ۳۰ =) ۲۷۰ سال پہلے ختم ہو گیا ہے + اور یہ اصلیت نہیں ہے + بیچ میں
منزور کچھ پشتیں لکھنے سے رہ گئی ہیں +

اسی حساب سے حیات افغانی میں ترکی (ولید تورمان ولد خٹک) اور
بولاق (ولید خٹک) کے شجرے ۷۱ سے آگے نہیں بڑھتے مصنف حیات افغانی
کے وقت سے (۲۵-۱۰ =) ۱۵ پشت یا (۱۵ x ۳۰ =) ۴۵۰ سال پہلے ختم
ہو جانے چاہئے تھے۔ لیکن ایسا نہیں ہے + کیونکہ ترکی کی اولاد کے شجرے
کی بابت ہم یقین سے کہہ سکتے ہیں کہ یہ قمر حیات خان کے وقت سے ۶
پشت یعنی تقریباً (۶ x ۳۰ =) ۱۸۰ سال پہلے ختم ہوا ہے + اس دلیل پر
کہ اس شجرے میں مندر (مندرج) کا ذکر آیا ہے + مندر پوتانے شاہی کا اور
شاہی پوتانے نمرت خان عہد کا (ملاحظہ ہو لغزیموں کا شجرہ) + اس
لئے ثابت ہوا کہ یہ شجرہ مندر ۱۹ پر ختم ہوا ہے + حیات افغانی نے
جو شجرہ دیا ہے وہ غلط اور نامکمل ہے جس کی تصدیق اس شجرے کا
ہمارے دئے ہوئے شجرے کے ساتھ مقابلہ کرنے سے ہو سکتی ہے + اور
جس کا کچھ حال آئندہ صفحوں میں بھی پڑھ لینگے +

اب جب ہم یہ دیکھتے ہیں کہ حیات افغانی میں نو ترکی کا شجرہ غا پر یعنی اس کتاب کی تصنیف کے وقت سے (۲۵-۱۰) ۱۵ پشت یا تقریباً (۳۰۸۱۵) ۵۰ سال پہلے ختم دکھائی دیتا ہے۔ لیکن فی الحقیقت (نذر کے صحیح شجرے کی رو سے جو ہم نے لہری کے شجرے میں دیا ہے) نذر کے وقت یعنی حیات افغانی کے وقت سے (۲۵-۱۹) ۶ پشت یا ۱۸۰ سال پہلے ختم ہوا ہے۔ تو اس سے یہ ثابت ہو جاتا ہے کہ حقیقت اور حیات افغانی کے شجروں میں (۵۰-۱۸۰) ۲۷۰ سال کا یعنی (۳۰-۲۷۰) ۹ پشت کا فرق ہے۔ یہ الفاظ دیگر حیات افغانی میں دیا ہوا شجرہ نو پشت کی حد تک غلط ہے۔ حیات افغانی کے شجرے کے غلط ہونے میں اسلئے شک نہیں ہے کہ نذر کو گندا کا بیٹا لکھا ہے۔ حالانکہ بروٹے مثل حقیقت موضع ٹھٹی لہری نذر گندا کا پڑ پوتا تھا۔

مثل حقیقت کا شجرہ اسلئے درست اور حیات افغانی کا غلط ہے کہ (۱) مثل حقیقت کا شجرہ گندا کی اولاد کے منہ سے اور گندا کی وفات سے سمات پشت کے اندر لکھا گیا ہے۔ اور حیات افغانی میں یہ شجرہ بنوں (یا پنجاب) میں کسی ناواقف اور جاہل گنوار کے منہ سے لکھا گیا ہے۔ کیونکہ (۲) بوگر خیل [بوگار] کو گندا کا بیٹا لکھا ہے جو قطعاً غلط ہے جیسا کہ آپ آگے بوگار کے باب میں پڑھائیے، (۳) گندا کے بیٹے جلال خان کا نام جلی خیل لکھا ہے۔ حالانکہ جلی خیل جلی کی اولاد ہیں اور جلی، جلال خان کا اسم مخفف ہے۔ (۴) جلال خان کے دوسرے بھائی شامی کا ذکر تک حیات افغانی نے نہیں کیا۔ (۵) گندا کے پڑ پوتے بشر کو گندا کا بیٹا لکھا ہے۔ (۶) بشر کے بھائی گوہر کا ذکر نہیں کیا۔ (۷) اسمعیل (ولد جلال خان کا ذکر نہیں کیا + اور (۸) بنگی ولد جلال خان کا ذکر نہیں کیا + ہمارے دئے ہوئے اور حیات افغانی کے دئے ہوئے شجروں کے مقابلے کے لئے حیات افغانی ص ۳۱۸ پر دیا ہوا شجرہ پیش ہے:-

گندا خیل

بوگر خیل جلی خیل بشر خیل نذر خیل درخان خیل

ہم نے یہ غرض اختصار مندرجہ بالا شجرے میں درخان خیل اور اس کی اولاد کے متعلق حیاتِ افغانی کی غلطیوں کو نہیں چھیڑا۔ صرف اتنا عرض کئے دیتے ہیں کہ جب حیاتِ افغانی گندا اور مندرجہ شجرے کی دو پشتیں (۱) شاہی اور (۲) لوجائی ہمضم کر گیا ہے تو ایسی اور کئی درمیانی پشتیں بھی کہا گیا ہوگا۔ جس کی تصدیق لفظی کا اور لوگ (مالیہ) کے ابواب پڑھنے سے ہو سکتی ہے۔ تاریخِ خورشید جہان نے مندرجہ بالا مثال میں حیاتِ افغانی سے بھی زیادہ غلطیاں کی ہیں۔

ان مثالوں کی وضاحت کئے ہم نے لفظیوں کا شجرہ مقابلتاً بطور دیا ہے۔

حیاتِ افغانی کے شجروں کا بڑا نقص یہ ہے کہ عموماً ہر نام کے ساتھ "خیل" یا "زئی" یا "کور" کے الفاظ بڑھائے گئے ہیں۔

نوت اللہ اور حافظ رحمت خان نے تو ہندوستان میں "شیر قند خان" نے کلاچی اور قند حیات خان نے بنوں میں بیٹھے بیٹھے پشتونوں کے شجرے لکھ ڈالے اور ہر قبیلے میں جاکر ان کا شجرہ لکھنے کی بجائے اکا دکا مسافروں سے ہی پوچھتے رہ گئے اور یوں کرتے ہوئے ان غلطیوں کا ارتکاب کیا جس کی چند مثالیں آپ اوپر پڑ چکے ہیں اور کچھ اور آئندہ صفحات میں پڑ جائیں گے۔

لیے غلط اور نامکمل شجروں کی درستی کرنے کی بجائے انگریزوں نے

شمال مغربی صوبہ سرحد کے گزشتروں اور اپنی دیگر تصنیفات میں دھڑلے

سے لکھ دیا کہ پشتونوں کے شجرے افسانوی ہیں۔ لیکن یہ نہیں دیکھا کہ

ان شجروں کے لکھنے والے کون تھے اور انہوں نے یہ کیسے لکھے۔ نہ یہ دیکھا

کہ زبانی یادداشت کی بناء پر اتنے زمانے کی پشتیں گنتے وقت ایک آدمی سے

کتنی فروگزاشت ہو سکتی ہیں۔ حالانکہ ہم دیکھتے ہیں کہ لوگوں کو عموماً

اپنے پردادے کا نام بھی یاد نہیں ہوتا۔ خود انگریز آج تک تو اپنا شجرہ

بھی نہ لکھ سکے اور خود کو بنی اسرائیل ثابت کرنے کی حسرت میں رہ گئے۔

(جیسا کہ ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں) اور انجیل مقدس میں بھی پشتوں کی غلطی کی

ایک مثال آپ سلیمان کے پشوں کے متعلق آگے پڑھ چکے ہیں +
 حاصل کلام یہ کہ یہ شجرے افسانوی نہیں ہیں۔ لیکن چونکہ بہت بعد
 میں زبانی یادداشت سے لکھے گئے ہیں اس لئے بڑے اور مشہور ناموں کے علاوہ
 بعض آدمیوں سے اتر گئے ہونگے۔ اور چونکہ نہ تو ان کے لکھے وقت متعدد
 لوگوں سے مدد لی گئی نہ بعد میں اپنی درست یا مکمل کرنے کی کوشش کی گئی
 ہے اس لئے ان میں غلطیاں بھی رہ گئی ہیں اور غامبیاں بھی۔ اور اب
 یہ ہمارا کام ہے کہ تحقیق اور تدقیق کے ذریعے جہاں تک ہو سکے انہیں
 درست اور مکمل بنائیں جیسا کہ ہم نے زیر نظر کتاب میں بعض شجروں مثلاً
 لفرنی اور مہندی وغیرہ کے شجروں میں کیا ہے +

شجروں کے لکھنے میں سب سے زیادہ ظلم غالباً اللہ بخش یوسفی نے
 کیا ہے جو "تاریخ افریدی" میں ص ۱۱۸ پر لکھتا ہے: "ذیل میں ہم شجرے
 کی ترتیب کی کوشش کا آخری نقشہ پیش کرتے ہیں جو ہمارے خیال میں
 باقی تمام راجہ الوقت شجروں سے زیادہ مکمل خیال کیا جاسکتا ہے +"
 یوسفی صاحب کو شجروں کا لکھنا محض ایک شخصی کوشش دکھائی دیتی
 ہے جس کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں + اور وہ شجروں کے مکمل پن کا اندازہ
 محض اپنے خیال اور قیاس سے لگاتا ہے اور تاریخی واقعات اور نساہوں
 کی تحریرات کو بیخ سمجھتا ہے +

تاریخ نویسی اور شجرہ نویسی سے محض نابالغ ایک غیر پختہ صحافی
 سے اس کے علاوہ ہم رکھ ہی کوئی توقع سکتے ہیں ۹
 مجھے افسوس ہے لکھنا پڑتا ہے کہ یوسفی صاحب کے بنائے ہوئے شجرے
 (جو محض اس کے اپنے خیال اور قیاس پر مبنی ہیں) نہایت ہی غلط ہیں۔
 جس کا ایک بڑا ثبوت ہر شجرے میں تبیخ تکرار کا ہے + مثلاً شیرانی کے
 شجرے میں (جو تاریخ افریدی کے ص ۱۲۴ پر دیا گیا ہے) شیرانی نام کی تکرار
 کو دیکھئے کہ بیٹا، باپ اور دادا تینوں ایک ہی نام رکھتے ہیں وہ شجرہ یہ ہے :-

شیرانی

شیرانی، مختیار، اشترانی

شیرانی

یوسفی نے اپنے خیال، قیاس اور کوشش کی بناء پر قیس کی اولاد کا جو شجرہ بنایا ہے وہ سراسر غلط اور اتنا پیہودہ اور بے ترتیب ہے کہ ہم اس پر اپنا وقت ضائع نہیں کرنا چاہتے۔ لیکن جہاں تک کمرلانٹریوں کے شجرے کا تعلق ہے اس کا حال یوسفی صاحب کے مندرجہ ذیل اور ہماری کتاب میں کمرلانٹریوں کے دسے سوٹے شجرے کے مقابلے کے بعد معلوم ہو جائیگا۔

قیس عبدالرشید

شیرانی	کاکڑ	کمرلانٹری	بنگش	کودے
شیرانی	کاکڑ	کمرلانٹری	بنگش	کودے
شیرانی	کاکڑ	کمرلانٹری	بنگش	کودے
شیرانی	کاکڑ	کمرلانٹری	بنگش	کودے
شیرانی	کاکڑ	کمرلانٹری	بنگش	کودے
شیرانی	کاکڑ	کمرلانٹری	بنگش	کودے
شیرانی	کاکڑ	کمرلانٹری	بنگش	کودے
شیرانی	کاکڑ	کمرلانٹری	بنگش	کودے
شیرانی	کاکڑ	کمرلانٹری	بنگش	کودے
شیرانی	کاکڑ	کمرلانٹری	بنگش	کودے

خٹکوں کے متعلق یوسفی کی معلومات کا ایک نمونہ سماعت فرمائیے۔
 بولاق خٹک قوم کا ایک بڑا قبیلہ ہے جو کوناٹ کے علاوہ تحصیل توبہ
 میں ایک وسیع رقبہ پر بھی قابض ہے جو ان کے نام پر بولاق نامہ پکارتا
 ہے جس کے بعض گھاؤں ابا سندھ کے دائیں اور بعض بائیں کنارے واقع
 ہیں۔ جن کی زمینیں پھالی ہیں اور جن میں خٹکوں کے علاوہ چند یوسفی
 اور اوان بھی رہتے ہیں۔

مندرجہ بالا شجرے میں بولاق کا نام غلط (بولاتی) لکھنے کے علاوہ
 بولاق نامے کے ذکر میں یوسفی اپنی کتاب ”یوسفی“ کے ص ۱۲۰ حاشیہ
 میں (پیر ایں غلط) لکھتے ہیں کہ پیر ایں غلط پیر ایں غلط اور پیر ایں غلط
 کے بڑھنے کے خٹکوں کی بہت سی اپنی قسم کھاتی ہوئی پالیسی کی رو میں

یہ زیریں اور گمراہ کن یادداشت لکھی گئی ہے: "نہیں کہا جاسکتا کہ بولاق کن معنوں میں استعمال ہوا۔ خیال کیا جاتا ہے کہ "بلادے" کی بگڑی ہوئی صورت ہے + اور اگر بولاق کو پشتو زبان میں ناک کے زیور کے معنی میں لیا جائے تو ہو سکتا ہے کہ طاقتور پارٹی نے کمزور پارٹی کو طنزاً کہا ہو کہ خطک ان کی ناک کا زیور ہیں۔ اور بعد میں چل کر اس لفظ کا استعمال شروع ہو گیا ہو + مگر

یہ تو حالت رہی اس یوسفی کی جس کی عمر پشتونوں میں پشاور میں بولاق نامے سے چند مہلوں پر بنتی۔ اور جس نے پشتون قبائل کی تاریخ لکھنے کا بیڑا اٹھایا تھا لیکن اب دو کتابیں لکھ کر چھوڑ دی ہے + اس نے جس قیاسی اور خیالی اجتہاد کے ساتھ یوسفزیوں اور افریدیوں کی تاریخ لکھی ہے اور ان میں جو جو گل افشائیاں کی ہیں ان کا کچھ اندازہ تو قارئین کو لگ گیا ہوگا۔ لیکن ان کی تحقیق اور درستی افریدیوں یا یوسفزیوں کا کام ہے + ہمارے لئے تو یہی غلطیاں کافی ہیں جو ہم اس کتاب میں کرینگے +

تختگش

تاریخ سے ثابت ہے کہ ایران کی ہخامنشی حکومت پہلی حکومت ہے جس نے پشتونخوا پر حکومت کی + اس حکومت کے دوسرے بادشاہ دارا نے پشتونخوا کے علاوہ پنجاب پر بھی حکومت کی تھی +
دارا نے پتھر کی پھوار کی ہوئی تختیوں پر کتبے لکھے ہیں جن میں اپنی حکومت کے علاقوں کا ذکر بھی کیا ہے جن میں سے ایک کا نام تختگش ہے جو ایرانی فارسی کا لفظ ہے +

اکثریت کی رائے یہ ہے کہ تختگش کے رہنے والے یہی آج کے خٹک تھے۔ یہ علاقہ ہخامنشی سلطنت (۵۵۰ - ۳۳۱ ق م) کے مشرقی حصے میں تھا کیونکہ اس کا ذکر اراجوسپہ (قندھار) اور گندھارا (پشاور وادی) کے ساتھ آیا ہے + گریٹمن (ایران ص ۱۴۳) لکھتا ہے کہ اس علاقے کا اہل وقوع دریائے سندھ کے مغرب کو اور گندھارا کے جنوب کو ہے۔ یعنی کم و بیش کوئٹہ، بنوں، قبلی ڈیرہ جات اور وزیرستان کے موجودہ علاقے میں + اس علاقے کے بڑے بڑے خطوں میں خٹک اب بھی آباد ہیں + خٹکوں کی روایت بھی ان کا ایک رملے میں وادی ٹوچی کے ایک حصہ پر آباد ہونا بیان کرتی ہے +

بعض خٹک شیتک (ہنچی اور ڈوڑ) کے ساتھ اکٹھے رہتے چلے گئے ہیں + روایت ان دونوں کی اہلی جلتے سکونت سوال بتلاتی ہے جہاں سے ان پر دو لے کوچ کیا ہے + خٹکوں کا کچھ عرصہ تک بنوں کے اکناف میں رہ چرائی اور قلعے کا حال آپ اس کتاب میں 'خٹک اور بنوں' کے باب میں پڑھ لیں گے +

۱۵۵۰ء میں بابر بادشاہ نے بنوں کے علاقے میں خٹکوں اور شیتکوں کو کوئی (کرڑائی، کرلاٹری) کے مجموعی نام سے یاد کیا ہے۔ حالانکہ اس علاقے کے دیگر کرلاٹری قبائل مثلاً وزیروں اور بنگشوں کو ان کے اپنے اپنے ناموں سے یاد کیا ہے +

آپ اس کتاب میں لقمان المعروف خٹک کے باب میں لقمان کے متعلق
 ”یہ خٹو کشتے لاڑ“ (یکپڑ میں دھنس گیا) کے الفاظ پڑھینگے + کیروئے (جیسی کہ
 اس کی عادت ہے کہ ناموں کی ادنیٰ مشابہت کو تاریخی ثبوت ٹھراتا ہے
 جیسا کہ ’یوسفزی‘ اور ’اسپاسی‘ کی مثال آپ پہلے مطالعہ فرما چکے ہیں) ”یہ
 خٹو کشتے لاڑ“ اور خٹگش کی منطقت میں لکھنا ہے (ص ۱۰۸ حاشیہ ۱۸) :
 ”یہ قوی نام ’خٹک‘، ’خٹہ کشتے‘ سے نکلا ہے + دیکھا جائیگا کہ ان لفظوں میں
 دوسرا [یعنی] کشتے پھانسی کے خٹگش کا ’ش‘ محفوظ رکھتا ہے + اگر ’خٹہ‘
 کی ’خ‘ میں لسانی تبدیلی ممکن ہو تو یہ الفاظ ایک ہیں +“ کیروئے یہاں
 بھی پٹی کیا ٹی ہے + گویا خٹک کا مصد ”خٹگشتے“ ہے !
 ”لقمان یہ خٹہ کشتے لاڑ“ پر مفصل بحث آگے پڑے گی +



ستاگیدی

اس نام کا تلفظ سناگوداٹی بھی کرتے ہیں + یونانی مورخ پردوت (ہیروڈوٹس، حدود ۴۸۶ - ۴۲۶ ق م) اپنی کتاب ۳: ۹۱ میں تھنگش کی جگہ سناگوداٹی کا لفظ استعمال کرتا ہے اور پنخامنشی بادشاہ دارا کے مہلوں کے بیان میں لکھتا ہے: "سناگوداٹی [خٹک] گنداریا [گنداریا] دادیکاٹی اور اپروتاٹی [اپریڈی، افریدی] سب اکٹھے گئے جا کر ۱۰ ٹیلینٹ ادا کرتے تھے + یہ ساتواں صوبہ تھا۔"

"سناگوداٹی" پرانی فارسی زبان کے لفظ "تھنگش" کی ہر حرف یونانی صورت پے + یہ لفظ دو کلموں سے مرکب ہے: سنا = ۱۰۰ اور گوداٹی = غیالوں (ہیلوں) کا مالک + پس اس کے معنی ہوتے: سو ہیلوں کا مالک، یعنی بہت مالدار۔ کیونکہ اس زمانے میں لوگوں کی دولت مال مویشی میں گنتی جاتی تھی + اس لقب سے معلوم ہوتا ہے کہ خٹک اس زمانے میں بھی بہت ہی مالدار اور طاقتور قوم تھی + اور آج بھی خٹک جس علاقے پر قابض ہیں وہ (دیگر علاقوں میں نہیں پھودی جانے سے پہلے) تھوڑی مشقت سے غلہ پیدا کرنے اور مال چرائی کے لئے بہترین علاقے تھے + اور مکہڈ سے لیکر شمولی خٹک تک اور عباسی سے لے کر باٹی زئی تک ان کے موجودہ لیے اور چوڑے علاقے اور ان کی موجودہ تعداد سے ان کی اہمیت اور عظمت کا اندازہ لگ سکتا ہے + [اکوڑہ کے پاس ٹیوب ویلوں کی کھدائی شروع ہے اور خٹکوں کے دیگر علاقوں میں بھی اگر آب پاشی کا بندوبست ہو جائے تو علاقہ تو پر خٹک کے پاس ہے یہ قوم پھر عظمت حاصل کر لیگی + سندھ سے نہر لا کر علاقہ پارک خٹک، قمل اور شمالی سروت کو سیراب کیا جاسکتا ہے + علاقہ قمل میں باب ویلی نکلنے کی بھی قوی امید ہے۔ نہ جانے ابھی اس طرف توجہ کیوں نہیں دی گئی +]

پردوت نے تھنگش کی بجائے سناگوداٹی لکھا ہے۔ اور اسی طرح پنخامنشی

صوبے دریگیا کا نام بدل کر سترلگائی لکھ دیا ہے۔ اگر 'د' 'س' میں بدل سکتا ہے تو 'تھ' بھی یقیناً 'س' [ستائیدی] میں بدل سکتا ہے +
 ہر دوت نے لکھا ہے کہ اس وقت پشتونوں کے مذکرہ بالا چار صوبوں کے بادشاہ کا نام آرہنت تھا + دادلیکان خٹکوں کے جنوب میں رہتے تھے +
 خٹکوں کا ملک ایک طرف سے گذاریوں کے ملک سے ملحق تھا +
 ستائیدیوں کا ذکر بطیموس نے بھی اپنی کتاب میں کیا ہے اور عیلام اور بابل کے مورخوں نے بھی۔ اور انہیں ستائگوٹی اور دست گو سو کے ناموں سے یاد کیا ہے +

ستائیدی اراکوڑی کے لوگوں سے بھی ملتے تھے۔ اور فرانسیسی محقق ایندریو بارتھولمائیہ کہ ستائیدی پاروپائیز اور پیرمند کے شمالی حصہ اور اس جگہ میں رہتے تھے جسے اب غزنی کہتے ہیں +

راولسن کہتا ہے کہ ایک ایسی اونچی جگہ پر بستے تھے جس کی چوڑائی ایک طرف کو پرات سے کابل تک اور دوسری سمت کو سرپل سے پیرمند کے کناروں تک تھی + یعنی کہ آریانا کے مرکزی پیداشی علاقوں اور کویتانوں میں ان کی بود و باش تھی +

یہ لوگ کھال کے کپڑے پہنتے تھے اور اپنے جسموں کا بالائی حصہ اور اپنے ران اکثر ننگے چھوٹے تھے۔ سپدھی کوٹاہ تلواریں اور تیرکمان پھرتے تھے +
 تلواہیں میانوں میں رکھتے تھے اور میانوں کا قسمہ کندھے میں ڈالتے تھے +

بیلیو (دی ویسٹ آف افغانستان ص ۸۵ اور ۹۰) کہتا ہے کہ یہ ستائیدی "خٹک" ہیں + خٹکوں کی زبان اوستا سے ملتی جاتی ہے۔ اور "پشتو" میں "خٹک" کا تلفظ "شٹک" ہو سکتا ہے + اور پہل دکھائی دیتا ہے کہ پہلے "خٹک" کا تلفظ "شٹک" ہوتا تھا۔ لیکن چونکہ اوستا میں شٹ کا حرف نہیں ہے اس لئے وہ اس لفظ کا تلفظ "خٹک" کرتے تھے +

راولسن نے پہلیو کے استدلال پر اعتراض کیا ہے +
 کیر (ص ۳۸) دونوں سے دوسری طرف بہک گیا ہے + نرم لہجے یعنی

پشتو میں بنش کا ش میں بدلنا مانع ہوئے وہ ص ۳۸-۳۹ پر لکھتا ہے
 ”خٹک ہرگز اپنے آپ کو شٹک نہیں کہتے“ اس کے بعد لکھتا ہے (ص ۳۹):
 ”راورٹی اور پیلو بھول گئے تھے۔ یا بالکل نہیں جانتے تھے.... شینٹک
 کی بابت“

یہ تگڑم بازی ہمیں کسی نتیجے پر نہیں پہنچا سکتی + اگر بنش پشتو
 میں پہلے سے رائج ہو تو شٹک کا تلفظ شٹک بھی ہو سکتا ہے اور
 خٹک بھی۔ اور خٹکوں کا خٹک تلفظ قبول کرنا ممکن ہے۔ لیکن اگر بنش
 کو پشتو زبان میں خان نے متعارف کیا ہو تو متفکرہ بالا تینوں انگریزیوں
 کی لغاتی دھری کی دھری رہ جاتی ہے +
 خٹکوں کی قدیمی زبان کا پتہ لگانے کے لئے ان کے ملک کے سب
 پہاڑوں، نالوں اور شہروں وغیرہ کی وجہ تسمیہ معلوم کرنی پڑیگی۔
 جس کے لئے خٹکوں کی نقل اور حرکت کی مکمل تاریخ اور ان کے مسکن
 کے جغرافیہ کا علم ضروری ہے +



کرلان

ہندی کے اثر کے نیچے پشتونوں کی یہ قومی خصوصیت بن گئی ہے کہ بعض الفاظ میں 'ن' کسی جگہ ناک میں 'نٹ' کی آواز نکالتے ہیں۔ مثلاً خدران کی جگہ خدرانٹ اور نوحانی کی جگہ نوحانٹری بولتے ہیں + اسی لئے کرلان کی جگہ کرلانٹری بولتے ہیں +

کرلان کو لوگوں نے اور کئی طرح بھی لکھا ہے + مثلاً بابر وغیرہ نے کران، بعض فارسی بالوں مثلاً نعمت اللہ نے کرران لکھا ہے جسے ہم نانی میں 'ن' کا حرف نہ ہونے کی وجہ سے کرران بھی پڑھ سکتے ہیں + حیات افغانی نے یہ نام کرران لکھا ہے جو کہ غلط ہے + گزنیئر ہیراولشل سپرنٹر ۱۹۷۹ء کا کٹالے 'پاکستان' لکھنا گزنیئر کے متعدد مولفین کی کم غلطی پر دال ہے + ایلفنسٹن (جلد ۱ ص ۲۱۰) نے 'کرلے' مالبسن نے تاج افغانستان میں 'کرلہ' اور کیرد (ص ۲۰) نے 'کرلانٹریا کرلانٹری' لکھا ہے۔ کیرو آدمی اور قبیلے کے ناموں میں فرق نہ کر سکا! مجمع الانساب مصنفہ میاں خد نور میں یہ شاگوفہ کھلایا گیا ہے کہ 'کرلانٹریا' اصل نام 'ورختہ' تھا۔ اور اسے ایک بوڑھے مسلمان نے (جس کا نام وریردی تھا اور رسول اللہ کے زمانے میں گزرا تھا) تربیت دی تھی +

کرلان کی وجہ تسمیہ کی یا مت بھی یاروں نے خوب گپیں مانگی ہیں

جن میں سے بعض یہ ہیں :-

۱، مخزن افغانی (حاشیہ ص ۱۲۹ - ۱۳۰) میں لکھا ہے: "کہتے ہیں کہ ارشر قبیلے کے دو آدمی باہر کھیتوں کو گئے تھے + وہ ایک ایسی جگہ پہنچے جہاں رات ایک قافلے نے پراڈ اور صبح کو وہاں سے کوٹ کیا تھا + ایک کو وہاں سے ایک تیر اور دوسرے کو ایک رات کا نوزائیدہ بچہ ملا + تیر کا ہلنے والا بچہ اولاد تھا اور وہ دوسرا نادر تھا + کہونکہ دونوں ایک ہی قبیلے کے اور رشتہ دار تھے ایک نے دوسرے سے کہا: یہ تیر بچے سے لے لو

اس سے ترا کچھ دن گزارا چل جائیگا اور یہ بالک مجھے دے دو چنانچہ ایسا ہی کیا کہ چونکہ اسے کی تبر کو پشتو میں کوری کہتے ہیں۔ اس وجہ سے اس شخص نے اس نثر کے کا نام کیرانی (یا کیرانی) رکھا۔ اور اسے اپنا بیٹا بنایا۔ اور اپنی نثر کی اس سے بیاہ دی جس سے اس کی اولاد بڑھ گئی۔“

خلاصہ اللہساب میں لکھا ہے کہ اپنی کھاری کو پشتو میں کوری کہتے ہیں۔ لیکن یہ سرور نہان یہ لفظ کیرانی یا کیرانی میں بدل گیا جس سے کیرانی یا کیرانی نام نکلا ہے۔

راوڑی (لوئس) پشتو زبان کے قواعد سے عدم واقفیت کی وجہ سے لفظ کیرانی کی بجائے لہستانی کو نہ سمجھ پایا اور لکھ گیا کہ اس نثر کے کو کیرانی کہتے تھے۔ یہ غلطی کیونکہ بھی کی ہے اور (ص ۲۱ پر) کیرانی اولاد کے شجر سے ہیں کیرانی کے بجائے کیرانی لکھ گیا ہے۔

چونکہ پشتو کے کسی ایسے میں بھی مذہب کی کاپاری کو کیرانی کے کسی نام کی طرح نہیں پکارتے اس لئے بعض لوگوں نے تبر کی بجائے کڑا ہی کہنے سے اس طفلک کا پایا جانا لکھ دیا۔ چنانچہ تاریخ مروج میں لکھا ہے: ”خان علی بن مکان سے نقل کرتا ہے کہ اس نے بیاض میں اپنے دستخط سے لکھا تھا..... پشتون دیگ کو کوری کہتے ہیں۔ وہ بہ سبب اس کوری کے سبلی بہ کیرانی ہوا۔“

حیات افغانی اور اس کی نقل میں حیات نودی میں لکھا ہے کہ ”کیرانی کو پشتو میں کیری کہتے ہیں۔“ دو لفظوں نے غلط لکھا ہے۔ البتہ بنوں کے ایسے میں کیرانی کے لفظ کے بڑے اپنی برتن کو کیرانی کہتے ہیں، غم حیات خان چار سال تک بنوں میں رہنے کے باوجود کیری لکھ گیا، کیرو پشتو نہ جاننے کی وجہ سے ”تیر“ اور ”برتن“ میں شبہا گیا اور لکھا ہے کہ ”تیر“ کے تیر یا برتن کہنے پشتو میں کیرانی کی طرح کا کچھ لفظ ہے۔“

ملاحظہ ہو ص ۲۲

لیکن ان سب سے اچھا مصنف حالات کو ماث ہی رہا جس نے کیرانی نام

کے ساتھ مشابہت کیلئے 'لوہے کی کڑاھی یا کمریٹر [کمریڑہ] کا درخت لکھ دیا ہے۔ اُس سے پہلے کمریڑ کی طرف کسی کا دماغ نہیں پہنچا تھا! کمریٹر کو بانے والے کو کسی نے ارثر، کسی نے ارثر قبیلے کا ایک آدمی اور کسی نے اس کا نام زکریا اور اس کے بھائی کا نام عبداللہ لکھا ہے + ان میں سے اکثر روایتیں روارٹی نے اپنے نوٹس ... ص ۳۸۱-۳۸۲ میں نقل کی ہیں۔

تاریخ مرصع میں لکھا ہے کہ یہ نژادین پچہ ارثر کے بھائی ہونی سے رات کو وہاں رہ گیا تھا جسے صبح کو ارثر ڈھونڈ لایا تھا + غرضیکہ جتنے منہ اتنی ہی باتیں + لیکن بات تو صرف اتنی سے تھی کہ ہمارے لسانیوں کو ہر قبیلے کے نام کی وجہ نسب لکھنے کی مرضی لاحق ہے۔ مثلاً لکھا ہے (۱) ارثر کے باپ کی دو بیویوں میں سے ارثر کی ماں لومار کی بیٹی تھی۔ اس کی سوت اسے ہر وقت طعنہ دیا کرتی تھی کہ اور مٹرشہ [آگ بجھ گئی]۔ اس نے اس کے بیٹے کا نام اور مٹرشہ گما + (۲) افریدی کے باپ کے ہاں کچھ مہمان آئے تھے + مہمان کے پاس اس کے باقی لڑکے بھی بیٹھے تھے + جب افریدہ بھی آن پہنچا تو اس کے گھنے سر اور بری شکل کو دیکھ کر مہمانوں نے بدچما کہ یہ کن ہے؟ مہمان بولا 'دہم افریدہ دخلٹے دہ' (یہ بھی خدا کا افریدہ یعنی پیدا کیا ہوا ہے) اسلئے اس لڑکے کا نام افریدہ پڑ گیا۔ جو بگڑ کر افریدی ہو گیا (۳) ایک آدمی ایک گدھے پر ایک طرف روٹہ (جو کی روٹی) اور دوسری طرف ایک لڑکا بٹھلائے ہو جا رہا تھا۔ خر اور روٹہ کی وجہ سے اس لڑکے کا نام خروٹہ پڑ گیا + وغیرہ وغیرہ +

کلیاٹی، نانڈی، کمریڑی اور کمریڑ وغیرہ کی کہانیاں بھی محض کمرلان کے لئے ایک وجہ نسب پیدا کرنے کے لئے لکھی گئی ہیں +

اب ان میں سے چند روایتوں کی نامتوویت پر غور فرمائیے :-

۱، ان بیانات کی اساس خود ساختہ روایتوں پر ہے جن کے لئے

داہلوں کی ذہنی زیرگیری کے علاوہ کوئی سند نہیں ہے + (۲) اس بات کا کوئی ذکر نہیں ہے کہ وہ لشکر کس کا، کس زمانے میں اور کہاں سے کہاں جا رہا تھا، (۳) یہ بات بھونڈی ہے کہ ایک سالم لشکر سے بوقت کوچ تھرہہما ایک ضروری ہتھیار اور ایک نوزائیدہ بچہ تو پیچھے رہ جائیں اور ان کے علاوہ ایک سوئی قدر بھی باقی نہ رہے + (۴) کس قسم کا لشکر ہوگا جو حاملہ عورتیں بھی ساتھ ساتھ لے پھرتا تھا جو منزل بہ منزل بچے جنتی جاتی تھیں (۵) یہ کس قسم کی ماں تھی یا کس قسم کا لشکر تھا جو ایک خوفزدہ کو چھوڑ گئے تھے۔ جب کہ پہلے زمانے میں لڑکوں کی بہت قدر تھی اور لوگ پرانے لڑکوں کو بھی متنبی بتاتے تھے + (۶) یہ لڑکا کیوں کروں رہ گیا تھا جب کہ وہ لشکر اچانک بھاگنے پر مجبور بھی نہ ہوا + (۷) اور (۸) یہ لڑکا کس قسم کی خواب آور گولیاں کھا کر سویا تھا جو رات بھر میں ایک مرتبہ بھی نہ رویا +

اس وجہ کو قدرتی رنگ جسنے کئے لوگوں نے اس میں عجیب عجیب تیروقت کئے ہیں + مثلاً (۱) کوئی قبیلہ بلاق سے قشلاق کی طرف جا رہا تھا۔ (۲) ایک دن انہیں بچے کے وقت اچانک کوچ کرنا پڑا + (۳) یہ لڑکا ایک بڑے بھنی برتن کے نیچے پڑا ہوا ملا + وغیرہ +

الغرض لشکر کے پڑاؤ یا کسی قبیلے کے کوچ کے جتنے قصے لکھے گئے ہیں وہ پشتونوں کے کسی لشکر یا قبیلے کے متعلق تو ہو نہیں سکتے کیوں کہ پشتون معاشرے میں تو ایسے واقعات ناممکن ہیں +

اب اس لڑکے کے نام پر ذرہ غور فرمائیے + اگر اس کو پالنے والا ارٹریا ارٹریلے کا کوئی آدمی ہوتا تو لڑکے کا نام ارٹری زبان میں اور کوئی ایسا لفظ نہ ہوتا جو ارٹریا یا نانڈی کے لئے بولتے ہیں + اگر جواب مثبت میں ہے تو اس لڑکے پر پشتو میں تریا نانڈی کا نام چکانا محض لکھنے والوں کی نادانی ظاہر کرتا ہے۔ اور پھر جو کچھ لکھنا چاہتے تھے اس سے بھی عہدہ برآ نہ ہو سکے کیونکہ مخزن افغانی وغیرہ کے

مصنف پشتونوں سے ہندوستان میں رہنے کی وجہ سے پشتونوں کو بھول چکے تھے +
چور کے لئے سمجھو کے لفظ کی مثال تو آپ پڑھ ہی چکے ہیں +
ایک آخری دلیل اور سن لیجئے :- اگر کرلان کو کوئی ارش پاتا اور اس
کی شادی اپنی لڑکی سے کرتا تو پرانے پشتوروں کے متعلق اس کی اولاد ارثر
کہلاتی نہ کہ کرلانٹری +

اغیار نے تو کرلانٹری کی وجہ تسمیہ کی بابت جو جو جنفگیات لکھی ہیں وہ
تو آپ پڑھ چکے اب ہمیں اس کی نسل کی بابت کچھ عرض کرنا ہے + اور
تو کرلانٹری کو ارثر کا متبی بنانے کی کوشش کرتے ہیں (جس پر مفصل بحث
آپ آگے سن لینگے لیکن خان دستار نامہ (ص ۷۷) میں لکھتا ہے :-
"کرلانٹریوں کا لڑکا ہے + پالا ارثر نے ہے + پشتونوں میں اس کا گند
[فرقہ] شربی ہے + سب پشتون شریکوں اور خرشبوں کی اولاد ہیں +"
آپ آگے جا کر پڑھ لینگے کہ ارثر کا کرلان کو پالنا تاریخ کی رو سے ناممکن ہے +
اس کی گند پر ہم بعد میں تاریخ مرصع کے ذکر میں لکھینگے + یہاں صرف
اتنا عرض کئے دینا کافی ہے کہ خان کا سب پشتونوں کو شربن کے پٹوں
شرعیوں اور خرشبوں کی اولاد لکھنا غلط ہے + لیکن چونکہ دستار نامہ قید
کی حالت میں اور زبانی یادداشت سے وطن سے کلمے کو سوں دور بیٹھ کر لکھا
گیا تھا اس لئے اس کی غلطیوں پر سر نہیں دیکھنا چاہئے + لیکن
محمد افضل خان نے تاریخ مرصع میں خان کی لکھی ہوئی بیاض سے جو نقل
کی ہے اس میں ہوئی کو ارثر کا بھائی اور شریکوں کی اولاد میں سے اور
شربن کی اولاد میں داخل لکھا ہے +
ممکن ہے ہوئی کرلانٹری کا باپ اور ارثر کا بھائی ہو + لیکن شربن کی
اولاد کے شجروں میں ہوئی کا نام نہیں ملتا + دو شجرے مثلاً پیش ہیں :-
(۱) [مخزن افغانی] :- شربن

شریبوں خرشبوں

شیرانی ترین میانہ شریخ ارثر گند جہند کاسی
عمرین

شریفیوں گندہ شہید کاسی

شیرانی ترین بہانہ بلوچ مریدین
ارمٹ

محزن افغانی کے شہر کے مطابق جب ارمٹ کا اپنا لڑکا مریدین موجود تھا تو اس کا کرلانٹری کو بیٹا بنانا عین یہودیہ ڈھکوسلا ہو کر رہ جاتا ہے + علاوہ ازیں آج تو کرلانٹری اور سٹریٹ کا فرق مٹ گیا ہے اور ایلفیٹن کے وقت میں بھی نہ تھا جیسا کہ اس نے خود لکھا ہے ۔ لیکن آج سے تقریباً ساڑھے تین سو سال پہلے موجود تھا + ارزانی، میرزا الفزاری، خان، اور عبدالرحمن نے اپنے اپنے اشعار میں ہر دو فرقوں کو جدا جدا ناموں سے یاد کیا ہے :-

۱۔ سل سٹریٹ د تر دا یوہ غزل جانی - بن چہ دا پشتوہ کرلانٹری خوشحال و پیلیہ +
۲۔ بو خوشحال یو کم سل ٹک نور بہ طبیعت کے - نار شہ درجن سٹریٹ نہ یوہ فرد +
[رحمن کا یہ شعر ممکن ہے الحاقی ہو۔ کیونکہ اس کا میچ دیوان ابھی نہیں چھپا ہوا]
لیکن اگر ارزانی وغیرہ نے یہ باتیں اپنی نانیوں وغیرہ سے سنی ہوں تو یہ فرق تقریباً ساڑھے چار سو سال تک پہنچ جاتا ہے جو بابر بادشاہ کا زمانہ ہے اور جس وقت کرلانٹریوں (دلازا کون) اور سٹریٹوں کی لڑائیاں جون پر تھیں +

کرلانٹریوں اور سٹریٹوں کی گذشتہ جنگوں کی کدورت آج بھی کچھ کچھ بعض دلوں میں باقی ہے اور آج کل قلم سے تلوار کے کام کا اپنا اس بات کی تائید کرتا ہے کہ کرلانٹری اور سٹریٹ بہت عرصے سے متحد ہو کر نہیں رہے تھے + خان کا مندرجہ ذیل شعر بھی قابل ملاحظہ ہے :-

کرلانٹری سٹریٹ خوشنشانہ دی - زج دنگ یہ کارلہ واڑو مشترک ہم +
اور خان کے مندرجہ ذیل شعر میں کرلانٹری کا مطلب جنگ اور ہنگامہ کے علاوہ دیگر کرلانٹری قبائل ہیں :-
د خوشحال اختیار تر واڑہ ہنگامہ تیر دے
چہ کہ ننگہ د جنگ د کرلانٹری کہہ +

اب کرلان کی نسب کے بابت سنئے :-

تاریخ مرصع میں خان کے حوالے سے لکھا ہے کہ کرلان نری قوم کا سب سے بڑا قبیلہ اپنے آپ کو حبیبی سید کہتا ہے اور اپنا شہرہ یوں بیان کرتا ہے: کرلان ولد سید قاف ولد سید رجال ولد سید خاتم ولد سید امام اسماعیل ولد سید امام جعفر صادق ولد سید امام محمد باقر ولد امام سید زین العابدین علی اصغر ولد سید امام حسین ولد حضرت علیؑ

لیکن زیارت کا کا صاحب کے کا کا خیلوں کے شجرے کی طرح یہ شہرہ بھی غلط ہے۔ کیونکہ اس میں ایک جگہ کرلان سے امام اسماعیل تک چار اولاد دوسری جگہ سات پشتیں ہیں۔ اور کرلان سے آج تک ۲۷ پشتیں گزری ہیں۔ یعنی دلازا کول کے شجرے میں امام اسماعیل سے آج تک صرف ۳۱ یا ۳۲ پشتیں بنتی ہیں۔ حالانکہ اسماعیلی فرقہ کے موجودہ امام آخہ خان چہام کی امام اسماعیل سے اڑھتالیسویں پشت چلتی ہے + اور امام صاحب کے چھوٹے بھائی امام موسیٰ کاظمؑ سے بھی آج تک بخاری سیدوں کی ۴۲ کے تک بھگ پشتیں گزر چکی ہیں۔

دلازا کول کے شجرے میں (۴۸ - ۳۴ =) ۱۴ شجروں کی کمی ان کے شجرے کی غلطی کی دلیل ہے۔ کیونکہ اگر ایک پشت ۳۰ سال کی لی جاوے تو کہ عام حساب سے) تو دلازا کول کے شجرے میں (۳۰ x ۱۴ =) ۴۲۰ سال کا فرق آتا ہے جسکی منطقیانہ توضیح ناممکنات میں سے ہے +

اب جب دلازا ک سید نہیں ہو سکتے اور کا کا خیل بھی ختم ثابت ہو چکے ہیں تو خطا کول کے سید ہونے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ پہلیو وغیرہ لکھتے ہیں کہ دلازا ک محمود غزنوی کے عہد میں مسلمان ہوئے تھے۔

(اور تاریخ لودی ص ۳۳۲) میں بھی لکھا ہے کہ سلطان محمود کا سومات پر حملہ کرنے وقت دلازا کول کا ایک بڑا گروہ بھی ملک بجا کی سرداری میں محمود کے ہمراہ تھا +

امام اسماعیلؑ کی معلوم اولاد میں خاتم، رجال اور قاف کا ذکر نہیں ملتا

جنہیں دلازاک کرلان کے اجداد سمجھے ہیں، اسماعیلی فرقہ کا پہلا خلیفہ ابو قاسم محمد بن عبداللہ تھا جس نے ۲۹۶ھ میں مصر میں شاپی اختیارات حاصل کئے تھے اور امام اسماعیل کی پشت سے گنا جاتا تھا۔

بعض لوگ کہتے ہیں کہ دلازاک کرلان کے سب سے پہلے لکھنے پرمان کی اولاد سے تھا اور وہ کرلانٹری قبیلے کا سردار تھا۔ آئیے پہلے ان کا کچھ حال بیان کر لیں تاکہ کرلانٹریوں، دلازاکوں اور خشکوں کا تعلق واضح ہو جائے۔ کرلانٹریوں میں سے سب سے پہلے (اور غزنیوں کے زمانے سے بہت پہلے) دلازاک اپنی آماجگاہ سے نکل کر پشتاور میں انگ سے خیبر تک اور لنڈے دریاب کے دونوں کناروں اور صوات اور باجوڑ میں اقامت پذیر تھے۔ لیکن غزنیوں، غوریوں اور خلجیوں کی لشکر کشیوں اور اپنے دوسرے دشمنوں کے حملوں سے بچنے کے لئے دلازاک دن بہ دن مشرق کی طرف جمع ہوتے جاتے تھے۔ حتیٰ کہ آخر میں ان کی بڑی آبادی لنڈے دریاب کے شمالی کنارے پر سمٹ آئی اور ایک چھوٹی آبادی لنڈے دریاب کے جنوب میں بھی بن گئی۔

دلازاکوں کے زمانے میں جو خشک (لنڈے دریاب) ابا سندھ کے مغرب کو تحصیل نوشہرہ میں آباد تھے وہ بھی کرلانٹری قوم کے اس بڑے قبیلے دلازاک کے نام کی رعایت سے دلازاک ہی کہلاتے تھے جیسے مندر بھی یوسفزئی کہلاتے ہیں۔ خشکوں نے ابھی اپنا جداگانہ نام پیدا نہیں کیا تھا اور نہ کسی کو قدرت کی اس بینگی کا علم تھا کہ خشکوں کا نام پیدا کرنے کے بعد دلازاکوں کا وجود بھی نہ رہے گا۔

بابر نامہ (جلد ۲ ص ۳۷۹) میں ۹۲۵ھ/۱۵۱۹ء کے حالات میں لکھا ہے کہ بعض نیلابی (نیلاب کے رہنے والے) آئے اور مجھے ڈیڑھ لکھ روپے [گدر کے پاس ملے اور ایک زرد ڈالا ہوا گھوڑا اور تین سو شاہ رجاں [روپے] نذرانہ لائے + غالباً یہ نیلابی خشک تھے کہوں کہ دلازاکوں کا تو بابر نے نام لیا ہے اور بابر کے بعد تو یہ علاقہ خشکوں سے

سے کسی نے چھینا نہیں + اور دلازاک تو بابر کو اس سے پہلے بھی مل چکے تھے + بابر نامہ جلد ۲ ص ۳۹۴ میں لکھا ہے: علی مسجد میں یعقوب خیل قبیلے کا دلازاک افغان میرے پاس پیشکش لایا + اس سے پہلے دلازاکوں کے دو سردار ملک بوخان اور ملک موسیٰ گورکھپوری [پشاور] میں بابر کے پاس تحفے لائے تھے + (جلد ۲ ص ۳۹۴) +

اب چاہے دلازاک کتنا ہی بلا قبیلہ کیوں نہ ہوا تھا بڑا بھی تو نہیں ہو سکتا کہ درہ خیبر سے دریا کے سندھ تک چھاپا ہوا ہو۔ اسلئے نیلا بیوں سے مطلب خٹکوں کے علاقہ کچھ نہیں ہو سکتا + اس وقت دھقان قبیلے کے غیر یشتون اور غیر سلمان اشغری [ہشتنگر] میں آباد تھے + دلازاکوں کے اپنے کچھ کے مطابق وہ ننگر مار (ننگہار) اور مغرب کی طرف سے پشاور وغیرہ کو آئے تھے۔ لیکن اس علاقہ کو دیکھتے وقت انہوں نے کسی قسم کا خون خرابہ یا زبرد ظلم نہیں کیا تھا + وہ اس پسند لوگ تھے + یوسف زئی جب پہلے پہل پشاور کے علاقے کو لٹے تو انہوں نے رہنے کے لئے دلازاکوں سے کچھ علاقہ بھیک مانگا + دلازاکوں نے جو اس وقت لٹائے دریا بک کے شمالی اور جنوبی کناروں پر جمع تھے نہایت خرچ دلی سے دو آبہ کا درخیز علاقہ انہیں بخش دیا + اور جب یوسف زئیوں نے مزید علاقے کی درخواست کی تو وہ بھی دے دیا۔ جو بعد میں یوسف زئیوں سے لگیا نٹریوں نے زبردستی چھین لیا +

اس دھیرے احسان کا بدلہ یوسف زئیوں نے یہ چکایا کہ لگیا نٹریوں اور کمر لائری قبیلے کے اتھان خیلوں کو بھی ساتھ ملا کر دلازاکوں پر تار بڑ توڑ حملہ کر دیا + دوپائے صوات کے گنارے ایک خونریز جنگ ہوئی + دلازاکوں نے شکست کھائی + بہت سے مارے گئے + لقیٹہ السیف ہزارہ کو بھاگ لکے + صرف دریا کے کابل کا جنوبی علاقہ دلازاکوں کے پاس رہ گیا +

فاتحین نے دلازاکوں کا علاقہ آپس میں بانٹا + دو آبہ لگیا نٹری اشغری

مڈلٹا، دریا کے لٹڈے سے اوپر کا بقایا علاقہ یوسفزئی اور صوات کے پاس
کا پیراڈی علاقہ اتھان جبل کے حصے میں آیا۔ یہ علاقے آج بھی ان قبیلوں
کے قبضے میں ہیں + ان لڑائیوں کے وقت یوسفزیوں کا سردار ملک احمد خان
تھا جو بات آپ بہت کچھ اور بھی پڑھ لینگے +

۱۵۵۳ء میں پٹانوں نے پشاور کا قلعہ دوبارہ تعمیر کیا۔ کیونکہ دلازا کے
سے سہارنپور کے تھے + اور قلعہ میں سکندر خان اوزبک اور بہت سی قوم
ڈالنے کے بعد اس پاس سے دلازا کوں کا غلہ ٹوٹ ٹوٹ کر قلعہ کو غلے سے
بھر دیا + دلازا کوں نے حملہ کیا لیکن ناکام رہے + ۱۵۵۴ء میں پٹانوں ایک
کو پار پھر کے دھلی چل دیا +

یوسفزیوں کے ساتھ جنگوں میں دلازا کے لٹڈے دریا کا شمالی مبدائی
کہو چکے تھے۔ اور جب یوسفزیوں نے صوات اور باجوڑ فتح کر لئے تو دلازا کو
کہ ان جیلوں سے بھی بھاگا دیا اور ۱۵۵۲ء کے دہائی عرصے میں ان
کی اکثریت سندھ کے پار چلی گئی تھی + یوسفزیوں کے بعد ۱۵۵۳ء اور ۱۵۵۴ء
کے دہائی عرصے میں خیلوں اور مہندوں نے مرزا کامران کی مدد سے دہلے
لٹڈے کے جنوب میں کچھ علاقہ دلازا کوں سے چھین لیا تھا۔ اور بعد یہ
جہی دلازا کے قوم انہوں کے ماتحتوں کمزور ہوتے ہوئے ۱۵۵۳ء میں مغلوں
کو پشتونوں سے لڑنے کی سکت کھو چکے تھے ورنہ پشتونوں کو غیر ملکی مغلوں
کی اطاعت کرنے کا دن نہ دیکھنا پڑتا +

اس کے بعد جو دلازا کے پنج رہے تھے (وہ جیسا کہ آپ پڑھ چکے ہیں)
ان سے بعض سندھ کے مشرقی کنارے اور کچھ ہزارہ وغیرہ میں جا گئے تھے
بعد میں لہری قوم کے بھائی سندوں مہندی قبیلے نے لٹڈے دریا
کے سہیل میں خور سے کا علاقہ دلازا کوں سے بہ زور حاصل کیا + اس
ملک گیری کی تفصیل آگے آجائگی + اس چھینا جھپٹی کے نتیجے کے طور
پر دلازا کے چھ ہزارہ اور پنجاب کے ضلع جہلم میں رہنے لگے +
۱۵۵۴ء میں دلازا کوں سے چھینا ہوا علاقہ اب بھی غوریہ خیلوں (جہلم)

ہمند اور داؤد زئی کے پاس ہے + دلازا کوں کے ایک دگواؤں دریا ئے سندھ کے مغرب میں ، ان کی اکثریت اس دریا کے مشرق کی طرف اور ان کی کچھ آبادیاں شیر پشا ور کے شمال میں واقعہ تپہ داؤد زئی میں اب بھی موجود ہیں لیکن دلازا ک اب معدوم ہی سے ہیں +

حیات افغانی میں لکھا ہے کہ دلازا کوں کے بعض بڑھے کہتے ہیں کہ ہم جینی سید ہیں - چونکہ حیات افغانی کا قول چند نامعلوم اشخاص کے منہ سے بیان ہوتا ہے اسلئے قابل وثوق نہیں - خصوصاً ہماری گزشتہ بحث اور اس امر کی روشنی میں کہ یہ احتملاً ئے ایک یا دو کے کمرلا نٹری قبیلے کی باقی سب شاخیں کہتی ہیں کہ ہم پشتون ہیں سید نہیں ہیں +

اب ہم کمرلا نٹ کے زمانے پر بحث کرتے ہیں :-

راولٹی (نویس ص ۳۸۴) لکھتا ہے : "فرض کیجئے کہ اسمعیل اپنے باپ [امام جعفر صادق ؑ - ۱۶۱ھ - ۱۹۱ھ] سے کچھ عرصہ پہلے سرتھا + اگر ہم ایک پشت ۳۰ سال کی لیں (جو کہ عام حساب ہے) تو سید قاف جوان [دلازا کوں] کے دئے ہوئے پھرے کر ۱۶۱ھ سے اسمعیل کا پڑ پوتا ہوگا ضرور تقریباً ۱۶۱ھ میں زندہ ہوا ہوگا - کیونکہ سید خاتم کا زمانہ ۱۶۱ھ + ۳۰ = ۱۹۱ھ اور سید رجال کا ۱۹۱ھ + ۳۰ = ۲۲۱ھ ہوگا + اور اس حساب سے کمرلا نٹ کا زمانہ (جسے دلازا ک سید قاف کا بیٹا کہتے ہیں) تقریباً ۱۹۱ھ + ۳۰ = ۲۲۱ھ / ۸۵۲ھ میں ہوگا +

لیکن یہ سن یعنی ۵۲۳۸ / ۸۵۲ھ اس لئے غلط اور کمرلا نٹ کی پیدائش اس سے بہت پہلے کی ہے - کیونکہ سلطان سبکتگین کے زمانہ ۱۲۱۶ھ / ۱۲۹۶ھ سے پہلے یعنی کمرلا نٹ کی مفروضہ تاریخ پیدائش ۲۳۸ھ سے تقریباً ۱۲۵ سال بعد یعنی چار پشت کے اندر اندر کمرلا نٹ کی اولاد اتنی زیادہ ہوگئی تھی کہ دلازا ک نامی ایک بڑا قبیلہ اپنے اصل سے کٹ کر پشاور آگیا تھا اور یہ سب علاقہ قابو کر لیا تھا +

میکامون نے (ٹرائیبلز... میں) غرغشت کا ایک بیٹا بران اور اس کا

بیٹا کرلان لکھا ہے۔ اس سے پہلے ابوالفضلؒ آئین اکبری جلد ۲ ص ۱۹۱ میں
کرلانٹر کو غرغشت کی اولاد لکھا ہے۔ اور گرامر ص ۱۰ میں بھی "تذکرۃ الملوک"
سے اسی قسم کا اقتباس کیا گیا ہے۔

الفنشن نے قبیس کے چار بیٹوں میں سے ایک کا نام کرلان لکھا ہے۔
حیات افغانی تاریخ کوٹاٹ اور حیات لودی میں لکھا ہے کہ خوجا نٹری
کہتے ہیں کہ کرلانٹر عبداللہ ارٹر کا لڑکا تھا۔ تینوں کی بیہودگی اسی سے
واضح ہے کہ ارٹر کا لڑکا ہوتا تو ارٹر قوم سے کہلاتا پھر کوئی اسے ارٹر
اور کوئی ارٹر قبیلے کے کسی شخص کا پالک کیوں بناتا؟ حیات افغانی نے
مخزن افغانی کی روایت کو خوجا بیوں کے کے سے منسوب کیا ہے۔ اور
باقی کی دو کتابوں نے اس سے نقل کی ہے۔

کرلانٹر ارٹر کا قبیلہ اس لئے نہیں ہو سکتا کہ حیات افغانی اور تاریخ
خوشنید جہاں میں دئے ہوئے شہروں کی رو سے کرلانٹر اور قبیس کا
نمانہ بالکل ہی ایک ہے۔ کیونکہ حیات افغانی ص ۳۰۷ میں بھی خواجہ
لود خان کے ساتھ لکھا ہے "ریش خل" اور قبیس کی اولاد میں ص ۱۱۹ پر
شہاد شجاع الملک کے ساتھ لکھا ہے "موجود لدھیانہ میں"۔ چونکہ خان خلک
خواجہ لود خان کرلان سے اور شہاد شجاع قبیس سے پکولیسویں پشت میں
آتے ہیں اس لئے ان کے ہم عصر ہونے سے کرلان اور قبیس کا ہم عصر ہونا
ثابت ہو جاتا ہے۔

اور جب وہ دونوں ہم عصر تھے تو یہ عقل کے اندھے کرلانٹر کو
قبیس والد میر جن والد شریبون والد عمر دین والد ارٹر کا بیٹا کس حساب
لئے بناتے ہیں؟ یا (۱) قبیس کے بیٹے غرغشت کے بیٹے ہریان کا بیٹا کس
حساب سے بناتے ہیں؟

تجلیاد مخزن افغانی میں دئے ہوئے شہرے کی رو سے قبیس کا زمانہ
شہرہ اولیٰ کے قریب بتایا گیا ہے (جیسا کہ ہم پہلے لکھ چکے ہیں) اور دلازا کوں
کے شہرے کی رو سے کرلان کا زمانہ ۱۵۸۲/۱۵۸۳ء کے قریب بتایا ہے

یعنی کمرلاٹر قبیس سے تقریباً ۳۲۲ یا ۳۳۲ سال پہلے پیدا ہوا تھا۔
ایسی صورت میں کمرلان قبیس کا متبنی بن سکتا ہے۔ یا قبیس کمرلان کی
گیا رہیوں پشت کی اولاد میں سے کسی کا متبنی بن سکتا ہے۔ اہلہر من الشمس
ہے کہ آخری صورت ہی ممکن ہے!

ثالثاً: مخزن افغانی ص ۳۸ میں لکھا ہے کہ قبیس ۸۷ سال کی عمر میں لکنہ میں
مرا تھا۔ اس لئے اس کی پیدائش ۱۷۷۷ء سے پہلے نہیں ہو سکتی۔ اب اگر
ایک پشت کے تیس سال کے عام حساب سے ہم ارثر سے پہلی چار پشتوں
کی میعادیں گنیں تو ارثر ۱۳۱۰ء اور لکنہ کے درمیان زندہ رہا ہوگا۔
یہاں راورٹی حساب میں جھوک گیا ہے کیونکہ وہ قبیس کی موت کا سال لکنہ
کی بجائے لکنہ سمجھا ہے اور بوں ارثر کا زمانہ ۱۳۱۰ء۔ لکنہ ہجری لکھ گیا ہے
(سربن لکنہ۔ لکنہ، شریوں لکنہ۔ لکنہ، عروین لکنہ۔ لکنہ اور
ارثر لکنہ۔ لکنہ) حالانکہ چاہئے ایسا تھا جیسا کہ ہم لکھ گئے ہیں یعنی
(سربن لکنہ۔ لکنہ، شریوں لکنہ۔ لکنہ، عروین لکنہ اور
ارثر لکنہ۔ لکنہ)۔

لیکن اس حساب سے نو کمرلان ارثر کا نہیں بلکہ ارثر کے پڑپوتے کا
متبنی ہوگا۔ کیونکہ ارثر کے (پیشے لکنہ۔ لکنہ میں، پونے لکنہ
۱۹۱۰ء۔ ۲۲۱۰ء میں اور پڑپوتے لکنہ۔ ۲۵۱۰ء میں عمر گزری ہوگی۔
راورٹی یہاں بھی غلطی کیا گیا ہے اور ارثر کے پوتے کا زمانہ ۱۶۱۰ء۔ ۱۹۱۰ء
اور اس کے پڑپوتے کا زمانہ ۱۹۱۰ء۔ ۲۲۱۰ء لکھ گیا ہے

ارثر قوم کی اصلی جائے سکونت کابل کے جنوب میں وادی لوگر میں
تھی۔ وہاں سے کانٹر بکرم آئے۔ ان کی معمولی آبادیاں آج کانٹر بکرم،
محدودوں کے علاقے اور پشتاورد سے تقریباً دس میل جنوب مشرق کو
تین گاؤں (ارثر بالا، ارثر میانہ اور ارثر بائیں) میں واقع ہیں۔ کانٹر بکرم
کے ارثر ارثری نہاں بولتے ہیں جسے برکی اور برگستہ بھی کہتے ہیں۔ برگ
لوگر کے پاس ایک گاؤں کا نام ہے اور کہتے ہیں کہ برگ ارثر کا مویشی اعلیٰ تھا۔

محمودوں کے علاقے کے ارثر پشتو زبان بولتے ہیں + پشتاور کے پاس
 کے ارثر ٹھکوں کی زبان بولتے ہیں - لیکن قرب و جوار کے قبیلوں کی وجہ
 سے ان کی زبان روز بروز بگڑ رہی ہے مثلاً پہلے پاؤں کو چنگکا بھلا
 "پشہ" کہتے لیکن اب اوروں کے غلط تلفظ "خپہ" کی وجہ سے نہ ادھر کے
 رہے اور نہ ادھر کے اور اب "پشہ" کو "تشیہ" بولتے ہیں + [میں نے ایک
 کا کا خیل کو بھی "شیخ" (دفن) کی بجائے "خش" کہتے ہوئے سنا ہے] +
 ارثر اب تو ایک چھوٹا لیکن کسی وقت ایک بڑا قبیلہ تھا + پہلے زمانے
 میں ارثر اور مروت جس علاقے میں رہتے تھے وہ اب محمودوں کے
 قبضے میں ہے +

آپ اس سے پہلے خوگیا نری کا نام سن چکے ہیں + حیات افغانی میں
 توری کو خوگیا نری کا بیٹا اور اس کا شوہر ریائے معروف اور بائے مہول
 میں فرق کئے بغیر ص ۱۰۳ پر یوں لکھا گیا ہے :-

خوگیا نری

شیرزاد پڑبہ خدیجیل یارک بوبوخل عبدالرحمن ہریوز توری حاجی مندونی
 اب جو یہ بعض توری کہتے ہیں کہ ہم ترک ہیں اس کا کیا علاج ؟
 حیات افغانی میں لکھا ہے کہ : "قوم شیشک کے بعض چٹ ڈاڑھیے کہتے
 ہیں کہ کرلان کسی شایراد سے کا لڑکا تھا + " حیات افغانی کے
 بیان سے کچھ نتیجہ نہیں نکلتا + جو قصہ آج کل بنوں میں کسی کسی
 کے منہ سے سنا جاتا ہے اس کا ماحصل یہ ہے کہ کسی شایراد سے
 نے بنوں آکر یہاں کے بادشاہ، وزیر، قاضی اور کوتوال کی لڑکیوں سے
 شادیاں کیں جس سے اس کے علی الترتیب چار بیٹے پیدا ہوئے + مرتے
 وقت شاہزادی کے بیٹے کو بنوں کا علاقہ دے دیا کہ یہاں بادشاہی کرو۔
 وزیرزادی کے بیٹے کو وزیرستان دیدیا کہ یہاں سے اپنے عقل کے ذریعہ
 یعنی کماؤ + قاضی زادی کے بیٹے کو خشک کا علاقہ دیدیا کہ تمہارا نانا بنک
 آدی تھا یہاں بادشاہوں کے لئے دعاؤں مانگتے رہو۔ کوتوالزادی کے بیٹے کو دوڑ
 کا علاقہ دیدیا کہ تم یہاں سے چوکیداری کرو +

شہنک کے نسب، اسکی وجہ تسمیہ، شہنک نام کا گالی سمجھا جانا اور شہنک کے شجرے میں مرز علی خیل منڈان (مسودوں)، میراجیل (بنگشوں)، شاہ برگ خیل عیسکی (غروٹیوں) بازید خیل سوڑانٹری (منگلوں) اور عابد خیل نرولی (ظکوں) پیرہ کے غلط اندراجات پیرہاں بحث کرنے کا موقعہ نہیں ہے +

اس بحث کا ماحصل یہ ہے کہ کرلان کے زمانے کا صحیح تخمینہ برہنہ و حوا نامکمل ہے۔
 (۱) پشتوں کی رو سے کرلان اور قیس معصر اور دونوں کا زمانہ ۱۵۸۰ء تک
 لگاتار بنتا ہے جو ان وجوہات کی بناء پر غلط ہے جو ہم نے قیس کے ذکر میں لکھے ہیں + کرلان کا زمانہ اس سے بہت پہلے کا ہے +
 (۲) مخزن افغانی کی رو سے اگر قیس کا زمانہ ۱۶۶۵ء ہے۔ لگاتار ہے تو کرلان کا بھی یہی زمانہ ہوا کیونکہ دونوں معصر ہیں۔ لیکن اس زمانے کے لئے آج سے کرلان اور قیس تک (۱۳۸۴ + ۲۶ = ۱۴۱۰ = ۱۶۷۱) ۱۶۸۱ پشتیں بہ کار ہیں۔ حالانکہ حیات افغانی کے سن تصنیف (۱۸۶۵ء) تک پچیس پشتیں لکھی ہوئی ہیں اور آج تک ۲۷ پشتیں بنتی ہیں جو صحیح تعداد سے (۱۶۸۱ - ۲۷ = ۱۶۵۴) ۲۱ پشتیں کم ہیں + اسلئے کرلان کا شجرہ یوں ہوگا:۔
 کرلان

۹ ۲۱ پشتیں گم ہیں

لیکن دنیا کی سب سے قدیمی شجروں کا یہی حال ہے + سب کی پشتوں کی تعداد اور زمانے کی مبعاد میں مطابقت نہیں ہے + اسی لئے ہندوؤں کے پرانے شجرے، اور پچان البرونی کی "آثار الباقیہ" میں ابراہیموں کے پرانے شجرے اور ترکوں کے پرانے شجرے باوجود اس قسم کے ناقص پن کے قابل اعتماد سمجھے جاتے ہیں + اسی لئے اردوں کی طرح کرلانٹریوں کا شجرہ بھی قابل اعتماد اور قابل قبول سمجھنا چاہئے +
 قدیمی شجرے صرف اس حد تک صحیح ہیں کہ جن مشہور ناموں کا

منوثر ذکر آیا ہو اور تاریخی حالات دیکھتے ہوں وہی شجرہ قائم کرنے کے لئے کافی سمجھ جاتے ہیں + غیر معروف یا ناقابل تصدیق ناموں میں سے اکثر تو نسابوں کو یاد بھی نہیں رہتے اور اس لئے بعض نام شجروں میں کم رہ جاتے ہیں۔ اور اس لئے شجرے صرف اس وجہ سے غلط نہیں گئے جاتے کہ نام کم ہیں اور زمانہ زیادہ گزر چکا ہے +

دس دلازا کوں کے شجرے کی رو سے کرلان کی پیدائش کی تاریخ یا اس کا زمانہ ۱۳۳۰ء بتایا ہے۔ جو پہلے بیباں کرویہ وجوہات کی بنا پر غلط ہے + دس اگر کرلان کو ارثر کا متبنی مانا جائے تو مقرر افغانی میں دئے ہوئے قیس کے زمانے کے حساب سے کرلان کا زمانہ ۱۳۱-۱۶۱ء بتایا ہے جو یہ بھی پہلے لکھے گئے وجوہات کی بناء پر غلط ہے + اور

(۹) اگر کرلان کو ارثر کے پڑپوتے (۲۲۱-۲۵۱ھ) کا متبنی مانا جائے (جیسا ہمارے سابقہ الذکر بیان کی وجہ سے اخذ ہوتا ہے) تو ایسا تو کبھی کسی نے کہا نہیں کہ کرلان ارثر کے پڑپوتے کا بیٹا تھا +

کرلانٹریوں میں ایک قبیلے کا نام بنگش ہے + انہیں تاریخ فرشتہ دوس (۲۲-۲۴) نے خالد ولد عبداللہ کی بیٹی سے ایک افغان کی اولاد لکھا ہے + اور یہ بھی کہ اس لڑکی سے بہت اولاد پیدا ہوئی جن میں دو کسان بہت مشہور ہوئے: ایک لودی اور دوسرا سوری +

تاریخ فرشتہ کی نامقولیت کا کیا ثبوت کم ہے کہ یہی قبیلے کے لودیوں اور سوریوں کو کرلانٹری قبیلے کا رگ بستہ لکھ دیا ہے۔

تاریخ خورشید جہاں (ص ۱۲۳) میں عبداللہ کو خالد ابن ولید کا بیٹا لکھا ہے + لیکن یہ لکھا ہے کہ بنگش کہتے ہیں کہ ہم خالد ابن ولید کی اولاد ہیں + ہمارا دادا اسمعیل دسویں پشت میں عبداللہ سے پیدا ہوا تھا۔ اب اگر خالد ابن ولید سے مطلب وہی مشہور لطل اسلام ہو تو بنگشوں کا حال بھی وہی ہوا جو کہ تفسیروں کا اور بہ چاں وجوہات بنگشوں کی روایت بھی ناقابل اعتبار ٹھہری +

کرلانٹری

کرلانٹری کی اولاد کرلانٹری کہلاتی ہے + ان کی رہائش کی مشہور جگہیں کوہ سلیمان اور کوہ سفید ہیں + ان کے بڑے بڑے قبیلے یہ ہیں :-

حٹک - دلازاک - اورکزی - اتھان خیل - افریدی - خویزی - (خوگیانی) - منگل - وزیر - ہنگش - شیدتک اور موسیٰ زری + علاوہ متذکرہ بالا بڑے قبیلوں کے جو پھر کئی چھوٹی چھوٹی شاخوں میں بٹی ہوئی ہیں - جہات افغانی ص ۳۴۱ میں ان چھوٹی چھوٹی شاخوں کا ذکر آیا ہے :-

کم خوست میں : سبرے (۳۰۰ نفر) - ملی (۶۰۰) - لنڈر (۱۵۰) - اکیپی (۱۰۰) - قدم (۱۰۰) - مارون خیل (۱۰۰) + اور خوست میں : لکن خیل (۲۰۰) - نکت خیل - شادی زری اور ایوب خیل (۱۰۰۰) - صادق (۲۰۰) - علی شیر (۱۰۰) - بکر خیل (۱۰۰) - اور لون خیل + ان قبیلوں کے علاوہ اپنی اور وردک ناموں کے دو قبیلے بھی وصلی طور پر کرلانٹریوں کے شامل ہیں + مٹی کا ذکر لگے بھی آئیں گے + مخزن افغانی میں اس وقت کے پشتونوں کے خیلوں کی تعداد حسب ذیل درج ہے :- کرلانٹری ۱۲۰، سربہ ۱۰۵، مرغشتی ۹۵ اور پٹنی ۷۷ خیل + یعنی اس وقت کرلانٹری پشتونوں کا سب سے بڑا قبیلہ تھا + کرلانٹری قوم میں صرف بنوچی مہدائی اور باقی کے سب پہاڑی علاقہ میں رہتے ہیں +

کرلانٹریوں کا شجرہ مخزن افغانی، جہات افغانی (ص ۳۰۷ و ۳۱۱)، حیات نوری (ص ۱۳۱ و ۳۶۳)، امیر بل گزیر - پروانشل سیرینر (ص ۷۹)، دی پٹھانز ص ۲۱، تاریخ کوتاٹ - تاریخ آزاد پٹھان، تاریخ مروج وغیرہ میں دیا ہوا ہے - لیکن ان میں آپس میں شدید اختلافات ہیں اور

کرلانٹریوں کی بادشاہی

کرلانٹریوں نے ۱۵۵۳ء سے ۱۵۵۶ء تک مشرقی ہندوستان پر حکومت کی ہے۔ لیکن ابھی تک وثوق سے یہ نہیں کہا جاسکتا کہ یہ حاکم کرلانٹریوں کی کس شاخ سے تھے +

مغزالدین [محمد ابن سام، شہاب الدین] محمد غوری کے زمانے میں ایک آدھ کرلانٹری بھی ہندوستان گیا تھا لیکن محمد غوری اکثر اپنے ہم قوم ہندوستان لے گیا تھا۔ اور پشتونوں کے باقی قبیلوں کو پشتونخوا میں وہ علاقے بطور جاگیر دے جن پر وہ اب بھی قابض ہیں + اسلئے اپنی کم تعداد کی وجہ سے کرلانٹری ہند میں اپنے مجموعی نام (کرلانٹری) سے ہی پہلائے رہے۔ جیسا آج تک ہندوستان میں ہر پشتون کو خان کہا جاتا ہے +

بہلول لودھی کے بلاوے پر بھی اسکے بہت سے ہم قبیلہ ہندوستان گئے تھے + ان میں بعض کرلانٹری اور سہنی اور لودی قبیلے کا ابراہیم (شیرشاہ کا دادا) بھی ہندوستان گئے تھے +

شیرشاہ کے زمانے میں بھی کرلانٹریوں کی ایک زبردست جماعت ہند میں موجود تھی + اکبرنامہ جلد ۱ ص ۱۲۴ میں لکھا ہے: ۱۰ محرم ۹۴۷ھ کے دن شیرشاہ اور پمایوں کی جنگ میں ایک جماعت کرلانٹریوں کی بھی شیرشاہ کی طرف سے جنگ میں شامل تھی۔ [یہ کرلانٹری جیسا کہ آپ آگے پڑھیں گے تاج خان اور اس کے بھائی تھے +]

مغزب افغانی میں محمد کرٹانی کو اسلام شاہ کا خاص دوست لکھا گیا ہے + ۹۵۱ھ میں شیخ یوسف کرٹانی وغیرہ مرزا کامران کی طرف سے مغل

فوج کے برخلاف لڑے تھے + [اکبرنامہ جلد ۱ ص ۲۴۰] ۹۵۱ھ میں جنید کرٹانی بادشاہ کی ملازمت میں تھا اور مندرجہ کا علاقہ جاگیر میں پایا تھا +

سوری خاندان کے آخری بادشاہ مبارز خان (جس کا لقب سلطان عادل تھا اور محرمًا عدلی سلطان کہلاتا تھا) کے زمانے میں کمرلائویوں نے ہند کے مشرقی اطراف (پٹنہ، بہار اور بنگال میں طاقت حاصل کی تھی اور بادشاہی کی تھی) کمرلائویوں کی بادشاہی کا مختصر حال حسب ذیل ہے:۔

کمرلائویوں کا پہلا بادشاہ تاج خان ولد جمال خان تھا جو ۱۵۵۱ء میں شیرشاہ کی طرف سے ہمایوں کے برخلاف لڑا تھا + تاج خان نے ۱۵۵۳ء میں سلطان عادل سوری سے جنوبی بہار کی بادشاہی چھین لی تھی + ۱۵۵۷ء میں تاج خان کل بہار کا بادشاہ بن گیا تھا + اس وقت شمالی ہندوستان کا بادشاہ محمد خان سوری ولد خضر خان تھا + اس کا لقب غیاث الدین بہادر شاہ تھا + ۱۵۵۹ء تک تاج خان بہادر شاہ کی بزرگی مانتا تھا +

۱۵۶۲ء میں تاج خان نے بنگال فتح کیا + اب وہ بہار اور بنگال دونوں

کا بادشاہ تھا +

تاج خان ۱۵۶۵ء میں اللہ میاں کو پیارا ہو گیا + وہ ایک نہایت ہی

قابل، عالم اور عقلمند انسان تھا +

اب سلیمان خان (برادر تاج خان) بہار اور بنگال کا بادشاہ بنا +

اس کے وقت میں سوری ایک دوسرے سے لڑ لڑ کر تباہ ہو چکے تھے + اور

سب پشتوں سلیمان خان کے سہلے میں آچکے تھے +

سٹوارٹ (ص ۱۵۶) لکھتا ہے کہ "سلیمان خان کی فوج میں ۱۰۰۰ پیادہ

۳۰۰ سوار، ۳۶۰۰ ہاتھی، ۲۰۰۰ توپیں اور چند سو جنگی جہاز تھے +"

وہ اپنے بے مثال انصاف اور زہد کی وجہ سے سلیمان ثانی مشہور تھا +

سلیمان خان باوجود اپنی بے انتہا تقویٰ کے ہندوؤں پر بھی بہت مہربان تھا +

۱۵۶۷ء میں سلیمان خان نے اوڈیسہ اور پوری وناں کے راجہ سے

قتل کر لئے کیونکہ وہ سلیمان خان کے برخلاف اکبر کے ساتھ سازش میں

مشغول رہا کرتا تھا + سلیمان خان نے اپنے وزراء کو قتل کروا

پٹنہ اور پوری میں مقرر کیا +

سیلمان اپنے اور پشتونوں کے سب سے بڑے دشمن اور بدخواں اکبر کی برائے نام اطاعت کرتا تھا + سیلمان خان کا لقب "حضرت عالی" تھا + یہ لقب شہر شاہ نے بھی ۱۵۳۹ء میں اختیار کیا تھا +

اکبر شروع ہی سے اس فکر میں تھا کہ پشتونوں سے بنگال اور بہار کے لیے - لیکن سیلمان خان کی زبردست فوجی طاقت، پشتونوں کے اتفاق +

سیلمان خان کی عمدہ سیاست، اکبر کے جرنیل خان زمان (۱۵۶۳ء - ۱۵۶۷ء) کی سیلمان خان سے دوستی، ۱۵۶۵ء اور ۱۵۶۷ء میں خان زمان اور ۱۵۶۷ء میں اکبر کے بھائی مرزا جیکم (حکمرانِ کابل) کی اکبر سے بغاوتوں اور سیلمان خان کا پشتونوں سے اچھے سلوک کی وجہ سے اکبر سیلمان خان کا بال بھی بھیکا نہ کر سکا + سیلمان خان ۱۵۷۵ء میں وفات پا گیا + پشتونوں کی تباہی اور اکبر سے دشمنی کے دنوں میں سیلمان خان کا بہار، بنگال اور اوڈیسہ کی طاقتور حکومت کا بنانا سیلمان خان کا ایک بڑا کارنامہ ہے +

بازید خان اپنے باپ سیلمان کے بعد اس کا جانشین بنا + اس نے اپنے باپ کی روش کے خلاف خطے میں اکبر کی بجائے اپنا نام ڈال دیا - اور پشتونوں سے بد سلوکی کی وجہ سے انہیں اپنا دشمن بنا لیا جنہوں نے اس کے بر خلاف سازشیں شروع کر دیں +

لوہانڑیوں نے قتلِ لوہانڑی کی سرکردگی میں حسنو خان (سیلمان کے بھائی عماد خان کے بیٹے) کو بادشاہ بنایا اور کچھ دنوں کے بعد بازید خان کو قتل کر ڈالا + لودی نے سیلمان خان کے سب سے چھوٹے بیٹے داؤد خان کو بادشاہ بنایا + اور بہار میں گجرات لاری نے بازید خان کے ایک بیٹے کو بادشاہ بنایا +

داؤد خان اور اس کے جرنیل لودی نے حسنو خان کو ایک جنگ میں مار ڈالا + لودی خان نے صلح سے گجرات سے داؤد خان کی بادشاہی منوائی - لیکن عین اس وقت جب کہ لودی منع خان کو شکست دینے

والا تھا داؤد خان نے لودی سے ناراض ہو کر اسے اپنا دشمن بنایا اور بعد میں مار ڈالا۔

داؤد خان اپنے آپ کو اکبر کا ہم پلہ سمجھتا تھا۔ اس نے اس نے بادشاہ کا لقب اختیار کیا، خطبہ اپنے نام پہ کیا اور اپنا سکہ جاری کیا اور اپنے پشتونوں کو القاب سے نوازا۔

لودی کی موت کے بعد اکبر نے لاپہ میں آکر پٹنہ پر حملہ اور ۱۵۷۱ء میں فتح کیا۔ اس کے بعد مغلوں نے سورج گڑھ، منگیپڑ، بھاگلپور، کلکانگ وغیرہ بھی پشتونوں سے فتح کیے۔

اپریل ۱۲ ۱۵۷۱ء میں کئی جنگوں اور شکستوں کے بعد منعم خان نے صلح کرتے ہوئے بنگال اور بہار اکبر کو دے دی۔ منعم خان کی موت کے بعد داؤد خان نے بنگال مغلوں سے واپس جیت لیا۔ لیکن آخر کار ۱۵۷۶ء میں ۱۲ جولائی کو راج محل کی لڑائی میں مغلوں نے داؤد خان کو اس کے سرداروں کے سرے پری پری اور قتلو کی غداروں کی وجہ سے شکست دیدی، سری پری جنگ کے درمیان داؤد خان کا خزانہ لے بھاگا اور قتلوانے حسن قلی خان المصطفیٰ بہ خانبہان (مغلی) کے ساتھ اور پٹنہ کے چند پرگنوں کے ملنے کے بدلے میں عین جنگ کے وقت میدان سے بھاگ نکلنے کا سوایہ پورا کیا۔ چنانچہ جنگ کے بعد مغلوں نے بنگال اور بہار تو لے لے لیکن اور پٹنہ قتلو کو دیدیا۔

یوں ۱۵۷۶ء کے بعد پشتون نے ایک بار پھر پشتون کا گوشت کھایا اور ہند میں مغلوں کی متوازی حکومت کو کھویا۔ لیکن قتلو کی غداروں سے حاصل کی ہوئی حکومت بھی اس کے خاندان سے ۱۰ سال کے اندر ہی جاتی ہی گئی۔ میں لوہانٹری خاندان کا آخری حکمران خواجہ عثمان مغلوں سے لڑتا ہوا مارا گیا اور اس کا بھائی خواجہ ولی جہانگیر کا نوکر بن گیا۔

کمرلاٹریوں کی حکومت کھولنے کے اسباب سری پری اور قتلو کی غداروں، پشتونوں کی آپس میں لڑائی، تاج خان اور گڑوں کی لڑائی میں اپنی طاقت گھٹانا اور دشمن بنانا اور مغلوں سے لڑائی کے دوران میں ابراہیم لودی اور سلطان محمد عادل سے لڑنا تھے۔

کودے اور لکے

لکے (جیسے کیتوں نے غلط طور پر لکھی لکھا ہے) کی اولاد کے شجرے میں سلیمانی، مخزنِ افغانی، مراۃ الافغانہ اور کتاب الانساب متفق ہیں کیونکہ اُس کی اولاد اپنے اصلی ٹھکانے سے زیادہ نہیں ملے + سلیمان ولید لکے کی اولاد سے بعض وزیر تو آج بھی کوہِ شمال میں رہتے ہیں۔ ملک میری بھی بھنت نہیں ملے۔ اور بنوچی تو بنوں سے لکے ہی نہیں +

کودے کی اولاد کے شجرے کی پہلی ایک یا دو پشتوں میں فرق آنے کا سبب یہ ہے کہ ان قبیلوں کے بہت سے لوگ اپنے ٹھکانے سے ملے ہیں اور اکثر تو ہندوستان بھی گئے ہیں۔ اس لئے

(۱) سلیمانی کودے کے چھ بیٹے اور باقی سب سات لکھتے ہیں + سلیمانی منگلے کو کھنک کی اولاد نہیں مانتا +

(۲) خان (بہ حوالہ تاجیک مرصع) اتھان کے ایک بھائی کا نام بریان اور دلازاک اور ویک کو بریان کے بیٹے لکھتا ہے +

(۳) مخزنِ افغانی (۱۱۱) لکھتا ہے مراۃ الافغانہ نے کودے کے لڑکے یوں لکھے ہیں :-

موسیٰ منگلے دلازاک ویک
دلو ہونے وردگ

یہ شجرہ اس لئے غلط ہے کہ لا دلازاک کو شروع میں بڑا نہیں لکھا ہے۔ اور

(۲) اس میں سید محمد گیسو دلازا کے دو بیٹوں ہونے اور وردگ کے نام ہیں +

(۴) حیاتِ افغانی نے اس ضمن میں سخت غلطیاں کی ہیں۔ اس میں لکھا

ہے کہ لکے (لکے) کے چار بیٹے تھے : بریان (جسے خان کودے کا لڑکا لکھنا

ہے)، خوگیانی (جسے سب کودے کا لڑکا کہتے ہیں)، سلیمان اور شینک +

یوں کودے کے دو بیٹوں (بریان اور خوگیانی) کو لکے کے بیٹے بنا دیا ہے +

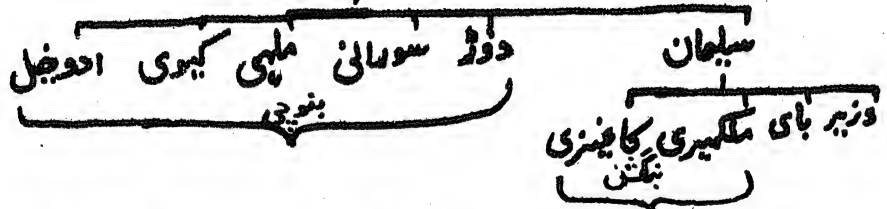
پھر اتھان اور لقمان کو جو بالاتفاق کودے کے بیٹے ہیں اور خود ان کو

(جو منگلے کے بیٹوں میں سے ایک تن ہے) بریان کے (جسے لکے کا بیٹا لکھا ہے)

بیٹے اور عثمان عرف افریدی کے بھائی بنا دیا ہے +

اتقانِ حلاوت و کز زنی
 مانی نیک منکلی جوئے
 (اندرین) مغبلِ خدوانِ بپا دوزی

اور خوگے کے ساتھ لکھا ہے: "بعض لوگ کہتے ہیں کہ خوگے کو دے کا بیٹا نہ تھا بلکہ کو کے [ککے] کا بیٹا تھا۔ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِالْاَصْوَابِ"۔
اسی کتاب میں ککے کی اولاد کا شمار یوں درج ہے:-
کوکئی [ککے]



باقی کے شجرے اس قدر مضحکہ آمیز ہیں کہ ان کا ذکر نہ کرنا ہی بھلا ہے۔

و بِاللّٰهِ التَّوْفِیْقِ وَ مِنْهُ الْجَسَدِیْتُ اِلٰی الْحَقِیْقِ وَ التَّذْقِیْقِ ۝

حصہ دوم
(لہاں سے آج تک)

تاسیخ

خاک

مصنف

محمد سرفراز خان خٹک عقاب
بی۔ اے آمرنگ ایم اے ایل ایل۔ بی (ملک)
یونیورسٹی کولڈ میڈلسٹ ایڈووکیٹ
بنوں شہر

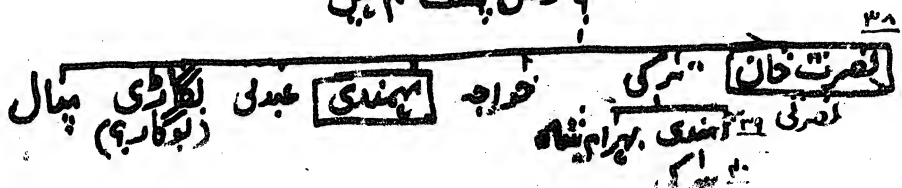
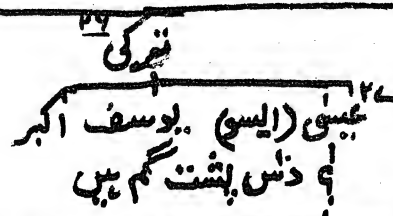
لقمان عرف خشک

یہ نام در اصل "خشک" تھا + ہمارے لسانوں میں سے کسی شخص نے اس کی وجہ تسمیہ لکھنے کی غرض سے وہ کہانی لکھ دی جس کا ذکر آگے آجائے گا اور اسی کو حقیقت کا رنگ دینے کیلئے خشک کا نام لقمان اور عرف خشک لکھ دیا + ہمارے لسان الہا کرتے چلے آئے ہیں جس کی بعض شاہیں آپ آگے پڑھ چکے ہیں جن میں سے بعض بہت شرمناک ہیں مثلاً غلری کی وجہ تسمیہ، اور بعض تمسخر آمیز مثلاً خروٹہ کی وجہ تسمیہ - اور بعض بالکل بے بنیاد مثلاً کرلان کی وجہ تسمیہ جو آپ آگے پڑھ چکے ہیں - یا لقمان کی وجہ تسمیہ جو اب پڑھینگے + اور جس کے پڑھنے کے بعد ہم اس نتیجے پر پہنچ جائیں گے کہ "لقمان عرف خشک" کی بجائے "خشک عرف لقمان" اصح ہوگا +

پچھلے بہ حوالہ تاریخ مربع خان کی اپنے ہاتھ کی لکھی ہوئی بیاض اور حیات افغانی وغیرہ سے آپ بھی سن چکے ہیں -

"ایک دن لقمان اپنے بھائیوں عثمان، زدران اور اتان کے ساتھ شکار یا کسی اور کام سے صبح کو جا رہا تھا + سامنے سے افغان قبیلے کی چار لوکیاں آتی دکھائی دیں جن کے لباس سے معلوم ہوتا تھا کہ کنواریاں ہیں + اُس کے بھائی آپس میں کہنے لگے کہ یہ تو ایک بڑا شکار ہے - بزرگہ قرعہ اندازی ایک ایک اپنا بیگ + لقمان جو سب سے بڑا تھا بولا کہ ٹھہرو - پہلے مجھے ایک چن لینے دو پھر لقایا پر تم قرعے ڈالتے رہنا + اس کے بعد لقمان نے ان چاروں میں سے ایک کو بغیر اس کا بشرہ دیکھنے صرف لباس کی خوبصورتی دیکھ کر اپنے نام پر کرلی + باقیوں میں سے ایک ایک اسکے بھائیوں کو بزرگہ قرعہ انداز ملی + دیکھیں تو لقمان کے حصے میں کلونی آئی تھی + لیکن چونکہ اس پر اس کا نام اٹھا تھا لقمان کو شرمنا قبول کرنی پڑی + یہ دیکھ کر اس کے بھائیوں نے ازراہ تمسخر

کہا: "لقمان پہ خشو کشتے لاڑہ" اور یہی لقمان خشک پھر مشہور ہو گیا +
 اب ذرہ اس افسانے کی ناممقولیت اور عدم امکان کو دیکھئے۔
 (۱) خشک کے بھائیوں کے نام غلط دئے ہیں + عثمان اور عذراں لقمان
 کے بھائی نہ تھے (ملاحظہ فرمائیے کرلان کا شجرہ) + یہ بھی چار کنواریاں اور
 سائن سے بھی چار ہی کنواریاں آتی ہیں۔ نہ کم نہ زیادہ + (۳) ان کے
 لباس سے معلوم ہوتا ہے کہ کنواریاں ہیں۔ گویا شادی شدہ لڑکیاں
 کسی خاص قسم کا لباس پہنتی تھیں + (۴) چاروں بھائی چار لڑکیوں کو
 دیکھتے ہی انہیں بائنا شروع کر دیتے ہیں۔ اتنا بھی نہیں ٹھہرتے کہ پہچان
 تو لیں کہ کہیں ان کی قریبی رشتہ دار نہ ہوں۔ چہ جلتے کہ ان سے پوچھنا
 کہ تم کون ہو + (۵) ان لڑکوں کی طرح یہ لڑکیاں بھی بغیر منہ شکار یا کسی
 اور کام سے بھرا جا رہی تھیں + (۶) لقمان لڑکیوں کے کپڑے تو دیکھ سکتا ہے
 لیکن ان کے چہرے نہیں دیکھ سکتا۔ شاید یہ افغان لڑکیاں خلاف عادت
 کالے مصری ہرقتے پہنتے ہوئے بھرا گئی تھیں + (۷) انہوں نے اپنا راکھشس
 وواہ کرنے والوں سے کسی قسم کا احتجاج نہ کیا + جتنے وہ ان کے طنزگار
 تھے اتنی ہی یہ ان کی منہنی لڑکیوں + (۸) لڑکیوں کے چلے جانے پر ان کے
 (چار) قہیلوں نے ان کی کسی قسم کی تلاش نہ کی + گویا کسی دور ملک سے
 فصول کی تلاش میں یوں آوارہ ہو کر آئی تھیں کہ پھر ان کے وژا کو
 ان کا پتہ بھی نہ چلا۔ یا اس وقت کے افغانوں میں سو بھر رچانے یا
 گندہرب وواہ کا رواج تھا + اور (۸) "پہ خشو کشتے لاڑہ" سے "پہ" غائب
 ہو جاتا ہے + "خشو" سے "و" جاتا رہتا ہے۔ "کشتے" کا "ک" 'خث' سے بدل جاتا ہے
 اور "کشتے لاڑہ" اپنی لہجہ چلے جاتے ہیں اور یہی اس لیے فقرے سے خشک
 کا لفظ بن جاتا ہے + اس ضمن میں آپ کیرو کا قہیل پہلے پڑھ چکے ہیں +
 تاریخ مروجہ وغیرہ کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ لقمان کی بیوی
 کا نام سبکہ "قد سرو کا" انگلیہ پرن کی سی، رنگ پکا، جسہ مضبوط، اور
 زبان میٹھی تھی اور وہ دور اندیش اور ہوشیار تھی + لقمان کی اولاد سبکہ
 سے پیدا ہوئی تھی +



۱۲۶

نولاق ۲۶
ساعتی ۲۷
مروت (مرفی)

مروت ۲۷

عطار دلی ۲۸

ممود ۲۸

خواجہ

عالم ۲۶

دلی ۲۶

مزدنی

درملک سنی موشک ۳۰

دره خان خواجہ حسنو ۳۰

دین باز دین حسن دولت یوسف ۳۵
خویم

الله داد میان داد

کرم داد

تری اور بولاق

کسی زمانے میں خشکوں کی سب آبادی دو گروہوں میں منقسم تھی؛
 ۱) تری اور ۲) بولاق۔ آج کل بولاق نو اینی ایک بڑی آبادی بولاق نامہ
 کی وجہ سے کچھ کچھ نمایاں ہیں لیکن تری کا تو نام بھی کسی کو یاد نہیں رہا۔
 کیونکہ پہلے زمانے میں بولاق خشکوں کے علاقے کے شمال اور تری جنوب
 میں آباد تھے۔ لیکن رفتہ رفتہ یہ تخصیص بھی جاتی رہی اور آج تریوں
 کے علاقے میں بولاقوں کی اور بولاقوں کے علاقوں میں تریوں کی بڑی
 بڑی آبادیاں موجود ہیں + مثلاً اکوڑہ جو تری خشک میں ڈولکناہ کے
 شمال میں اور خرم جو بولاق قبیلے سے ہیں ڈولکناہ کے جنوب میں بھی
 جیتے ہیں۔

تری لقمان کے پوتے تری (ولد تورمان) کے نام سے اور بولاق لقمان
 کے بیٹے بولاق کے نام پر مشہور ہوئے تھے + ان دونوں میں سے قوم
 کی سرداری تریوں میں رہی ہے کیونکہ وہی لقمان کے بڑے بیٹے تورمان
 کی اولاد ہیں جو اپنے باپ کی موت کے بعد اس کا جانشین بنا تھا۔
 تری اور تری مل کر تری کہلاتے ہیں +

تری کے مشہور قبیلے لہرنی، بارسک، اکوڑ خیل اور کا کا خیل اور بولاق
 کے ساغری، شندک اور مروت ہیں +

چونکہ خشکوں کی آبادی کی اکثریت کوٹاٹ میں رہی ہے جہاں وہ اب
 بھی ہنگشوں کے ساتھ اب بھی تقریباً مساوی التعداد ہیں اور چونکہ ۱۹۸۵ء
 میں بھی ریڑھ اور خوڑہ اور الحاق کے وقت سے لے کر ۱۹۹۵ء تک خوڑہ
 اور بیلاب بھی کوٹاٹ ہی کے حصے رہے ہیں۔ اس لئے انگریزوں کے
 وقت کی کوٹاٹ کے متعلق تحریروں میں تریوں کے متعلق اور خصوصاً
 ان کی خانی کی وجہ سے اکوڑ خیلوں کی بابت تو بہت کچھ مل جاتا ہے۔ لیکن
 چونکہ ضلع پشاور میں خشکوں کی آبادی اس ضلع کے شمال مشرقی حصے میں

محدود اور غیر قبیلوں کے ساتھ ملی جلی ہے اور آبادی یا رقبے کی وسعت کی جانب سے بھی ممتاز حیثیت نہیں رکھتی اس لئے انگریزی دور کی تحاریر میں ضلع پشاور کے خٹک قبیلوں کے مفصل حالات نہیں پائے جاتے۔

اس کی ایک دوسری وجہ یہ بھی ہے کہ اگرچہ خٹکوں کی خالی کا اصلی مرکز اکوڑہ میں تھا جو کہ (تخصیل نوشہرہ) ضلع پشاور میں ہے۔ لیکن وہ خالی سکھوں ہی کے وقت میں تقریباً ختم ہو چکی تھی + اور پاکستان بننے کے بعد وہاں کے خالی کے آخری نمائندے محمد اعظم خان ولد خانبہادر محمد زمان خان کی ۲۰۰۰ نقد کی جاگیر ختم ہو جانے کے ساتھ تو اب اس خالی کا نام و نشان ہی نہیں رہا۔ لیکن ضلع کوٹاٹ میں آج بھی ہمارا خان موجود ہے + اس خان کی خالی کا ذکر آگے آجائے گا۔



خانہ کوچی

ہزاروں برسوں سے مختلف قبیلے مثلاً ابرانی، دراوڑ، ہندی آریہ، یونانی، سن، سیتھین اور منڈل وغیرہ پشتونخوا کے متعدد تنگ دروں کے رستے مغرب سے مشرق کی طرف اترتے اور ہندوستان کی زرخیز زمین کی طرف جاتے تھے + یہ استثنائے وادی سندھ، قبائل کی یہ آمد سالوں یا آٹھویں صدی عیسوی میں بند ہو گئی +

مسلمان فاتحین سینکڑوں سالوں تک اُس پہاڑی علاقے تک نہیں پہنچے تھے جو میدانوں کے کناروں پر ابھی ہے - اور ان علاقوں کی غیر مسلم آبادی صدیوں تک نہ سنائی گئی + یہ یقیناً وہی لوگ تھے جو اس علاقے کے اصلی اور قدیمی باشندے تھے جو یا تو زمانہ قبل از تاریخ سے یہاں آباد تھے یا بہت قدیم زمانے سے محفوظ جانے والے تلاش اور خیال میں اس علاقے میں رہنے پر مجبور ہو گئے تھے + کیونکہ اس زمانے میں جب انسانوں کی آبادی کم اور غیر محفوظ تھی اور مصنوعی ذرائع آبپاشی کی کمی کی وجہ سے زندگی کا اخراج فداآت سے زیادہ مال مولیٰ پلانے پر تھا - اس لئے لوگ سرسبز اور محفوظ پہاڑی وادیوں کو کھلے، غیر آباد میدانی علاقوں پر ترجیح دیتے تھے +

روایت خانہ کوچی کو خورشیدوں کی اولاد غور یہ جبل اور خوسف جبل کی طرف منسوب کرتی ہے + کرلاٹری قوم کی خانہ کوچی اگر کچھ ہوئی بھی ہے تو تاریخچی زمانے میں ہوئی ہے +

یہ ممکن ہے کہ پھر کوئی اور لوگ بھی اپنی کمزوری کی وجہ سے ان پہاڑی وادیوں میں رہنے پر مجبور ہو گئے ہوں اور ان پہاڑی علاقوں کے اصلی قدیمی باشندوں کی پناہ ڈھونڈ کر ان کے ساتھ بسنے لگے ہوں اور اب یہ مرور زمانہ ان میں ایسے خلط ملط ہو گئے ہوں کہ دونوں میں تیز ناممکن ہو گئی ہے +

بارہویں صدی عیسوی میں وادی سندھ اور اس کے آس پاس کے پہاڑوں میں پشتون قبائل کا آہستہ آہستہ داخل شروع ہوا + یہ قبائل خانہ بدوش تھے اور یا تو وزیرستان کے پہاڑوں میں ٹھکانہ جلاتے تھے یا بلالئی ڈیرہ جات کے میدانوں میں +

ایسے آثار موجود ہیں کہ حکموں یا ان کے کچھ قبائل کی جائے رہائش افغانستان میں یا بالخصوص غزنی کے گرد و نواح میں تھی - مثلاً کابل اور ٹنگلوں کے علاقے میں بعض ناموں کی شاہیت - مثلاً لوگر - یوغر اور کوک - کرک + (۷) موجودہ محققین کا ستا گدی کی جائے وقوع کا غزنی کے قریب و جوار میں متعین کرنا + اور (۸) حکموں کے بعض قبیلوں مثلاً پیری میں بولاقوں کی مروت عرف ہم زئی قبیلے کی بٹی جبل اور موکی شاخوں کا ہر وقت بندوبست یہ بیان کہ ہم غزنی سے گئے ہیں + اس نظریے کی تائید کرتے ہیں + ایندرو پو بارتلو کا بیان کہ ستا گدی کی جائے رہائش غزنی تھی آپ پڑھ چکے ہیں + خود غزنی کا دہراری مورخ غنی ہی اپنی کتاب تاریخ پمینی میں لکھتا ہے کہ اس وقت الافغانیہ [افغان یعنی پشتون] غزنی کے مغرب کو کوہ سیلان میں رہتے تھے +

ہزار سال سے بھی پہلے ہم حکموں کو کوہ سوال میں (جو کہ کوہ سیلان کی شمال مشرقی شاخوں کا نام ہے) کی وادی اور حوترہ کی پہاڑیوں میں (جو کہ کون سوال کی شاخیں ہیں) پاتے ہیں +

ہندوہویں صدی عیسوی کے آخر میں جو طوائف الملوکی بنی تھی اس کی وجہ سے قبیلوں کی خانہ کوچی ایک بار پھر شروع ہو گئی اور بعض طاقتور قبیلوں نے کمزور قبیلوں کو ان کی جائے رہائش سے دھکیل دیا + مغرب سے مشرق کی طرف قبیلوں کے اس سیلاب میں بعض خشک بھی بنوں کے شمال میں واقع خشک کم پہاڑوں سے اتر کر آئے تھے اور بنوں کے شمال مشرقی حصہ میں اپنے دیوڑ چرتے تھے (جس کی تفصیل آگے دیا ہے) + یہ تقریباً بابر کا زمانہ تھا + اس وقت قبیلوں کی مجموعی

خانہ کوچی کم ہو گئی تھی اور قبیلوں کا ایک دوسرے سے جگہ پکڑنے کو کافی عرصہ گزر چکا تھا۔ تاہم جب کبھی کوئی قبیلہ اپنی تعداد کے بڑھ جانے کی وجہ سے کسی دوسرے قبیلے کی جائے رہائش کی طرف بڑھنے پر مجبور ہو جاتا تو وہ ساکن قبیلہ اپنی جگہ اس نو وارد قبیلے کے لئے چھوڑ کر اور کہیں ہٹ جاتا تھا۔ کیونکہ اس وقت نہ ہریں تھیں نہ آج کل کی طرح پختہ عمارتیں اور جاہلدادیں۔ بس یہی کینزڈی (جھے) تھے اور اللہ پاک کی وسیع زمین، ایسے میں بھلا زمین کے کسی ٹکڑے کے لئے کون کسی کو مارتا یا مارتا؟ اور اگر جنگ کر کے جیت بھی جاتا تو سوائے کچھ چاروں کے کہنے کے اپنی زمین سے زیادہ تو کچھ پاتا نہ اور اگر مار جاتا تو جگہ مارنے کے ساتھ ہی بہت سی جانیں بھی مفت میں گنوا دیتا۔ کیونکہ پشتوں میں یہ رواج تھا کہ جنگ ہو جانے کی صورت میں جیتنے والے قبیلے کو اپنی جگہ مارنے والے قبیلے کے لئے چھوڑنی پڑتی تھی +

فقطاً فوقتاً اس قسم کی خانہ کوچیاں چھوٹے پیمانے پر آج بھی جاری ہیں + وادی کرم میں توریلوں نے کوہ سفید کے دامن میں بالائی کرم کا علاقہ بنکشوں سے اب حاضی قریب میں پکڑا ہے + اس قسم کی حیران افراہی زور کی بجائے زر کے ذریعے بھی ہوئی ہے جیسا آج کل بنوں میں وزیر قبیل بنوں کے چاروں طرف اور سیح میں سے بنو چیلوں سے زمینیں خرید رہے ہیں۔ یوں تو پشتوں نے ۶۸۳ء کی حدود میں اپنی پہاڑی پناگاہوں سے نکل آئے تھے اور اپنے اپنے آس پاس کے علاقوں میں لوٹ مار کیا کرتے تھے کیونکہ: (۱) دنیا کے بڑے بڑے ڈاکوؤں مثلاً سکندر اعظم، چنگیز خان، ہلاکو خان، سلطان محمود غزنوی، امیر تیمور اور بابر وغیرہ کی مثالیں آئے دن ان کی نظروں کے سامنے گزرتی تھیں جو خود کو بادشاہ کہلانے کے باوجود اوروں کی املاک کو چھیننے کے لئے دور و دراز کے سفروں میں مارے مارے پھرتے تھے۔ پشتوں ان کی مثال قابل تقلید سمجھتے تھے اور جو کچھ وہ بین الاقوامی لٹریچر بڑے پیمانے پر کرتے تھے یہ بھی چھوٹے پیمانے پر کرتے تھے۔

(۲) ہر علاقے کے پشتون اپنے آپ کو اپنے علاقے کے بادشاہ سمجھتے ہیں اور ان کے علاقے میں سے گزرنے والے سے اس کے سر اور دولت کی حفاظت کے بدلے میں کچھ پیشکش کی توقع رکھتے ہیں جو اگر خوشی سے نہ دیا جائے تو بہ زور وصول کرتے ہیں + یہی وجہ تھی کہ لاہور کے راجے نے شیخ حمید لودی افغان کو اس علاقے کے پشتونوں کا سردار اور ملخان اور ملتان کا صوبیدار مقرر کیا تاکہ اس علاقے میں امن بحال رکھے + اور اسی وقت سے غزنی کے اور ان کے بعد کے آلے والے بادشاہ پشتونوں کو اپنی فوجوں میں بھرتی اور ان پر عنایات کرنے لگ گئے +

لیکن ہم یہ مذکورہ اور دیگر قبائل کی خانہ کوچیوں کو الگ چھوڑ کر خٹکوں کی خانہ کوچیوں کی طرف راجع ہوتے ہیں +

بہت پرانے زمانے کی خانہ کوچیوں کی تفصیلات سے ہم ناواقف ہیں اس بارے میں ہماری معلومات محمود غزنوی کے زمانے سے شروع ہوتی ہیں جو ہدیہ قارئین ہیں +

ٹٹک اور بنوں

آج سے تقریباً ۵۰ سال پہلے، خود غوری کے زمانے (۱۲۷۱-۱۲۸۱ء) میں منگل اور اپنی قوموں کے ۲ چھوٹے قبیلے کوہ شوال سے مشرق کی طرف بنوں کے علاقے کو اتر آئے +

ہندوستان کے مشرکوں سے لڑنے کیلئے جانے سے پہلے خود غوری نے پہلے گواٹ کے مشرکوں کو تباہ کیا۔ وہاں اسے بتلایا گیا کہ ست رام (جس کا موجودہ نام آگرہ ہے اور جہاں بنوں کا دار الخلافہ تھا) میں بھی ایک بد عقیدہ قوم آباد ہے جس کا نام بدنی (بدہ) اور عقیدہ ہندوؤں جیسلم ہے + خود نے بنوں کو ۱۲۹۱ء / ۱۲۸۱ء میں تباہ کیا۔ جس کے بعد بنوں تقریباً ۲۰۰ سال تک غیر آباد پڑا اور جنگل بن گیا تھا اور دھندہ کہلاتا تھا۔ یہاں تک کہ منگل اور اپنی یہاں آئے +

منگل اور اپنی نے دریائے کرم کے بائیں کنارے بنوں کا شمالی علاقہ ہکڑ لیا + وہ تعداد میں کم ہونے کی وجہ سے بنوں کا سارا علاقہ آباد نہ کر سکتے تھے۔ اس لئے انہوں نے دریائے کرم سے چند نہریں کھود کر کچھ علاقہ تو آباد کر لیا لیکن باقی کا وسیع علاقہ اپنے پیشمار چوپایوں کے چرنے کے لئے جوں کا توں چھوڑ دیا +

جب خشکوں کی تعداد بڑھ گئی اور کوہ سلیمان کی مشرقی شاخ کوہ شوال کی وادی میں پیرغل چوٹی کے پاس ان کا وزیروں اور ٹپتکوں کے ساتھ گزراہ مشکل پڑ گیا۔ تو بعض ٹٹک کوہ شوال کی مشرقی شاخ کی طرف سے جہے کوہ ٹٹک بھی کہتے ہیں لتمر کی طرف سے بنوں میں داخل ہو کر منگل اور اپنی کی مشرق کی طرف پیر سرداروں کے علاقے پیر قابض ہو گئے جہاں اب احمد زئی، ہرن جیل اور سپیر کہ وزیر آباد ہیں اور جس کی بابت ایڈووٹس نے لکھا ہے: "یہ علاقہ دریائے کرم کی مشرق [شمال] کو تپہ جھنڈ و جیل میں تھا [جہاں پیر اب عابد جیل ٹٹک

آباد ہیں] اور اس لئے خشکوں کا تھل کے ایک حصے پر دعویٰ بیجا نہ تھا۔
 اس وقت خشک اپنی بھڑ بھڑاں وغیرہ سداوت پر تھل دیکھ کر اور
 پیشی میں چراتے تھے اور اپنے جانوروں کی حفاظت کیلئے ان جگہوں
 میں کچھ خام آبادیاں بھی بنائی تھیں اور قافلے تھے۔

بنوں میں تقریباً ڈیڑھ سو سال گزرنے کے بعد منگلوں اور شیوں
 میں آپس کی عداوت پڑ گئی۔ اور اپنی دلوں انہوں نے اپنے سابقہ پیر
 شیخ خود روحانی سپردی کو (جو شاہ رکن عالم ملتانى ولد سید جلال
 سبز بخاری ملقب بہ مخدوم جانیان جہاں گشتہ کا مرید تھا اور ۸۵۰ھ /
 ۱۴۴۷ء یا ۸۵۰ھ میں وفات پایا تھا) غلے کی پیداوار میں سے دسواں
 (عشر) اس کے پاس شوال بھیجا بند کر دیا۔ اس نے ایسا کرنے کا سبب
 جوچھا۔ یہاں سے جواب ملا کہ شریعت کی رو سے عشر حاکم وقت کا حق ہے
 تم تو ایک پیر ہو حاکم وقت تھوڑے ہی ہو۔ نہ تمہیں بطور اسلامی حکومت
 کے حاکم ہونے کے ایسی کوئی ملکی ضرورت درپیش آئی ہے جو لوگوں سے
 دسواں مانگو۔ اور نہ تو تم نے مسلمانوں کا رفاہ عام کے لئے کوئی نیک
 المال کھولا ہوا ہے۔ تم کو ہماری محنت کے پھل میں سے حصہ لینے کا کیا
 حق پہنچتا ہے؟ اور اگر تم خود کو وہاں کا حاکم بھی سمجھتے ہو تو بھی ہم تو
 تمہاری مملکت سے لکل آئے ہیں۔ باوجود تھوڑی تعداد کے چند ہرے
 کہود کر کے آبادی کی ہے جس سے ہمارا ہی گزارہ بہ مشکل ہوتا ہے۔ اس
 پر مستراد تمہارا مفت کا مطالبہ کیا معنی رکھتا ہے۔ یہاں ہم اپنی حفاظت
 بھی خود ہی کرتے ہیں تو تم دسواں مانگتے کس بات کا ہو؟ یہی خیرات
 ذکوۃ اور صدقہ وغیرہ جو تمہیں بھیجتے رہتے ہیں ان پر ہی قانع رہو۔
 اس حق گوئی کے سننے پر وہ پیر سخت بیخ پا ہوا۔ ان پر خار چول کا
 حکم لگایا اور ٹینٹک کی لسل سے کیوی اور سوانٹری بنو چوں کو اپنے بیٹے
 شاہ نیک بین کی سرکردگی میں روانہ کیا کہ بنوں [جو اس وقت ٹھنڈ
 کہلاتا تھا] جا کر بنی اور منگل کو ملک بدر کر دو اور ان کا علاقہ غصب کر لو۔

اس وقت شیتک خود بھی کوہ شوال میں وزیروں کے غلبے سے تنگ آچکے تھے اور وہاں سے نکلنے کی فکر میں تھے۔ اس موقع کو غنیمت سمجھ کر ان کے چار میں سے دو قبیلے ٹورھنڈ کی طرف چل پڑے + اس علاقے میں پہنچ کر دریائے ٹوچی کے جنوب اور کوہ گبر کے شمال میں ورغر میں ڈیرے جلائے جہاں (ورغر میں) ایک جگہ کا نام اب بھی کیوی بیلہ ہے + پھر اور آگے بڑھ کر منگلوں اور ہنیوں کے ساتھ لڑائیاں شروع کر دیں۔ ان لڑائیوں میں بعض ہنی توپس گئے اور بعض ہندوستان چلے گئے۔ اور بعض کچھ منگلوں کے ساتھ واپس مغرب کی طرف چلے گئے + ہنی کا ایک قبیلہ جس کا نام دو مشت ہے کرم کے پاس آباد ہے + منگل کچھ تو مارے گئے + کچھ واپس خوست اور کرم کی شمال مغرب کی طرف چلے گئے۔ لیکن کچھ بنوں میں ہی ڈٹے رہے مثلاً فاطمہ خیل خورد اور فاطمہ خیل کلان میں نامور خیل اور سووانٹری میں بازید خیل +

بعض لوگوں کا یہ خیال قطعاً غلط ہے کہ یہ ہنی سید محمد گیسو دراز کی ایک کمر لائٹری لڑکی سے یا بقول بعض کمر لان کی لڑکی سے پیدا شدہ اولاد ہے۔ کیونکہ ہنی تقریباً ۱۵۶۸ء میں بنوں آئے تھے اور سید محمد گیسو ۸۲۵ء میں مرا تھا + اب اگر بقول تاریخ خورشید چان ص ۲۷۶ اس کی عمر ۱۵۰ سال بھی مان لی جائے تو وہ (۸۲۵ء - ۱۵۰ء) ۶۷۵ء میں پیدا ہوا ہوگا + اور نتیجہ یہ نکلیگا کہ ہنیوں کا ایک قبیلہ یہ صورت ایک قوم اپنے مورث اعلیٰ کی پیدائش سے تقریباً ایک سو سال پہلے بنوں آیا تھا + شیخ محمد روحانی کے نام کی رعایت سے شیتکوں کا بنوں آنا آج سے تقریباً ۶۵۰ سال پہلے عمل میں آیا ہوگا + تاریخ مرصع پر میجر پلوڈن کے ایک حاشیے کے مطابق یہ واقعہ ۱۳۰۰ء کے حدود میں رو پذیر ہوا تھا + تھاربرن بنوں کے بندوبست کی رپورٹ میں اپنے وقت سے ۵۰۰ سال پہلے یعنی ۱۳۰۰ء کی حدود میں بتلاتا ہے +

منگاو اور ہنیوں سے نبرد آزمائی کے بعد شیشنگوں نے خٹکوں کے ساتھ

لگاؤنی شروع کر دی۔

بابر کی کابل کی فتح کے بعد سے چند سال بعد جب خراسان، درہائے دجلہ کے علاقے، کابل اور قندھار کے صوبوں، اور پنجاب اور دہلی کی حکومتوں میں کم و بیش امرا لغری کی حالت تھی، یہی اور بعض منگول بھی بنوں چھوڑ چکے تھے اور شیشنگوں نے بھی اچھے پروپیوں کی طرح رہنے کی بجائے عداوت شروع کر دی تو خٹکوں نے بھی سرداؤنٹر میں مزید بالئش مناسب نہ سمجھی۔ اور بعض تو واپس مشرق کو خواترہ کے شمال مشرق میں اپنے عزیزوں کے پاس چلے گئے اور بعض جو کہ غر کو پار کر کے شمال مشرق کی طرف کربو عنہ میں اپنے عزیزوں کے پاس پہنچ گئے + چونکہ اس زمانے میں ویسے بھی خٹکوں کی شمال مشرق کی طرف ملک گیری جاری تھی۔ اس لئے سرداؤنٹر کے خٹکوں نے بھی اپنی علوا لغری کی وجہ سے اپنے دیگر اعزہ کی طرح نئے اور بہتر علاقے کی طرف جانا مناسب سمجھا +

حیات افغانی کا یہ لکھنا کہ پہلے سبب خٹک سرداؤنٹر میں رہتے تھے اور پھر شیشنگوں نے یہ علاقہ ان سے زبردستی چھین لیا بہ وجوہات ذیل عین خطا ہے : (۱) خٹک جیسی بڑی قوم کا سرداؤنٹر کے تنگ علاقے میں سمانا ناممکن تھا + (۲) خٹک جیسی عظیم التشان اور بہادر قوم کو شیشنگوں کے محض دو قبیلوں (کیوی اور سورنٹری) کا زیر کرنا ملنے کی بات نہیں ہے + (۳) سرداؤنٹر کا علاقہ ایسا نہ تھا جس کے لئے بنوچی خٹکوں کی دشمنی مول لیتے + (۴) سرداؤنٹر پر کسی زمانے میں بھی بنوچیوں کا مکمل تسلط نہیں رہا ورنہ انگریزوں سے پہلے نہ تو وزیر سرداؤنٹر میں رہے چرا سکتے اور نہ یہ علاقہ بنوچیوں سے بغیر لڑے حاصل کر سکتے +

خٹکوں کا قتل کا یہ علاقہ کھولنے میں انگریزوں کا بڑا ہاتھ رہا ہے جس کا ذکر اس کتاب میں آگے قتل کے باب میں آجائے گا کہ انگریزوں

نے کبوں اور کس طرح وزیروں کی طرف داری کی؟ لیکن باوجود اس کے یوں دکھائی دیتا ہے کہ بنوچہوں کے اس قدر سے نہ تھے کہ انہیں پورے سرداروں کی حاجت ہوئی۔ اور اس لئے خشک، مروت اور وزیر بھی یہاں سے چراتے رہتے تھے اور نہ اس علاقے میں بنوچہوں کو اس قدر تسلط ہی حاصل تھا جو دوسروں کو یہاں رہ چرائی سے منع کر سکتے۔ خشکوں کے سرداروں سے کوچ کا حال تو آپ پڑھ چکے۔ اور سرتوں کا اس علاقے سے بے دخل ہونا اور وزیروں کے یہاں پیر جمانا ہمارے موضوع کے ساتھ تعلق نہیں رکھتا۔ البتہ خشکوں کا اپنے قتل سے موقوف کا لکالنا، انگریزوں کا بنوں کا علاقہ قابو کرنے کی غرض سے وزیروں کا شیشکوں کے برخلاف استعمال کرنے اور بدیں غرض وزیروں کا دل جیتنے کے لئے ان کو خشکوں کے قتل میں ایک بڑے خطے کا بلااستحقاق و بلاالضاف دینے کا کچھ حال آپ آگے پڑھ لینگے۔

خوتے میں بسے دلے تری اور ترکی خشکوں کا مشرق میں کیرکھ سے لے کر مغرب میں لہر تک اور جنوب میں عباسہ سے لے کر شمال میں خورم تک پھیلے، چینیوں کا احمد والہ سے خورم اور ترکیوں کا گرگری و غیرہ کو، اور بعض خشکوں کا کربوغہ سے خورم کو اور وٹاں سے اکوڑہ تک پہنچے، شکر دہ کے فتح کرنے، اکوڑہ سے شمال کی طرف لٹڈے درباب کے شمالی کنارے سے کوہ صوات کے دامن تک اور پنجاب میں مکہد کے فتح کرنے، جھلم پر حکومت کرنے اور بہرہ اور خوشاب تک پہنچنے کی تفصیلات آپ اس کتاب میں خشکوں کے مختلف قبیلوں کے بابوں میں پڑھ لینگے۔

بنوں میں عابد خیل پشتو کے وقت سے آباد ہیں۔ یہ خشک ہیں اور اپنا شہر اکوڑ خیلوں سے ملاتے ہیں۔ لیکن جہات افغانی شیتک کے شہرے میں دوسری غلطیوں کی طرح انہیں بھی لکھا گیا ہے کہ بنوں میں صابو خیل خشک و غیرہ کا کچھ ذکر آگے آجائے گا۔

ہنگش علاقے کے اوپر نے اور بابر حصے مغل اور ترک بادشاہوں کے زیر تسلط تھے + اور بابر کے زمانے سے بہت پہلے (غزنویوں کے زمانے سے) کابل، غزنی اور ہندوستان کے درمیان وہ لمبے لمبے اور قابل اغماض بستے جن پر اس زمانے کے بادشاہ اور حکمران گزرنا کرتے تھے ہنگشوں کے علاقے میں واقعہ تھے + اس لئے وہ ہنگش (جو علاقے کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے اور قبیلے کے معنی میں بھی) کو اچھی طرح جانتے تھے +

۹۱۰ء / ۱۵۰۱ء اور ۹۳۰ء / ۱۵۲۳ء کے مابین بابر تین دفعہ پشتونوں کے علاقے پر چڑھ دوڑا تھا + اس وقت بابر کا کردار ایک آدم خود شریائی زانی اور لیبرے کا تھا + وہ جہاں کہیں پشتونوں کو پاتا انہیں مارتا اور لوٹتا اور ان کے سروں سے کلمہ پھنسا دیتا + مثلاً کوٹاٹ میں دیکھا کہ وہ مغرب سے لے کر مشرق میں دریائے سندھ تک ہنگو، ٹل، ہنگش، بنوں اور لکی میں، کابل کے غزنیوں، جلدک اور لغمان کے ماہیں باجوڑ، دیپلے صوات اور کابلنگ کے درمیان کے پشتونوں اور ہندوؤں کو مارا اور لوٹا تھا + وہ انہیں جہان خون کے ظالمانہ طریقے سے بھی مارتا تھا + اور چھوٹے چھوٹے بچوں کو بھی نہ چھوڑتا تھا + وہ بابر نامہ (جلد ۱ ص ۱۲۱) میں لکھتا ہے کہ میں نے حضرت خیل پشتونوں کے تمام بچے بھی قید کئے تھے + بابر نے ۳۷ سال کی عمر میں ۹۲۵ء میں نشہ شروع کئے تھے + وہ اتنی شراب پیا کرتا تھا کہ خود سے بخود چوٹا ہوتا تھا اور قے کیا کرتا تھا + وہ صبح سے شام تک وقت بوقت شراب بھی پیا کرتا تھا اور مہجون اور کمالی بھی کھایا کرتا تھا +

نشہ بازی کے ان دنوں کا اپنی زنا کاری کا ایک قصہ بابر نے اپنے بابر نامے (جلد ۲ ص ۱۷۱) میں لکھا ہے + اس دن اس نے صبح کے پہلے پہر (۹ بجے سے) نمازِ حفتن تک شراب پی رکھی تھی اور وہ اس

دن کے واقعات میں لکھتا ہے: ”تردی بیگ نے مجھ سے کہا کہ پلہل اینگا
تیرے ساتھ شراب پینا چاہتی ہے۔ میں نے اسے کہا کہ جہاں تک میرا
تعلق ہے میں نے تو کبھی کسی عورت کو شراب پیتے نہیں دیکھا۔ اسے
بلا لاؤ + ہم نے کابیر کے لوگوں کو بھی بلایا۔ انہوں نے رباب بجا یا۔
پھر ہم ترودی بیگ کے میں گئے۔ اور شمع کی روشنی میں میں نماز خفتن
تک شراب پی + میں لیٹ گیا اور باقی کے لوگ ایک اور گھر کو
چلے گئے + پلہل اینگا اندر آگھسی اور مجھ بہت ستایا + آخر میں
نے اس سے یوں چھٹکارا پایا کہ جان کو گریا گویا کہ نشہ ہو گیا تھا +“
شراب اور کہاں ، رنا اور گناہ اور پشتونوں کے قتل و غارت
کے ان دنوں اور راتوں میں یوسفزی قبیلے کا سردار شاہ منصور
خالد ملک سلیمان شاہ بابر کے پاس آتا جاتا تھا اور مریدانہ اور
نشہ آور مٹھائی (کمان) بابر کے پاس لے جاتا تھا + (بابر نامہ ۲، ص ۲۳۳) +
ایک دن جب شاہ منصور اپنی قوم کی طرف سے بابر کے پاس
سفارت پر گیا تھا۔ بابر نے یوسفزی لشکر کے ساتھ صلح کی نیت سے
شاہ منصور سے اس کی لڑکی مانگی + اور جہرات ۲۵ ۹۲۵ھ /
۳۷ جنوری ۱۵۱۹ء کو شاہ منصور کے چھوٹے بھائی طاؤس خان نے
شاہ منصور کی لڑکی بی بی مبارکہ کو بابر کے پاس مندریش نامی گاؤں
کو جو کہ وادی کراچ میں واقع تھا پہنچا دیا + (ص ۳۷۵)۔
بابر چوتھے دن (۱۰ جنوری ۹۲۵ھ) کو اس جگہ سے چل پڑا۔ اور
جب چلتے چلتے باجوڑ پہنچ گیا تو ۹ صفر ۹۲۵ھ / ۱۰ فروری ۱۵۱۹ء کو یعنی
پندرہ دن کے بعد بی بی مبارکہ کو تو باجوڑ میں چھوڑ دیا اور خود لے
کو نکل گیا (ص ۳۷۶) جس کے بعد نہ تو بی بی مبارکہ کا کبھی نام ہی آیا
اور نہ اس سے اس کی کوئی اولاد ہی پیدا ہوئی +
یہ تھی بابر کی یوسفزیوں سے رشتہ داری اور بی بی مبارکہ کی
ازدواجیت جس کی بناء پر کیرو لکھتا ہے کہ بابر نے پشتونوں کی بابت

معلومات بی بی مبارکہ سے حاصل کی ہونگی! حالانکہ ۱۵ دن کے قلیل عرصے میں تو وہ ایک دوسرے کی زبان بھی نہ سیکھ سکتے تھے!!

۹۲۵ء سے لے کر ۹۳۰ء تک وہی بابر تھا وہی شراب، بھون اور مٹھائی اور مار دھاڑ اور لوٹ مار، لیکن ۹۳۰ء میں جب بابر ہند پر چوتھی مرتبہ حملہ کرنے لگا تو اس نے ابراہیم لودی کے چچا علاء الدین عالم خان اور ایک دوسرے رشتہ دار دولت خان یوسف خیل لودی کے ذریعے ان دونوں کے لودیوں کو بھی اپنے ساتھ ملا لیا تھا + اور لودی سے لوٹا کاٹ کر بابر نے ۹۳۲ء / ۱۵۲۶ء میں ہندوستان فتح کیا +

بابر کے اس ٹنگ و دو سے واضح ہے کہ ۹۱۰ء سے ۹۳۰ء تک یعنی پورے ۲۰ سال تک تو بابر پشتونوں کا جانی دشمن رہا + ۹۲۵ء میں بی بی مبارکہ کو اپنے پاس بلوایا لیکن وہ پھر ہفتوں کے بعد چھوڑ دیا + ۹۳۰ء میں چند لودیوں کے ساتھ صلح کر لی لیکن یہ دشمن رہندہ کی فتح کی فکر میں سرگرداں رہا - اور ۹۳۳ء میں وہ تھا اور ہند کی شاہی پشتونوں کے ساتھ مسلسل دشمنی، بی بی مبارکہ کے ساتھ دو ہفتوں کی رہائش، اور ہندوستان کو فتح کرنے کے لئے مسلسل لشکر کشیوں کے پیش نظر ہم بابر سے یہ توقع نہیں رکھ سکتے کہ اس نے پشتونوں کی تاریخ لکھی ہوئی - اور ایک دشمن کو دوسرے دشمن کے حالات جاننے کی جس قدر امکانیت ہو سکتی ہے وہ بھی پوشیدہ نہیں - نیز بابر نامہ بھی پشتونوں کی کوئی تاریخ نہیں ہے بلکہ اس میں تو بابر نے اپنے حالات لکھے ہیں - اور اگر کہیں پشتونوں کا ذکر آیا ہے تو وہ بھی ضمناً ہی آیا ہے +

اب ہر چند کہ بابر نے بعض پشتون قبیلوں مثلاً افریدی، اورکزی، بنگش، لوری، دلازاک، وزیر، مہمند، گہاٹری، محمدزی، لوہانڑی، نیاززی، چیلی خیل اور غلجی کے نام لکھے ہیں لیکن بڑے قبیلوں میں اس لئے خٹک، خلیل اور ابدالی کا نام نہیں لیا + حالانکہ ملک دادکرائی بابر کے پاس تو کر تھا +

بابر نے کوناٹ کے خشکوں کا بالہراجت ذکر نہیں کیا۔ بلکہ انہیں بنگش کے چھوٹی نام سے یاد کیا ہے + بابر نے بنگش میں شمال میں کوہ سفید سے لے کر جنوب میں بنوں تک کا سب ملک شامل کیا ہے یعنی اس میں ٹیری کے خشکوں کو بھی شامل کیا ہے۔ اور اس سب علاقے کے پشتونوں کو چھوٹی طور پر بنگش افغان لکھا ہے۔ قبیلوں کا فرق نہیں کیا۔ ٹری اور بولاق کا تومان شہباز خان I نے لکھا ہے میں بنگش کے تومان سے علوہ کیا تھا +

بابر (جلد ۲ ص ۲۳۳) لکھتا ہے: بنوں کی زمینیں بالکل ہموار پڑی ہوئی ہیں۔ بنگش اور لغر پہاڑوں کے پیوسنت جو اس کے شمال میں ہیں + ان کے جنوب مشرق کو چوہارہ اور سندھ کا دریا بہہ + ان کے مغرب کو دین کوٹ ہے۔ جنوب مغرب کو دشت (میدان) ہے جسے بازار اور طاق [ٹاک، ٹانگ] کہتے ہیں + بنوں کی زمینیں افغان قبیلے کمرانی [کرلانی] کیوی، شور، عیسیٰ خیل اور نیازی کاشت کرتے ہیں + بابر کے کیوی اور شور ظاہراً بھوچی ہیں جن میں سور سورانی ہیں + اور عیسیٰ خیل اور نیازی لودی ہیں +

بابر کے وقت خشکوں کے کچھ قبیلے بنوں میں سندھ اوٹر، نعل دیک، چنٹی وغیرہ میں آباد تھے +

صاحبوں نے افریدیوں اور اورکزئیوں کو محض اشارہ کیا ہے۔ لیکن ہمایوں کو شہر شاہ سوری کے ماتھوں افغانوں کی تاریخ لکھنے کی فرصت ہی کب ملی تھی؟

مندرجہ بالا حالات کی روشنی میں اگر بابر نے خشکوں کا ذکر نہیں کیا تو اس میں تعجب کی کوئی بات ہے؟

خٹک اور کوٹاٹ
خٹکوں کی آمد سے پہلے کوٹاٹ ضلع کے جنوب میں کوہ شوال
کی شمال مشرقی پہاڑیوں میں جو اب کوہ خٹک کہلاتے ہیں اور چراٹ
کی پہاڑیوں میں کچھ ہندو بونگی اور ان کے چیلے رہتے تھے۔ بعض خٹکوں
نے یہ علاقے جبراً قابو کر لئے + ان خٹکوں میں سے بعض بنوں میں
سداوترو وغیرہ کے علاقے اپنے مولیشیوں کے چرنے کے لئے استعمال کرتے
تھے + اس کا حال اور بنوں سے چند خٹک قبیلوں کے کوچ کا حال آپ
اس سے پہلے پڑھ چکے ہیں +

بنوں سے بعض خٹکوں کے جانے اور خٹکوں کے پہاڑوں کی طرف
آنے کے ذمے میں خٹکوں کے چند اور قبیلے جو شوال میں رہتے تھے
ملک محمد درویش عرف چھو کے ساتھ آئے اور کربو غہ (جو پیری کے
شمال مغرب میں ہے) اور درہمند (جو کربو غہ سے آٹھ میل کے فاصلے پر
ہے) کے درمیان حسن تنگی کے علاقے میں بس پڑے + بعد میں انہوں
نے کربو غہ بھی آباد کر لیا +

چودھویں صدی عیسوی میں رپسی سے لے کر کوٹاٹ تک یعنی ضلع
کوٹاٹ کے شمال مشرقی علاقے میں اورکزئی قبیلہ آباد تھا - اور مغرب
کی طرف سے بالائی بنگش یعنی کرم تھے کرم کے بستے بنگشوں کے بعض
قبیلے مثلاً باٹی زئی، ملک پیری اور کاغزی پائین بنگش یعنی کوٹاٹ
کو خانہ کوچ آئے تھے اور کچھ کرم میں ہی رہتے تھے جو اب تک وہاں ہیں +
اس سے پہلے ہی خٹک خورہ کا علاقہ بکاش چکے تھے اور اس وقت
بنگشوں اور اورکزئیوں کے بیچوں میں لڑائی تھی - اور خٹکوں کی ان
اورکزئیوں کے ساتھ جو کوٹاٹ کے پرانے شہر کے مغرب میں چند گاؤں
میں آباد تھے کسی بات پر شکر رنجی ہو چکی تھی +

بنگشوں کی مشرق کی طرف پیش قدمی کے دوران میں ان کی
اورکزئیوں سے ٹکر ہو گئی + بنگش بوجہ اپنی کئی تعداد اور لونواریگی

اور کنزیوں کی فکر کے نہ تھے۔ اس لئے وہ ملک مانگنے کے لئے خشکوں کے پاس بہ طور منوالیے چلے گئے۔ اس لئے لقمان کی اولاد میں سے بعضوں نے بنگش کو مدد دی۔ اور پندرھویں صدی عیسوی میں بنگشوں اور خشکوں نے ملکر اور کنزیوں کو تپتی (جو کوٹاٹ شہر سے شمال جنوب کو ہے) اور قندزئی (جو کوٹاٹ شہر سے چار میل مغرب کو ہے) کے میدانوں پر شکستیں دیں۔ اور کنزی کوٹاٹ کے شمال کی طرف واقعہ پہاڑوں کو چلے گئے + اور اور کنزیوں سے کوٹاٹ یعنی بالاٹی بنگش کا علاقہ بنگشوں اور ریلیسی (جو گاؤں پٹیالہ میں کوٹاٹ کے شمال مشرقی حصے میں ہے اور جو خانان خشک نے سید پھول بادشاہ جیلانی متوفی ۱۷۱۱ء کے خاندان کو جاگیر میں دیا تھا) سے لے کر پٹیالہ، زہرہ اور لودہ خیرہ تک یعنی بنگش پایان کا علاقہ خشکوں نے لے لیا + اور لاجی اور گداخیل کا درمیانی پہاڑ خشکوں اور بنگشوں میں حد فاصل مقرر ہوا جواب بھی بحال ہے +

رشید الدین اپنی "جامع التواریخ" میں رقمطراز ہے کہ اس واقعے کو پچھٹے پوٹے پانچ سو سال پہلے ہوا تھا۔ لیکن راورٹی (نولش ص ۹۰) کا خیال ہے کہ "یہ واقعہ اتنا پہلے نہیں گزرا جتنا کہ لوگ سمجھتے ہیں اور تدریجاً ہوا ہے۔ کیونکہ آئین اکبری میں بنگش اور اور کنزی کا ذکر کابل کی سرکار اور کابل کے صوبے کے بنگش کے تومان میں آیا ہے۔ آئین اکبری میں ایک اور جگہ اور کنزیوں پر ضلع کوٹاٹ کے تومان میں تین سو گھوڑے اور پانچ سو پیادے فلتنگ مقرر کیا ہوا لکھا گیا ہے اور دوسرے قبیلوں یا شاخوں کا ذکر نہیں کیا گیا + خشک راور افریدی اور کنزیوں کے ساتھ بنگش تومان میں شامل کئے گئے ہیں + خشکوں پر دو سو سوار اور چار سو پیادے اور افریدیوں پر پانچ سو سوار اور ایک ہزار پیادے فلتنگ مقرر تھا + اسی وقت دور، بنوں اور عیسیٰ خیل

کو کابل کے صوبے کی ایک سرکار لکھا ہے۔ لیکن صرف اتنا لکھا ہے کہ "اس سرکار کے تمام باشندے افغان ہیں جن میں اکثریت سورانی [سورانی] کردانی [کرلانتری] اور وزیر کی ہے، یہ صوبہ صرف نام کا صوبہ تھا کیونکہ یہ نہیں بتایا گیا کہ یہ صوبہ کتنے آدمی یا قلعے دے سکتا ہے + اگرچہ مغل سلطنت کا گزیر ایک حد تک قابل اعتماد سمجھیں تو اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ بنائش ۹۰۶ھ / ۱۵۰۰ء سے پہلے کوٹاٹ نہ لے سکتے تھے +"

اس سے کچھ عرصہ پہلے لقمان کی اولاد میں سے مہندی قبیلے نے (جس کا ذکر آگے آجائے گا) دلازا کوں کے ساتھ مقابلہ کیا اور خوٹہ ان سے لے لیا۔ ان کے بعد ماندوری اور ڈنگرزی بھی خوٹہ چاکر آباد ہوئے۔ خٹکوں اور بنگشوں کا اورکزوں سے مفتوحہ علاقہ آپس میں ہٹ لینے کے بعد، اسی ملک گیری کے دوران میں شیرخان قوم سوریا خیل (جو مہندی اولس میں داخل ہے اور بارک کے بھائی بھر کے تھے) سے (سوریا خیل پہنچا + کچھ عرصے کے بعد شیرخان کا آوازہ انڈوخیلوں [بٹی خیلوں + مہندلوں] کے کانوں تک پہنچا کہ وسیع ملک پایا ہے۔ انڈوخیلوں نے بھی اس کے پیچھے کوچ کر دیا +

چھوٹی بٹی خیلوں کے مسکن کرلوغہ سے اس کی طرف چل پڑا اور شیخ تکی کے پاس ڈبرہ ہا لیا + رفتہ رفتہ انڈوخیل بھی اس طرف پہنچے + ملک چھو کے وقت بٹی خیلوں کا سردار ملک جانی تھا۔ ملک چھو کی موت کے بعد اس نے چھو کے بیٹے اکو کو نشانا شروع کیا + اکو نے ساغری قبیلے کے ساتھ کرلوغہ سے خوٹہ کو کوچ کیا جہاں مہندی، ماندوری اور ڈنگرزی پہلے ہی سے آباد تھے اور کوازدہ میں ٹھکانہ بنایا + ملک جانی کے عزیزوں نے اسے کوسا کہ اکو کو پیگناہ خطہ کیا اور ملک سے گم کر دیا۔ چاہئے کہ اسے واپس منا لاؤ + ملک جانی اکو کے پیچھے خوٹہ گیا لیکن اس نے واپس لوٹنے سے انکار کر دیا +

لیکن خود ملک جانی کو بھی خورہ پسند آگیا۔ بہر وہ درسمند کے
ہنگشوں کی دشمنی سے بھی تنگ تھا۔ کربوغہ لوٹ کر سوچنے لگا کہ
اگر میں اپنی قوم کو یہاں سے لے جانا چاہوں تو وطن کی چاہ کی
وجہ سے کوئی میرے ساتھ نہ جائیگا۔ یہی بہتر رہیگا کہ ہنگشوں
کے ساتھ کوئی دشمنی بنالوں تاکہ میرے سب لوگ میرے ساتھ
کوچ کریں۔

ایک دن درسمند کے سرکردہ اشخاص شکار کو آن لکھتے تھے۔
ہمیشہ کی طرح کربوغہ گئے + ملک جانی نے اسی سب کو کھیت ڈالا +
تب کربوغہ کے بٹی خیلوں کے ساتھ کوچ کر کے شکر درہ میں اترا +
کالا باغ کے اداؤں (جٹوں) کو پتہ لگا تو وہ گھبرا گئے کہ کہیں ہمارا
وطن نہ لے لیں + بسلے انہوں نے بٹی خیلوں پر حملہ کیا + تڑائی ہوئی۔
بہترے آدی مارے گئے + بٹی خیل مارے - شکر درہ چھوڑا اور خورہ
کو سدھارے اور سونیالہ میں مقام کیا +

کچھ عرصے کے بعد اکو کے ساتھیوں ساغری قبیلے کے جوان مردوں
نے شکر درہ پر مکرر حملہ کیا - اور شکر درہ ابد نند کہ ہر دو کو قتل
کرتے ہوئے کالا باغ تک پہنچ گئے +

* * *

خٹک اور پنجاب

زفٹہ زفٹہ خٹکوں نے مشرق کی طرف ٹیری توئی اور دریائے سندھ کے سنگھم تک علاقہ فتح کر لیا۔ اس علاقے کے اکثر باشندے جو جاٹ ہیں لیکن اوان بھی کہلاتے ہیں خٹکوں کی پیش قدمی سے پس پا ہو کر سندھ ساگر دھاب کو چلے گئے جو جگہ دریائے سندھ کے کناروں پر واقع ہے۔ پھر خٹکوں نے یہ علاقہ بھی فتح کر ڈالا اور مکھڑ لے لیا۔ اور مشرق کی طرف سکپسر یا سوان سکپسر (سکی) سنکرت زبان میں جھیل کو کہتے ہیں) جا پہنچے اور وہ علاقہ بھی اوانوں سے لے لیا۔ چنانچہ اوان جا کر بس چلے گئے۔ پھر خٹک دریائے جہلم کے کنارے پہرہ اور خوشاب تک پہنچ گئے اور یہی علاقہ وہاں بھی فتح کر لیا۔

۵ ربیع الثانی ۱۰۵۹ھ / ۱۶۴۹ء کو شاہجہان نے خوشال خان سے

منجملہ اور کئی سوالوں کے ایک سوال یہ بھی پوچھا تھا کہ کیا یہ بھی تمہارے ہی خٹک ہیں جو پہرہ اور خوشاب پر چڑھتے رہتے ہیں؟ خان نے جواب دیا کہ ہیں تو خٹک ہی۔ لیکن کوئی کیسا پتوٹا ہے اور کوئی کیسا؟ (تاریخ مرصع)۔ اس کے بعد خان کے حسن انتظام کی وجہ سے خٹکوں کے اس جانب کے تاخت بند ہو گئے اور خٹک سندھ کے غریبی کنارے کی طرف رہنے پر مجبور ہو گئے۔ لیکن سندھ کے مشرقی کنارے پر مکھڑ کا علاقہ آج بھی خٹکوں کے پاس ہے۔

ایک مرتبہ شہباز خان خٹک ثانی (۱۰۵۹ھ - ۱۰۶۹ھ) نے کالا باغ پر حملہ کیا تھا۔ جنگ میں کالا باغ کا رئیس عزت خان مارا گیا تھا۔ اور خٹکوں نے کالا باغ فتح کر لیا تھا۔ عزت خان کا بیٹا سرخرو خان کوہ سکپسر کو بھاگ نکلا۔ لیکن دوبارہ لاؤ لشکر اکٹھا کر کے کالا باغ جیت لیا۔ اور خٹکوں کے تعقب میں ٹیری تک پہنچ کر لوٹ آیا۔

رؤسلٹے کالا باغ کا شہرہ حسب ذیل ہے :-

ملک عزت خان^۴

سرخرو خان ملک سلطان

شاہ عالم خان محمد اعظم خان وغیرہ

اللہ یار خان (متوفی مارچ ۱۸۷۷ء) نواب خان وغیرہ

(خان بہادر) مظفر خان (متوفی ۱۸۶۸ء) ونباز خان

(خان بہادر) ملک بار محمد خان سلطان محمد خان

ملک عطاء محمد خان (ولادت ۱۸۶۶ء)

مرصہ لقرہا ایک سو ستر سال کا ہوا ہوگا کہ موجود نواب پیری
باز محمد خان کے نکر دادا ناصر خان نے عینی جیل، سروت اور ساغری خشک
کی مدد سے کالا باغ پر حملہ کیا تھا + حملہ آور تین مہینے تک محاصرہ کئے
رہے۔ لیکن آخر کار صلح ہوگئی اور لشکر واپس لوٹ گیا +

خٹک اور پشاور

ملک اکو کے بیٹے بھو خان خٹک اپنے مندر (یوسفزی) سے خورہ
کے شمال سے لے کر لنڈے دریاب کے کنارے پھرتا ہوا علاقہ
فتح کیا تھا +
لنڈے دریاب کے شمالی کنارے کا علاقہ فتح کرنے کا حیلہ آپ
اس کتاب میں باقی زئی کے بیان میں پڑھ لینگے +

* * *

موجودہ وطن

اچل وطن کشمیر دہ ما پردی وطن تہ دے وڑے؟ — زیہم شہزادے
موجودہ وقت میں خشکوں کی آبادی کی اکثریت ضلع کوٹاٹ کے
سابق تحصیل ٹیری اور شکر درہ — ضلع پشاور کے تحصیل نوشہرہ —
اور ضلع راہ پینڈی کی تحصیل مکیڈ میں پائی جاتی ہے +
سابق تحصیل ٹیری میں لہری، مہندی، ترک، بارک، بعض سینی،
بعض خورم، اور بعض بولاق رہتے ہیں +

شیالہ اور زیہہ میں سینی، اکوڑ خیل اور مہندی رہتے ہیں +
شکر درہ میں ساغری ٹک آباد ہیں + ساغری کی ایک شاخ کا نام
بنگی خیل ہے +

تحصیل نوشہرہ میں جینی، اکوڑ خیل اور بولاق وغیرہ رہتے ہیں +
کا کا جیل یا یسن جیل جینی کی ایک شاخ ہے +
خوٹہ اور پنلاہ میں زیادہ تر اکوڑ خیل ہی آباد ہیں جو مجموعی
طور پر بارک ٹک ہیں +

پشاور میں پرگنہ جیل تپہ مہندی، پرگنہ پشت نگر تپہ دھڑی،
پرگنہ خالصہ تپہ خالصہ، پرگنہ ٹک، پرگنہ بوسفری تپہ باٹی زٹی
میں بھی خشکوں کی آبادی پائی جاتی ہے +
مکیڈ میں ساغری رہتے ہیں +

ان بڑی بڑی آبادیوں کے علاوہ خشکوں کی دیگر قابل ذکر آبادیاں
حسب ذیل ہیں: —

تحصیل عیسیٰ خیل ضلع میانوالی اور کالا باغ میں خشکوں کی کافی آبادی
موجود ہے +

اجدنی و زیریوں میں بھی خشکوں کی ایک خاصی آبادی موجود ہے +

تھمیل بنوں میں بھی خٹکوں کی خاصی آبادیاں موجود ہیں۔ مثلاً:
 غری، جھنڈو خیل، کوٹک، ہرام شاہ میں عابد خیل خٹک، غور پوالہ
 کے پاس تھیری کلا، بنوں شہر کے جنوب مشرق کو کوٹک خٹکان ہیں
 اور بنوں شیشن کے پاس کوٹک غلام قادر اور بنظم بازار کے پاس
 کوٹک خٹکان ہیں لہذا خٹک آباد ہیں +

ان کے علاوہ تھمیل بنوں کے اوپر کئی گاؤں میں بھی خال خال
 خٹک آباد ہیں +

عباسی (تھمیل لکی مروت ضلع بنوں) میں آدھی آبادی خٹکوں
 کی ہے +

موضع شہونی خٹک (تھمیل لکی ضلع بنوں میں نصف آبادی گڈی
 خیل خٹکوں کی ہے + اس کا قصہ یوں ہے :- ۱۸۶۴ء میں موضع شہونہ
 کے شہونی نامی گڈی خیل (منڑی، بارک) خٹک نے نواب خواجہ محمد خان
 خٹک کے ایک کاردار کو اس کی بدچلنی کی وجہ سے قتل کر ڈالا۔ اور
 پھر نواب کے انتقام کے خوف سے اپنے چند رشتہ داروں کو ساتھ
 لیکر علاقہ مروت کو بھاگ گیا اور وہاں ایک جگہ ڈیرے چلنے جو
 ایک ریتلا مگر قابل کاشت جگہ ہے جس میں کئی انگڑے (برساتی نالے)
 بہتے ہیں اور درہائے کرم کے شمال کو نریوہ نالہ اور مرغادہ اور ڈڈیوالہ
 نامی دیہاتوں کے آخری حدود کے بیچ میں واقع ہے جس کا کل
 رقبہ ۵۶۸۵ ایکڑ ہے +

۱۸۶۵ء میں اس وقت کے ڈپٹی کمشنر نے یہ سب رقبہ ناجائز طور
 پر خالصہ سرکار ٹھہرایا۔ لیکن خٹکوں اور دولفر و نہروں کو ۱۰۰۰
 ایکڑ کا ایک ٹکڑہ دے دیا۔ ان کی حیثیت تو سرکار کے مزارعین
 کی تھی لیکن یہ بٹائی کسی کو نہ دیتے تھے +

کچھ عرصے کے بعد نواب صاحب نے شہونی کا قصور بخش دیا اور
 اکثر خٹک اپنے گائوں شہونہ کو چلے گئے لیکن کبھی کبھی آکر یا اپنے عزیزوں

کے ذیلے اس زمین پر اپنا قبضہ قائم رکھتے تھے +

ہندوستان کے وقت ۱۸۵۲ء میں یہ سب رقبہ شہونی خشک کے علاقے کا حصہ گنا گیا + خشک اور وزیر سب رقبہ پکڑنے کی کوشش میں آپس میں لڑ پڑے آخر انگریزوں نے ۱۷۳۱ ایکڑ رقبے کو شہونی خشک کا نام دے کر خشکوں اور وزیروں کو اس رقبے کے مکمل مالک مان لیا +

ملاحظہ فرمایا آپ نے کہ وزیروں کو کن کن جیلوں سے خشکوں کی زمین میں حصہ دیا گیا تاکہ انہیں ہر وقت خشکوں یا مڑوں کے برخلاف استعمال کیا جاسکے +

خشکوں کی کچھ آبادی ضلع میانوالی میں ماڑی اور نیکی کے درمیان بھی پائی جاتی ہے +

علاقہ خشک سے علاوہ تقریباً ۲۰۰۰ خشک علاقہ یوسفزی میں جدا جدا آباد ہیں + خشکوں کا تقریباً ۵۰ میل لمبا اور ۱۰ میل چھڑا علاقہ جی کے ساتھ شمال سے جنوب کو لمبا شی پر پڑا ہے - اس کی شمالی حد ضلع پشاور کے یوسفزیوں کے علاقے کے لندے دریا کے شمالی کنارے کے علاقے سے شروع ہوتی ہے - اور اس کی جنوبی حد پنجاب میں کالا باغ، اور عیسی خیل اور بنوں میں مروتوں، بنوچیوں اور وزیروں کے علاقوں پر ختم ہو جاتی ہے + اس کی مشرقی حد اکثر دریائے اٹک کا مغربی کنارہ ہے - لیکن ساغرئی مکھڑ اور اس کے جنوب کو ماڑی تک اباسندھ کے مشرقی کنارے پر بھی آباد ہیں + اور اس کی مغربی حد افریدیوں اور بنگشوں سے جا ملتی ہے +

پر چند کہ خان نے مندرجہ ذیل اشعار میں ”خیل وطن کشمیرہ“ کے مصداق اکوٹے کے علاقے کی سنگلاخ زمین کی تعریف کی ہے

د وطن بینہ اے محانؔ لا پیدا دہ نہ ایمانؔ
نہ دخیل دیار پلوے نہ دخیل دیار تنگوے
نہ دخیل دیار گورگوے نہ دخیل دیار شکرے

نہ د خیل دیار حیر نہ د بل دیار سرہ زرد
 کھٹے لنتہہ سینے دھڑے پکٹے شتہ د مالگو تیرے
 ٹھوک چہ یاد کا ندے لگ زرد قافیہ کثرم د خشک

لیکن خشکوں کا سبھی علاقہ ایسا خوار ہے کہ پھر انسان کا کلیہ بسیج جاتا ہے + بہت سے علاقے میں تو پہاڑ پھیلے ہوئے ہیں۔ جو کبھی تو سرسبز اور اونچے اونچے درختوں، گھنی جھاڑیوں اور قیمتی گھاسوں سے بھرے پڑے تھے لیکن بعد کی بے تحاشا پینرم کشی اور شجرکاری کی طرف مکمل بے توجہی کی وجہ سے لق و دق پڑ گئے ہیں +

گو کچھ عرصہ سے محکمہ جنگلات اس طرف کچھ توجہ دے رہا ہے لیکن بعض جگہ بعض قبائل کی ناسمجھی کی وجہ سے خاطر خواہ کامیابی نہیں ہو رہی اور نہ ہی محکمہ شاہی شکر سے پرے کے پہاڑوں کو توجہ دے رہا ہے +

بعض علاقہ رہتا ہے۔ جو پہلے وقتوں میں تو ویاں آسانی سے زراعت ہو سکنے کی وجہ سے قیمتی لہجور ہوتا تھا۔ لیکن اب دوسرے قبائل کے علاقوں میں نہروں کے گھد جانے سے مقابلتا گھٹیا پڑ گیا ہے + پہاڑوں کے بیچ میں جو وادیاں ہیں ان کی جوڑائی عموماً پانچ میل سے زیادہ نہیں ہے اور پہاڑی ندی نالوں نے انہیں کاٹ کاٹ کر بیکار کر دیا ہے + ان میں کامیاب زراعت کی امید تب ہی ہو سکتی ہے کہ آس پاس کے پہاڑوں پر جنگلات اگا کر ان ندیوں کا پانی قابو میں لایا جائے + مان سون گئی زرد سے دور واقعہ ہونے اور خشکوں کے اکثر پہاڑوں کا شرقاً غرباً واقعہ ہونے کی وجہ سے تمام علاقے میں بارش بہت کم ہوتی ہے۔ تمام خشک علاقہ میں آبی رقبہ صرف ۲ فیصد ہے۔ تاہم جہاں کہیں چشمول یا ارھٹوں کا پانی میسر آتا ہے وہاں باغات لگائے گئے ہیں مثلاً کربوغلہ، چٹائی اور ولٹی وغیرہ ہیں + آخر الذکر کا پانی نوشہرہ چھاؤنی کو موٹے کی وجہ سے باغات نہیں رہے + نخل میں ابھی ٹیوب ویل نہیں لگائے گئے +

لیو غر یا لیو غر

لوا بان خٹک کے ہندو دیوان اور انگریزی دور کے پٹواری یہ نام لوا غر لکھتے چلے آئے ہیں۔ جو کہ غلط ہے + صحیح نام لیو غر ہے۔

لیو غر دا، پہاڑوں کے ایک سلسلے - (۲) ایک بارانی ندی - اور (۳) ہندو لیست کے وقت انگریزوں کے بنائے ہوئے ایک حلقے کا نام ہے + کابل کے جنوب میں ایک جگہ کا نام لوہگر ہے جسے کثرت استعمال کی وجہ سے لوگر بھی کہتے ہیں۔ یہ نام لیو غر سے بہت مشابہ ہیں + لوگر ارٹروں کی قدیمی رہائش گاہ تھی + افغانستان اور خٹک (خٹکوں کے وطن) میں ایک نام کی دو جگہوں کی موجودگی، ارٹروں اور خٹکوں کا ایک دوسرے سے کسی نہ کسی قسم کا تعلق (کیونکہ بعض لوگ خٹک کو آرٹر کا منبئی اور داماد اور بعض بھٹیجا اور داماد سمجھتے ہیں) اور ضلع پشاور میں ان کی ایک دوسرے کے پاس پاس آباد ہاں اس طرف رہنمائی کرتے ہیں کہ ابتداء میں کچھ خٹک بھی ارٹروں کے ساتھ لوہگر میں بسنے ہوئے - جہاں سے پھر خٹک شوال کو اور آرٹر کانٹریگرم (قانی قرم) کو چلے گئے ہونگے +

انگریزوں نے لوا غر کے معنی "بڑا پہاڑ" لکھا ہے لیکن یہ بھی غلط ہے + بڑے کے لئے پشتو کا لفظ لوٹی ہے نہ کہ لوا +

لیو غر کے پہاڑ کے دو سلسلے ہیں جو تھوڑے اور لنڈا کمر تھل کو عبس جیل سے جدا کرتے ہیں + یہ سلسلے گولاٹی میں شمال مشرق سے جنوب مغرب کی طرف جاتے ہیں + تھوڑے کی طرف یعنی شمالی سلسلے کو سر سبزی اور سر رنگ کی وجہ سے شپین غر (سبز پہاڑ) اور عیسائی خیل کی طرف کے یعنی جنوبی سلسلے کو اس پہاڑ کے رنگ کی وجہ سے شور غر (سرخ پہاڑ) کہتے ہیں + شور غر شپین غر سے سخت اور کم سر سبز ہے + لیو غر کے پہاڑوں میں سناٹا نای بولی کثرت سے پیدا ہوتی ہے +

ٹپن غر اور سور غر کے درمیان کی زمین بہت کٹی چھٹی ہے +
اس میں بہت کم زراعت ہو سکتی ہے + زمین ٹھٹھا اور ریتیلی ہے +
بوغز کا حلقہ ٹوٹرہ کی جنوب کو واقع ہے + اور پست
پہاڑیوں کا ایک سلسلہ ان دونوں کو ایک دوسرے سے جدا کرتا ہے +

تھل

اس صحرا کا ایک حصہ ہے جو دنیا بھر میں پھیلا ہوا ہے +
ٹھکوں کا تھل ۱۸ میل لمبا اور ۸ میل چوڑا ہے + اس کا حدود اربعہ
صوبہ دیبل ہے : شمالاً دمانہ کرم، جنوباً درہ تنگ، شرقاً کوہ جنگ
کے دامن میں لٹمر، لٹڈکر، ٹھی لفرقی اور شنوہ گڈی جبل کی زمینوں
کی غریب حد۔ اور غرباً چن جبل، کرم اور شورانی کے پیے۔ جس طرف
اس کا نشیب کرم کی طرف ہے + اسے شمال کی طرف سے بھادر جبل کے
پہاڑوں اور جنوب کی طرف سے بوغز کے پہاڑوں اور ان دونوں
کے بیچ میں ان بارانی ندیوں کے خطے نے بند کیا ہے جو اسے ٹوٹرہ
سے علوہ کرتے ہیں +

تھل کی زمین نرم ریتیلی ہے۔ اور اچھی بارش ہونے پر
اچھی گندم جو، چنے اور باجرہ اگائی ہے + ٹھک ازمنہ قدیم سے
جو تھم گندم ہونے چلے آئے ہیں اسے ٹھکوال گندم کہتے ہیں + اس
گندم کا رنگ سرخ ہے۔ پانی کیم مانگتا ہے اور دیگر پھلوں سے جلو
تربک جاتا ہے + تحصیل کوٹا کی بارانی زمینوں میں بھی ٹھکوال
پیچ بویا جاتا ہے +

بندہ بست کے وقت تھل میں نو گاؤں تھے۔ اب لوکٹی اور بھی
بن چکے ہیں۔ ان میں سے اکثر پہاڑوں کے بھی مارک ہیں۔ لیکن
لٹمر کی طرف کے علاقہ بانی لوگ چھوٹے چھوٹے بانڈہ جات میں
رہتے ہیں جو تمام تھل میں بکھرے پڑے ہیں +

دونوں اور دیگر خطوں کے ساتھ ایک ذیلی خطہ قرار دیا گیا ہے +

بنوچی، وزیر اور مروت اس تھل کے لئے خشکوں سے لڑتے رہے ہیں۔ تھل میں مروتوں اور وزیروں کے جنگوں میں مارے گئے مروتوں کے قبرستان آج بھی موجود ہیں۔ ٹھٹی لہرتی ہے پاس ایک بہت بڑے قبرستان کا نام 'د مروتو مری' ہے + اس سے چند میل شمال کو وزیروں کے مردے دفن ہیں +

تھل کے مغربی حد (سدر اوٹر) تھل دنگ، چٹھٹی اور اُزل) پہلے خشکوں کا بندوبست رہا۔ چرائی قبضہ تھا + تقریباً ۶۵۰ سال پہلے بنوچی بنوں آئے تو انہوں نے سوراٹری تپے کی مشرق کو کچھ تھل پر قبضہ کر لیا + لیکن باقی کا تھل بدستور غیر آباد رہا +
تقریباً ۱۵۰ سال پہلے ٹاک (ٹانک) کی طرف سے نیاز یوں نے گڈاگر پہاڑ کی رہنے والی کمزور اور کم تعداد قوم پوتھی کو مار بھجایا + نیاز یوں سے ۵۰ سال بعد اس قبیلے کی ایک اور شاخ مروت ضلع بنوں کو آئی + نیاز یوں کو عیسیٰ خیل اور میانوالی کی طرف مار بھجایا اور موجودہ تحصیل لکی میں لکی اور بھاٹ پور وغیرہ میں آباد ہو گئے + اور اس بقایا سب تھل کو اپنی رہ چرائی کے لئے استعمال کر رہے گئے + اس زمانے میں ایک تو مروت خشکوں کی بستیوں پر تاختیں کرتے تھے - خشکوں کے سرحدی بانڈہ جات کو جلاتے تھے اور ان کے اونٹ، بیل اور بکریاں وغیرہ لہجاتے تھے + تھالے پوتے تھے اور طرفین کے آدمی مارے جاتے تھے + دوسرے خشک بھی اپنی تعداد کے بڑھنے کی وجہ سے بالائی خوترہ سے زیریں خوترہ کی طرف اور تھل کی طرف بڑھتے جاتے تھے - اور ان کے تھل میں جو جو جاگہیں مروتوں نے ناجائز دیا رکھی تھیں وہاں سے مروتوں کو مار مار کر لھالتے تھے - حتیٰ کہ کئی جنگوں کے بعد اپنا تمام تھل مروتوں سے فتح کر لیا +
خشکوں کے اپنے تھل پر قبضہ پانے کے ۱۵۰ سال بعد آج سے تقریباً ۲۵۰ سال پہلے وزیروں نے بنوں کا رخ کیا + بنوں کے مغرب کو احد

دیباے توچی (ٹوچی) کے جنوب کو ورغٹکا اکثر علاقہ ٹینک کے پری شاخ کی چراگاہ تھی۔ وزیر پہلے تو سردیوں میں اپنے رہے چرائی کے لئے اس علاقے کو لے گئے تھے اور گرمیوں میں واپس چلے جاتے تھے (اپنے پہاڑوں کی طرف)۔ لیکن آخر اتھان نئی وزیر کی شاخوں کا خیل اور جانی خیل نے بنوچیوں کے اس علاقے پر زبردستی قبضہ کر لیا۔ اور انگریزوں کی آمد سے تیس سال یعنی آج سے تقریباً ۱۵۰ سال پہلے دو تیس خیل وزیروں کی شاخوں سپیر کی وغیرہ نے تپہ جندو خیل کے نصف سے زیادہ حصہ یعنی سدر اونٹ، تھل دیک اور پلنگ دبا لیا جو کہ خشکوں اور بنوچیوں کی مشترکہ چراگاہ تھی +

انگریزوں نے اپنی عملداری کے ابتدائی دنوں میں بنوچیوں کو محکوم کرنے کی غرض سے بنوچیوں کے برخلاف وزیروں کی امداد حاصل کرنے کی غرض سے وزیروں کو کئی رعایات دی تھیں جن میں سے ایک یہ بھی ہے کہ خشکوں کا تقریباً تمام تھل وزیروں کو دے دیا + اس افسوسناک واقعے کی تفصیلات یہ ہیں :-

ایڈورڈس (ص ۲۶) بنوں کو اپنی آمد کے پہلے موقع پر لکھتا ہے: "میری تجویز یہ تھی کہ سبھوں کی پرانی تجویز [کہ ہر دوسرے تیسرے سال فوج لا کر زبردستی مالہ اور چٹی وصول کیا جائے] اب چھوڑ دی جائے اور اس وادی [بنوں] کو مستقل طور پر محکوم کرنا اور قبضہ کرنا شروع کر دیا جائے + " اس دفعہ بنوں سے رخصت ہوتے وقت بنوں کی سرحد پر پہنچ کر بنوچیوں سے کہا تھا: "میں پھر آؤں گا اور تمہارا وطن لوں گا + " (ص ۲۷)

ایڈورڈس دسمبر ۱۸۹۴ء میں بنوں کو اپنی دوبارہ آمد کے بارے میں لکھتا ہے (ص ۵۲): "پانچ [دسمبر ۱۸۹۴ء] کو ہم سٹرک سے کلینٹہ اتر پڑے۔ اور جوڑ [کنویں] نامی ایک غیر آباد جگہ میں تنبو گاڑ دئے + ہم وزیروں کے مرکز میں تھے + ہم نے وہاں کیوں کر ٹھہرتے کی ۹.....

یہ خالصتہً ایک دوستی کے اعتماد پر تھی جو میں نے اس پہلے وفد میں
سواھن خان [ساون خان سپیرکھ متوفی مارچ ۱۸۵۳ء] کے ساتھ گانٹھی
تھی۔ جو اپنی طاقتور قوم کا سب سے طاقتور آدمی تھا..... اس نے جی
سے التجا کی تھی کہ وہ آکر مورکرافٹ کے وطن سے باتیں کرے [ص ۴۹
۵۰] + آئندہ منافع پر نظر رکھنے ہوئے میں نے سواھن خان کو اپنا بہان
ٹھہرایا + (ص ۵۲) +

کیرو (ص ۳۳۶) بھی معترف ہے کہ انگریزوں کو ہنجیوں کے
برخلاف وزیروں کی دوستی کی ضرورت تھی +

اس مقصد کے حصول کے سلسلے میں ایڈورڈس نے اس تھل
کا مغربی حصہ وزیروں کو دے دیا۔ اور خشکوں کی کاشتہ زمینوں
کی آخری حد کو خشکوں اور وزیروں کے مابین حد فاصل مقرر کیا۔
(ایڈورڈس ص ۳۱۹) + یعنی کہ غیر آباد تھل میں خشکوں کی رسمہ جرائی
وغیرہ کے لئے کچھ بھی نہ چھوڑا +

تھل میں پینے کے پانی کی تکلیف ہے۔ پہلے تو دش دش بار بارہ
میل سے گدھوں پر پانی لایا جاتا تھا جس آمد و رفت میں پوری رات
کٹ جاتی تھی۔ اب حکومت پاکستان نے پائپوں میں پانی بہا کر اور
کئی جگہ ان کے لئے تالاب بنا کر پینے کے پانی کی تکلیف کو ناقابل التفات
حد تک کم کر دیا ہے +

تھل کی بعض زمینوں کی سیرابی باورانی ندیوں میں بند دے کر کی
جاتی ہے +

میدان کے نام سے بہو عمر کے دامن میں جو پتلی، بہاٹی وادی ہے
اس میں کئی چشے اور گاؤں ہیں +

تھل کی زمینیں کھلی مگر غیر آباد ہیں۔ بعض مقامات پر اور خصوصاً
موضع لنگر کے چاروں طرف گھنے درخت ہیں خصوصاً اس علاقے میں
بیر کا درخت بہ کثرت پایا جاتا ہے +

ایڈورڈس دوسری مرتبہ بنوں آتے وقت لنڈ کمر سے گزرا تھا۔ اس نے ۶ دسمبر ۱۸۵۷ء کو یہاں سے گزرتے وقت اپنی کتاب (جلد ۱ ص ۵۸-۶۰) میں لنڈ کمر کا حال لکھا ہے۔ اس نے اس گاؤں کا نام صرف "کمر" لکھا ہے۔ زمانہ حال میں گاؤں کے نام کے ساتھ یہاں کے رہنے والے قبیلے "لنڈ" کے نام کے اضافے کی وجہ سے یہ کہ خشکوں کے گرنای اس دوسرے گاؤں سے ہمیز ہو جائے ہو خوشحال گڑھ کے پاس واقع ہے۔ آج بھی ڈاک میں بھیجے جانے والے جن خطوط کے پتوں میں لنڈ کمر کے ساتھ ضلع کوٹاٹ لکھا ہوا ہوتا ہے وہ عموماً کمر چلے جاتے ہیں کیونکہ ڈاک کے انتظام کی رو سے لنڈ کمر آج دن تک ضلع بنوں کے ساتھ ہے!

ایڈورڈس لکھتا ہے (ص ۵۸): "کمر ایک گہری خشک ندی کے کنارے پتھر پٹی چٹانوں کا ایک مجموعہ ہے۔ لیکن اس کے ارد گرد کا ملک ایک سرسبز قابل کاشت زمین دکھائی دیتی تھی جس سے پتھر بہت محنت سے ہٹائے گئے تھے اور میلوں تک کچی سبز فصل کے بغیر کچھ سبھائی نہ دیتا تھا۔ تاہم کاشت کے لئے اس گاؤں کا انحصار باران پر ہے۔ اس کے باشندے خشک قوم کے ترکی قبیلے سے ہیں۔ اور پہلے مذکورہ بالا چٹانوں پر پتھر اور مٹی کے بنے ہوئے مکانوں میں رہتے تھے۔ لیکن وہ پرانا موضع ایک لڑائی میں تباہ کر دیا گیا۔" [وہ موضع اوردہ قبیلے والوں نے چلا دیا تھا۔ اور اس کے کھنڈرات

میں اس زمانے کی جلی ہوئی کالی سیاہ گندم آج بھی موجود ہے۔ یہ موضع اوردوں نے اس زمانے میں چلا تھا جب ان کی اور لنڈوں کی آپس میں دشمنی پڑ گئی تھی + دشمنی سے پہلے یہ دونوں یکجا یا ایک دوسرے کے قریب قریب رہتے تھے (جیسا کہ آپ آگے پڑھیں گے)۔ اور یہ نیا موضع [اس جگہ ہوئے موضع سے] تقریباً ۱۰ میل جنوب مغرب کو کھیتوں میں واقع ہے۔ جس میں ہر طرف کالنے اور کانٹے دار

شاخوں سے بنائے ہوئے مکانات ہیں [ص ۵۹] + کمرے ایک کمرہ [۱۲]
 - ۲ میل [کے فاصلے پر پائی تھا جو گاؤں والے چٹانوں کی پشت کو
 ایک انگلی کے کی سوکھی تہہ میں گہرے کنوؤں [خینڑی] سے حاصل کرنے
 تھے + اور گدھوں پر مشک لادے ہزاروں عورتیں ہمارے سامنے آتی اور
 جاتی تھیں + میں نے بعض گدھیاں دیکھیں جو کن کٹی تھیں + اور مجھ
 سے کہا گیا کہ یہ ایک سرائے جو پڑوسی کے کھیت میں آوارگی کی وجہ
 سے ان پر لگائی گئی ہے +

خٹکوں میں تو اب یہ عادت نہیں رہی لیکن بنوچی آج تک اس
 قسم کی آوارہ گردی کے بال جگہ جگہ سے گزر کر اس پر کچھ مل جیتے
 ہیں۔ اور اس قسم کا گدھیا کا شرمناک مرتبہ خون خرابہ پر منتج ہو جاتا
 ہے + اِلا اس صورت میں کہ گدھیا کا مالک فصل کے مالک کو کچھ نواوان
 دیگر راضی نامہ کر لے +

ایڈورڈس آگے (ص ۶۰ پر) لکھا ہے: "اس علاقے میں گھر کے
 بہت سے دھندے اور باہر کے بہت سے بکھڑے عورتیں پٹھانی ہیں۔
 اور ایک غریب پشتون اپنی بیویوں اور زنانہ رشتہ داروں کو ایسا
 سمجھتا ہے جیسے اس کے جائداد پر اسی قدر مزدور ہوں + خینڑی
 کے چاروں طرف سب لڑکیاں کھل کھلا رہی تھیں۔ اور یوں دکھائی
 دے رہا تھا کہ ان میں ایک لڑکی سے چروں یا ٹخنوں کے چھیلنے
 کی کچھ ایسا ہی لڑکھٹا نہ تھی + بلکہ نیک نیتی سے میرے پاس پانی
 لے کر دوڑ پڑیں جو ایک واحد چیز ہے جو کوئی ایسی جگہ مانگ سکتا
 ہے۔ اور اس پر بہت بچہ گئیں کہ میں ایک چھوٹا گھڑا بھی خالی
 نہ کر سکا +

ننڈ کمر ٹھی لہڑی کی شرک سے تقریباً ۳ میل غرب کو واقع ہے
 جہاں تک جانے کے لئے کوئی شرک نہیں ہے +
 تھل پر خٹکوں اور سرتوں کی ایک جنگ کا حال تو آپ بارک

کے باب میں پڑھ لینگے + کرک کی جنگ کے بعد سروت دوبارہ گھر گئے
ولید سیام خان قوم مہداد خیل (میان داد خیل) کی سرکردگی میں لشکر
مرتب کر کے لائے + کرک اور لتمر میں جنگوں کو منہزم کیا اور لتمر
کا گاؤں جلا ڈالا + ان سب جنگوں میں زیادہ حصہ لقمی اور گڈ خیل
نچیلے لیا کرتے تھے + (ملاحظہ ہو جہات افغانی ص ۵۷۲) +

تخل کی مغزی حد ماضی قریب تک جنگوں اور وزیروں میں محل
نزاع رہا ہے + مثلاً مثل حقیقت ۱۸۸۷ء موضع منڈون میں لکھا ہے :-
اس گاؤں کا رقبہ لتمر کے بارک جنگوں اور بنوں کے وزیروں کے دہقان
میں غیر آباد پڑا ہوا تھا - جب دونوں قوموں میں سرحد کا تنازعہ رونما
ہوا تو کپتان پنڈر سن ڈپٹی کمشنر کوٹاٹ اور چیمبرلی کا کس ڈپٹی کمشنر
بنوں کے حکم پر موضع ۵ جون ۱۸۵۸ء کو تصفیہ ہوا - اور یہ رقبہ لتمر
گاؤں کا ہوا + نواب صاحب نے یہ حالت جائیدادی اس پر دخل اور
قبضہ کیا اور مزارعوں کے ذریعے آباد کیا +

اسی طرح اپنی دو ڈپٹی کمشنروں نے ۲۹ دسمبر ۱۸۵۷ء کو موضع عالمشیر
کا فیصلہ کیا تھا + یہ گاؤں خٹک علاقے کے لنڈکر اور نسلج بنوں کے
وزیروں کی سرحد پر واقع ہے - اور ان میں سبب نزاع تھا - اس وقت
یہ گاؤں قدرے آباد اور قدیم غیر آباد تھا - یہ روٹے بنہ برآمدی یہ
گاؤں لنڈکر میں شامل سمجھا گیا - اور لنڈکر کے جملہ مالکان نے (بہ
شمول دیگر اقوام مثلاً لوہار، درکھان وغیرہ) کی ملکیت تصور ہوا + ان
مالکان نے اپنی طرف سے مزارعان میں سے ایک آدمی عالمشیر قوم
خوری خیل (لنڈ) کو سرگروہ مقرر کیا - اور یہ گاؤں اس کے نام پر
مشہور ہو گیا +

انگریزوں سے پہلے بھی تخل کے بعض دیہات کی ملکیت غیر متعین
تھی + مثل حقیقت موضع منٹری ۱۸۸۷ء میں تحریر ہے : "پشتون کو وقت
یہ گاؤں کسی حاکم کی رعیت نہ تھا + سکھوں کے زمانے میں ایک

بار اس گاؤں کا مالکہ (بہ شمول گڈنچیل) سروت کے علاقے کے مالک کے ساتھ ہم نے نواب صاحب ڈیرہ اسمبیل خان کو دیا تھا۔ اس کے بعد ہم نے بہت مدت تک نواب صاحب ٹیری کو دیا ہے۔ اور اس وقت سے نواب صاحب ٹیری کی جاگیر ہے۔“

درختوں کے کاٹے جانے سے اب تھل میں ریت بہت جمع ہوتی ہے اور جا بہ جا ریت کے ٹیلے نمودار ہو گئے ہیں + حکومت کا فرض ہے کہ گہری کاشت اور شجر کاری کے ذریعے اس تھل کو مزید تباہی سے بچائے۔ جیسا کہ سحرشے اعظم کو نابود کیا جا رہا ہے + تھل میں پہلے آبادی نہ تھی + اس کے تمام لوگ موضع زرکی سے نکل نکل کر اپنی اپنی اراضیات میں بارڑہ جات بناتے رہے ہیں +

ثَوْتَرہ

یہ لاجی بہ ثَوْتَرہ و گرزیدلم اس ۴ مہشت دافریلو پہ میدا شہ [خان] لیووغر کو لواغر اور لتمر کو لتمر لکھنے والوں نے ثَوْتَرہ (خ اور مفتوح) کو بھی زمانہ حال کے کاغذات مال اور سرکاری مہبوعات میں غلط طور پر چوتھرہ (ن ساکن ت مفتوح) لکھا ہے + ثَوْتَرہ کا مطلب ہے اونچی زمین + بھادر خیل کراڑ اور لیووغر کے پہاڑوں کے درمیان تپہ بارک کے بیچ میں جو وادی پُری ہے اس کے شمالی حصے کو چوتھرہ کہتے ہیں + یہ ایک چوڑا اور ہموار خطہ ہے گو اس کے بیچ میں کہیں کہیں پست پہاڑیاں بھی ہیں۔ لیکن بہ جنت جوعی یہ ایک بڑا منوعہ خطہ ہے جس کی زمین نرم اور پتلی ہے + اس وادی کے بیچ کا حصہ ایک کھلا میدان ہے + مغرب کو کرک کی طرف منوعہ خطے کی ایک خلا سے لندکر کے تھل سے ملاتی ہے۔ باقی اطراف سے اسے پہاڑوں اور الگڈوں نے بند کیا ہوا ہے + اس وادی کے شمال کو وادی تری

اور جنوب کو لیو غر واقعہ ہیں + اس کی سب سے اونچی کاشتہ زمین کا نام متوڑ ہے - یہ دیہات کا ایک جھرمٹ ہے جو سنگی خیل کے حد کے قریب لیو غر کی پہاڑیوں کی ڈھلوان پر اونچے واقعہ ہیں + متوڑ سے دو میل جنوب کو لیو غر کی سناتے اور زمینوں سے ڈھکی ہوئی چوٹیاں نظر آتی ہیں +

خوترہ میں گندم اور جو بہ افراط لیکن چنے کم پیدا ہوتا ہے + ۱۸۶۶ء میں یہ ضلع کوٹاٹ کے غلے کا معدن کہلاتا تھا + لیکن آج کل یہ شرف خیل کو حاصل ہے +

خوترہ میں بعض جگہوں میں آج بھی پینے کے پانی کی تکلیف جو تالابوں کے ذریعے رفع نہیں کی گئی + یہاں کے لوگ چھوٹے بانڈہ جات میں رہتے ہیں اور ماسوائے کرک یہاں کوئی بڑا سحاؤں نہیں ہے +

کرک موجودہ تحصیل کرک کا صدر مقام ہے + ۱۹۵۲ء میں پیری کی سابقہ تحصیل (جس کا صدر مقام بانڈہ داؤد شاہ اور سب تحصیل کرک تھا) توڑ دی گئی + اس کا کچھ شمالی حصہ تحصیل کوٹاٹ اور کچھ تحصیل ہنگو کے ساتھ ملا دیا گیا - اور اس کے جنوبی حصے کو تحصیل کرک کا نام دے کر موضع کرک کو اس کا صدر مقام ٹھہرایا گیا - جس تک نہ تو دم تحریر تک کوٹاٹ سے کوئی پختہ شرک آتی ہے - نہ میونسپل کمیٹی ہے اور نہ ہی ٹوٹنٹائیڈ ایریا ہے + نہ یہ سب دیوڑن ہے - اور نہ ہی یہاں کوئی کالج یا پبلک لائبریری یا پارک ہے نہ یہاں سینما ہے - نہ دم تحریر تک یہاں بجلی ہی پہنچی ہے - نہ یہاں مقدمات دیوانی کی سماعت کے لئے کوئی بندوبست ہے - غرضیکہ ایک نہایت غیر موزن جگہ ہے جہاں نہانے کو بھی پانی نہیں ملتا اور پینے کا پانی بھی کہاری ہے - اس سے تو وہی پرانی جگہ بہتر تھی + اس تحصیل سے نو خٹکوں کے ہوائے کے علاوہ کچھ حاصل نہیں ہوا +

۶ دسمبر ۱۹۱۱ء کو ایڈورڈس لنڈکر سے گزر کر کرک گیا تھا جس کی بابت وہ لکھتا ہے (جلد ۱ ص ۶۰) کہ کرک کوئی گاؤں واؤں تو ہے نہیں۔ ویسی ہی ایک مضامین جیسی ہے جو کھیتوں میں بے ترتیب بکھرے ہوئے پتھر اور مٹی کے بے پوئے گھروں پر مشتمل ہے + اور ان متعدد ارٹھوں کی وجہ سے جو فصلوں میں نظر آتے ہیں اور اس وطن میں بہت شاذ ہیں کرک ہندوستانی علاقے کی طرح نظر آتا ہے +

ایڈورڈس کے وقت سے پہلے کرک اُس پہاڑی پر رہتے تھے جو موجود تحصیل کی عمارت کے سامنے ترخہ الگڈہ کے شمالی کنارے پر واقع ہے جہاں اُس زمانے کے کھنڈرات میں ریم آہن بہ کثرت پایا جاتا ہے + آج کل کرک ترخہ الگڈہ کے جنوبی کنارے پر ہموار زمینوں پر آباد ہیں +

کرک نے گاؤں کی شکل اب دو پشت سے یعنی شروع کی ہے۔ یہاں کے بوڑھوں کو آج بھی گاؤں میں پٹری ہوئی مزروعہ زمینوں کی جگہیں یاد ہیں اور کچھ تو راقم اطراف کے سامنے آباد ہو گئی ہیں + کرک میں تحصیل بننے ہی لوگوں نے لب شرک زمینیں خریدنی شروع کیں اور بعض کرکیوں نے بھی گاؤں سے شرک کی طرف نقل مکانی شروع کی۔ لیکن کچھ عرصے کے بعد یہ رفتار دھیمی پڑ گئی۔ لوگوں نے شرک کے کنارے بارہ ہوٹل بنا ڈالے جن میں سے اکثر کا کاروبار ماند پڑ رہا ہے کیونکہ ذرائع آمد و رفت کے بڑھ جانے سے اب لوگوں کو کرک میں کم ہی ٹہرنا پڑتا ہے + ذرائع آمد و رفت کے بڑھ جانے سے یہاں کی تجارت پر بھی اثر پڑا ہے۔ چنانچہ اب کرک کی بجائے سورٹھاگ اور لہتر غلے کی منڈیاں بن چکی ہیں اور آس پاس کے لوگ کرک سے ٹھوک مال خریدنے کی بجائے بنوں، شہنڈ، سرگودھا اور لاٹل پور وغیرہ سے مال لاتے ہیں + دھنڈ، جیل سے لے کر پنجاب

کی طرف شرک بن جانے سے کمرک کی تجارت اور بھی ماری جائیگی۔
 کیونکہ لوگوں کو کمرک سے مال خریدنے یا لاکر بیچنے کی مجبوری نہ رہیگی۔
 کمرک میں فی کس اوسط زرعی زمین ۸ کنال ہے + زمین کی کمی اور
 کھاری پانی کی وجہ سے نہ تو یہاں ٹرے کا رخانے بن سکتے ہیں اور نہ
 ہی بجلی سے کوئی فائدہ لیا جاسکتا ہے۔ گھر گھر کی دشمنی کی وجہ سے
 یہاں مشترکہ ٹیوب ویل بھی نہیں لگایا جاسکتا + خام پیداوار اور فنی
 تعلیم کی کمی کی وجہ سے گھریلو صنعتوں کا مستقبل بھی تاریک ہے۔

پورے پشتونخوا میں صرف کمرک ہی ایک ایسا گاؤں ہے جس میں
 کوئی چوک نہیں ہے۔ یہاں کے محترم دہاکر کے وقت صوبہ دار کی سرٹہ
 کے سامنے شرک پر زمین پر بیٹھ کر گپ لگاتے ہیں۔ یہ لوگ ایک
 دوسرے کو اپنی پگڈنڈی پر گزرنے، اپنے کھیت میں رفع حاجت کرنے
 یا اپنے کنویں سے پینے کے لئے پانی کا گھڑا بھرنے بھی نہیں دیتے۔
 علاقہ خشک میں یہ عام دستور ہے کہ مسافر پگڈنڈی کے کنارے کے
 کھیت سے چنے کا بوٹہ لگا کر یا باجرے کا سیٹہ ٹوڑ کر اس کے دالے
 رستے میں بھانکتا رہتا ہے۔ فصل کا مالک برا نہیں مانتا۔ لیکن کمرک کا
 ماشی خیل ایسا کرنے پر انجان مسافر کے ٹھیک دو چھتر رسید کرتا ہے
 ایک دائیں گال پر اور ایک اس کے بائیں گال پر اور اس سے کہتا ہے کہ
 ”ویرہ پرے کیشی خو دکو نہ“ جواب ان کے متعلق ایک کہاوت بن
 چکی ہے۔ اور شہ مسافر کے ماتھے سے والیس چھین لیتا ہے۔

آج کل کمرک کی نصف آبادی پشتونوں کی اور نصف کہیں کی ہے۔
 کہیں میں سے جولاہے، بنگلہ اور دھولی چیف بنگلہ کے ایک خیمے کی رو سے
 ۱۹۲۸ء میں اپنی قومیت کا قریشی کا انتقال درج کرنے میں کامیاب ہو
 گئے ہیں۔ انھوں نے اپنی شہادت میں کالا باغ کا پیر پوری والا (دیوزکو
 پیرپیش) کہا تھا جس نے کہا تھا کہ میں انہیں جانتا ہوں۔ میرے پاس آتے
 جاتے ہیں۔ کمرک کے بعض ناندانی حجام بھی اپنے آپ کو قریشی کہتے ہیں۔

کمرک کے ماشی خیل آپس کی دشمنیوں میں الجھے بیوٹے ہیں اور
 یکن تجارت، کاروبار اور سرکاری نوکریوں پر چھائے بیوٹے ہیں +
 چار پشتون بھی آپس میں اکٹھے نہیں ہو سکتے کہ کسی معاملے کا تصفیہ کر
 لیں۔ یا کسی میاں کے پاس دوڑے جاتے ہیں یا کسی غیر پشتون کو
 اہل ترکہ مقرر کرتے ہیں۔ اسی بے اتفاقی کی وجہ سے نوٹہ ایک ان کی
 بنیادی جمہوریت کا ایک رکن غیر پشتون اور صدر باہر سے آیا ہوا ایک
 میاں تھا +

تھیل کمرک کی موجودہ آبادی ۹۸۰۷۷ ہے جس میں سے ۸۱۸۷۷
 مرد اور ۱۶۹۸۶ عورتیں یعنی ۱۰۰۰ مردوں کے مقابلے میں ۱۰۳۰ عورتیں ہیں۔
 یہاں ۷۶ گاؤں ہیں + کل رقبہ ۱۳۰۱ مربع میل ہے +

موضع کمرک کی آبادی ۱۵۹۱۴ ہے + ۲۲۸۳۰ مرد اور ۱۲۳۰۸ عورتیں یہاں
 کل ۲۶ گھر ہیں جن میں اسی قدر کہتے ہیں +

خوترے کا دوسرا قابل ذکر گاؤں شمشکی ہے۔ شمشاد جسے پشتو زبان
 میں شمشکی کہتے ہیں) کے درختوں کی کثرت کی وجہ سے یہ نام پڑ گیا ہے + یہ
 گاؤں کافی بلندی پر واقعہ اور کافی سرد ہے۔ یہاں فوڈنی بیوٹے بھی پائے
 جاتے ہیں جنہیں ترقی دینے کی کافی کوشاں ہے + شمشکی کی سب سے
 قابل ذکر ہستی ڈاکٹر عجب خان ہے جو بہت بھراخلق اور نیک طبیعت کا
 انسان ہے +

شمشکی تک پختہ شرک بن جاتے پر یہ جگہ صحت افزاء مقام یا تفریح گاہ
 بن سکتی ہے + حکومت اس طرف دھیان دے رہی ہے +

خوترہ میں بہت بارش اور خصوصاً لیٹو غر کے دھلوان کے مقامات پر
 چھوٹے چھوٹے گاؤں آباد ہیں + لوگ علودہ علودہ بانڈوں یا گھروں میں رہتے
 ہیں + کیونکہ بارش کے دنوں میں الگڈوں کی وجہ سے اپنے آدھ میل دور کھیت
 کو ایک گھنٹے میں بھی نہیں پہنچ سکتے +

خوترہ میں درخت عموماً نہیں پائے جاتے + پینے کا پانی الگڈوں کے

ہیم کے متعدد چشموں سے حاصل کرتے ہیں + کمرک کی طرف کنوئیں بھی ہیں جو درختوں سے گھرتے ہوئے ہیں + خوترہ میں اکثر بھا چلتی رہتی ہے + اس کا مشرق حصہ (شمشکی وغیرہ) بہت ٹھنڈا ہے +

سردی کے موسم میں بالائی خوترہ کی تقریباً تمام آبادی پنجاب کی طرف چلی جاتی ہے + سرد مزدوری کرتے ہیں اور عورت ایک ایک گھر جا کر بھیک مانگتی ہے - اسی لئے خوترہ میں ایک ایک عورت چار چار ہزار کی قیمت پاتی ہے + سردی بھر خوترہ کے سالم کے سالم گاؤں اتر جاتے ہیں +

بہادر خیل نری وادی

نری کا مطلب ہے وہ ہموار زمین جس کے چاروں طرف پہاڑ ہوں + یہ وادی شمال کو بہرائٹی کے پہاڑوں اور جنوب کو بہادر خیل کمرک کے پہاڑوں کے ہیم میں واقع ہے + شمال کی طرف وزیروں کے علاقے کی طرف اس وادی کو کافرکوٹ کے پہاڑوں نے آدھا بند کیا ہوا ہے + ٹیری ٹوٹی درہ سے نکل کر اس وادی میں بہتا ہے +

بہادر خیل کے پاس اس وادی کے چوڑائی چار چار میل کے قریب ہے - مشرق کی طرف یہ وادی تنگ ہوئی جاتی ہے اور اس کے آخری ۱۶ میل تو حص ایک تنگنا ہے جس میں ٹیری ٹوٹی اباسندہ کی طرف بہتا ہے + اس وادی کا بیشتر حصہ انگلوں کا ایک بیکار جال جیسلا ہے - ایک آدھ جگہ ہموار اور قابل کاشت ہے + بہادر خیل اور دریش خیل کے گاؤں کے چاروں طرف ایک بڑا میدان ہے + اور جو گاؤں نری کے

جموئی نام سے کہلاتے ہیں وہ ایک دوسرے بڑے بڑے مزروعہ قطعے میں ہیں + اس وادی کی اکثر نداعت بڑے بڑے فیتوں کی صورت میں ہے جو ایک دوسرے کے اوپر پہاڑوں میں واقع ہیں + پانی عموماً ٹمکین ہے +

بہادر خیل گاؤں سطح سمندر سے ۲۱۱۰ فٹ اونچا ہے + ۱۸۸۴ء میں آبادی ۱۴۲۲ تھی + یہ گاؤں بہادر خان (ولہ جیدرخان ولہ برکی ولہ ماشی المشہور بہ اوتد) قوم عزیز خیل کے نام پر مشہور ہے + شاخ عزیز خیل خیدرخان

کی عورت عزیزہ کے نام پر مشہور ہے۔ [کی خیل اور حنین خیل بھی حیدر کی بیویوں کی اور حنینہ کے ناموں پر مشہور ہیں] شجرہ یوں ہے :-

(کی) ————— (حنینہ) ————— حیدر خان ————— (عزیزہ)

شہزادہ شہنشاہ نظر تشر نامہ حضرت بہادر خان کرمیوں بہادر خیلوں کی آبادی کا تفسیر یوں ہے۔ کہ جب حیدر خان کی اولاد زیادہ ہو گئی تو اپنے ترپوروں عمر خان خیلوں، بائین خیلوں، دودی خیلوں اور غٹری خیلوں سے جدا ہو کر پہلے غنڈی پر جا بسے۔ پھر گڑوڑی کے حد میں مرغونہ، پھر احمد والہ [مہند والہ] اور پھر لٹمر کو چلے گئے۔ اس وقت موضع بہادر خیل کا کل رقبہ قوم دریش خیل کے قبضے میں تھا جن پر وزیر ہمیشہ دھاڑے لگا لکھتے تھے۔ عرصہ تقریباً ۶۰۰ سال کا ہوا ہو گا کہ دریش خیلوں نے بہادر خیلوں سے جو اس وقت لٹراور سورڈاگ میں آباد تھے مدد مانگی۔ بہادر خیلوں سے بتو اور جان پیگ کی اولادوں میں سے کچھ کسان ہمہ دور قوم کے چند ہمسایہ گان کے دریش خیلوں کی مدد کو گئے۔ یہ پہلے خوجی الگڈہ (جسے آج کل زڑہ مبلہ کہتے ہیں) کے متصل زمین میں مکانات بنا کر رہنے لگے۔ اور دریش خیلوں کے مدد دسان بن کر وزیروں کو ڈاکوں سے روک دیا۔ پھر جب بہادر خیل اپنے گھروں کو لوٹنے لگے تو دریش خیلوں نے یہ کہہ کر روک دیا کہ ہمارے مقبوضہ رقبے میں سے آدھارے لو مگر لوٹو مت + اور جو رقبہ آج کل موضع بہادر خیل کہلاتا ہے وہ علودہ کر کے انہیں دے دیا۔ اور بہادر خیلوں نے زڑہ مبلہ کی بجائے توٹی الگڈہ کے کنارے مبلہ نامی جگہ میں گاؤں بنایا۔ اور ۱۸۵۳ء میں یہ موجودہ گاؤں بدیں وجوئات بنایا۔

پہلے کوٹاٹ سے بنوں کو شاہی شرک نری پانوس اور کرک میں خونی الگڈہ میں سے گزرتی تھی۔ بہادر خیل کے نمک کے کانوں پر قبضہ رکھنے کے لئے انگریزوں نے آٹے پی یعنی ۱۸۵۰ء میں پیرانی شرک کی

بجائے بھادر خیل اور سوڈاگ سے سرک گزارنے کے لئے نمک کے
 فضول جنوری ۱۸۵۱ء میں پیدا ہوا دسے۔ جو کانوں کے آس پاس کے
 رہنے والوں کا بالخصوص اور عام خشکوں اور تاجروں کی ناراضگی کا سبب بنا
 فروری ۱۸۵۱ء میں انگریزوں کی افریدیوں پر لشکر کشی کی وجہ سے
 خشک اور بھی برہم ہو گئے اور بھادر خیل کی طرف کے خشک لڑنے
 کو اٹھ کھڑے ہوئے + لفٹیننٹ پولک دو عدد توپوں، فرسٹ پنجاب
 ریجمنٹ کی ایک کمپنی اور ۳۵۰ نفر فوج کے ساتھ ان کے علاقے کو
 پہنچا۔ خفیف سے مقابلے کے بعد پولک لٹر کو بھاگ نکلا + اور مقابلے
 تب تک جاری رہے جب تک اپریل ۱۸۵۱ء میں نمک کا معمول نہ
 گھٹایا گیا +

اکتوبر ۱۸۵۱ء میں بھادر خیالوں نے طوطکی کے پاس کوناٹ بنوں
 سرک کی محافظ یوی کو شکست دے کر بھادر خیل کی نمک کے
 کان پر قبضہ کر لیا۔ لیکن آخر کار پکتان کوک اور لینفینٹ پولک کے
 لشکروں نے بھادر خیل لے کر بھادر خیل کا قلعہ بنانا شروع کیا +

اس وقت تک خشک اور وزیر جو دونوں پشتو کے وقت سے
 سمل گندی میں تھے باہم متفق تھے۔ لیکن نومبر ۱۸۵۱ء میں وزیروں
 نے گندی اور دوستی کو پاؤں تلے دلاتے ہوئے موضع بھادر خیل پر
 حملہ کر دیا۔ لیکن گاؤں والوں اور چار پنجاب کی ہیدل فوج کی ایک کمپنی
 نے وزیروں کو شکست فاش دے دی +

۱۸۵۲ء کے موسم گرما میں خشکوں نے ایک بار پھر انگریزوں کے بڑا
 جہاد کیا۔ جس کی وجوہات یہ تھیں کہ (۱) انگریزوں نے ۱۸۴۹ء میں نری
 اور لٹر میں فوجی چوکیاں بنائی تھیں + اور (۲) انگریزوں نے رانی زبوں پر
 حملہ کیا تھا +

اس جہاد میں بھادر خیل، کرک اور لہو غر کے خشکوں نے حصہ لیا تھا +
 انہوں نے انگریز فوج کو شکست دے کر نمک کی کانوں پر ایک بار

پھر قبضہ کر لیا۔ اور لیوٹننٹ کے خٹکوں نے نری کی چوکی کو لینے کی تیاریاں شروع کر دیں +

تب اس وقت گاڈپٹی کمشنر رانی زلیوں کو بہ حال چھوڑ کر فسٹ پنجاب کی سالم پیادہ فوج ۳۰ پنجاب پیادہ فوج کی ۱۴ کمپنیاں اور فسٹ پنجاب رسلے کے ۴ سکواڈرون خٹکوں کے مقابلے کے لئے لایا اور ۱۴ جون ۱۹۴۷ء کو بھادر خیل پہنچا + رن پٹرا + انگریزوں نے مطیع ہونے کو کہا لیکن خٹکوں نے کہا کہ دو دو ہاتھ تو دبکھینکے پھر دیکھا جائیگا + مقابلہ ہوا + کافی مقابلے کے بعد بھادر خیلوں نے گاؤں خالی کر دیا۔ اس پاس کی پہاڑیوں کی چوٹیوں پر چڑھ گئے اور بدستور لڑتے رہے +

گاؤں کو خالی پا کر درندہ صفت کوک نے گاؤں میں پسماندہ پیواؤں، بچوں، بیماروں اور چوپایوں کو تپہ تیغ کیا اور گاؤں کے تمام گھر سہا کر ڈالے +

انگریزوں کے اس قسم کے سفاکانہ مظالم کے ایک صفحے کے بعد لمر اور سورڈاگ کے لوگ تو اطاعت بجا لائے لیکن لیوٹننٹ کے لوگ (جن کا وطن دوز اور دشوار گزار تھا) اگلے سال یعنی ۱۹۴۷ء تک لڑتے رہے جب امن قائم ہو گیا تو انگریزوں نے اہالیان بھادر خیل کو یہ مستبدانہ حکم دیا کہ اپنا گاؤں چھوڑ کر خوازی انگڈے کے کنارے بنیا گاؤں بناؤ۔ تاکہ تمہارا گاؤں ہمارے نئے قلعے کے بس میں ہو + (ملاحظہ ہو گزٹیر آف کوٹاٹ ص ۱۱) +

گاؤں اور شہروں کا قلعوں کی زد میں بنوانا انگریزوں کی ایک عام حکمت عملی تھی + دلپ نگر (بنوں شہر) کی تعمیر کے بیان میں ایڈورڈس (ص ۲۰۰) لکھتا ہے: ”یہ بنیا شہر قلعہ دلپ گڑھ سے ۱۰۰۰ قدم دور ہوگا۔ یوں کہ ہماری ٹوپوں کے زد میں نہ ہو لیکن [ہوچوں کی] بندوقوں کے زد میں نہ ہو + پشتون زمینداروں کا لمبا جزیل“

۱۰۰ قدم پر اچھی مار کرتا ہے۔ اور بلا شش پت دور چلا جائیگا +

کوٹاٹ کے موجودہ شہر کی تعمیر کی بابت گنریٹر آف کوٹاٹ ص ۱۸۳ میں لکھا ہے: ”یہ شہر جسے دولت خان ولد باٹی خان ولد اسماعیل نے بسایا تھا پہلے قلعے کے شمال کو چٹنوں کے قریب پڑا تھا۔ یہ موجودہ شہر الحاق کے بعد بنایا گیا ہے۔“ یہاں بھی حکمتِ عملی یہ ہے کہ کوٹاٹ کا پرانا شہر قلعے کے قریب تھا۔

بھادر خیل کا تھانہ انگریزوں نے ۱۸۵۳ء میں، لتمر کا ۱۸۶۹ء میں اور لکر کا ۱۸۸۱ء میں بنایا تھا۔

اھالیان لتمر نے ترتیب مثل حقیقت ۱۸۸۶ء کے وقت بیان دیا تھا کہ ”ہم نے انگریزوں سے پہلے کسی کو فلنگ نہیں دیا۔“ اس کی وجہ یہ ہے کہ انگریزوں سے پہلے وہ لوگ مخلوں اور سکھوں کے اجارہ داروں یعنی اکوڑ خیلوں کو فلنگ دیا کرتے تھے۔ جیسا کہ آپ اس کتاب کے دوسرے حصے میں پڑھ لینگے۔

موجودہ کاغذات میں لتمر کا نام لتمر لکھا ہوا ہے۔ جو سراسر غلط ہے۔ خشک آج بھی اس گاؤں کو لتمر کہتے ہیں۔ اس گاؤں کا یہ نام اس لئے پڑ گیا ہے کہ یہ پہلے پہل لتمر نامی خورہ کے کنارے آباد ہوا تھا۔



ٹیری

موضع ٹیری سعد اللہ خان ۱۱۹۱ھ کے وقت سے مغربی خشکوں کا دار الخلافہ چلا آیا ہے + موجودہ خان خشک باز محمد خان یہیں بنایا ہے + یہ گاؤں ٹیری ٹوٹی کے کنارے واقع ہے جو گمر گری کے پاس لگتا ہے اور تقریباً ساٹھ میل تک کوٹاٹ کے بیچ میں تقریباً سیدھی لکیر میں (جو ایک یا دو میل سے زیادہ ادھر ادھر تو نہیں ہوتی) مغرب سے مشرق کی طرف بہنے کے بعد دریائے سندھ میں گرجاتا ہے + بارش کے دنوں میں اس ٹوٹی میں بہت سا پانی آجاتے اور اس پر پل کے نہ پونے کی وجہ سے آمد و رفت بند ہو جاتی ہے - لیکن یہ پانی جلد ہی ختم ہو جاتا ہے +

ٹیری کوٹاٹ سے ۳۴ میل اور کوٹاٹ بنوں سڑک سے پانچ میل دور واقع ہے - گاؤں کے آس پاس چند کنوئیں اور باغات ہیں + گاؤں اور شمالی پہاڑوں کے درمیان ایک خاصی کھلی وادی ہے + یہ گاؤں سطح سمندر سے ۱۹۰۰ فٹ کی بلندی پر ایک اونچے ٹیلے پر واقع ہے جہاں سے چاروں طرف کا علاقہ بخوبی نظر آتا ہے اور پشتو کے نعلے میں فوجی نقطہ نگاہ سے ایک اچھی موزوں جگہ تھی +

موضع ٹیری سے مغرب کا علاقہ عموماً دھ کھلاتا ہے + اس وادی کے شمال کو سولانی سر پہاڑ جو ۸۷۱۷ فٹ اونچا اور جنوب کو میرانڑی کے اسی قدر اونچے پہاڑ واقع ہیں + درے کی کھلی وادی دکن تک پہنچاؤں کی ٹیری ہے + درے کی آبادی گنجان اور بارانی زراعت بہ کثرت ہے + اس کھلے اور پہوار میدان میں جا بہ جا خوشے اور پست ٹیلے بھی نمودار ہو جاتے ہیں -

ٹیری کی موسم سرما کی خشک اور فرحت افزا آب و ہوا بہترین ہے + ۱۸۸۶ء میں اس گاؤں کی آبادی ۱۷۰۰ تھی جس میں سے ۳۰۱ ہندو تھے + ٹیری کی تحصیل ضلع کوٹاٹ کے جنوب میں واقع ہے - اور علاوہ

شکر درہ کے ضلع کے سب جنوبی علاقے کو احاطہ کئے ہوئے ہے + اس
 رقبہ ضلع کے رقبے کے آدھے سے کچھ زیادہ اور منروہ رقبہ ضلع کوٹاٹ
 کے منروہ رقبے کے ۱/۲ ہے۔ لیکن اب کرک کی نئی تحصیل کے بن
 جانے کی وجہ سے ٹیری سے مغرب کا علاقہ تحصیل بنگو کے ساتھ اور ٹیری
 سے گمٹ اور دربوگچ تک کا علاقہ تحصیل کوٹاٹ کے ساتھ ملا یا گیا ہے
 اور مندرجہ بالا تینوں میں فرق آگیا ہے۔ سابق تحصیل ٹیری کا ۲ فیصد
 سے بھی کم علاقہ پانی سے سیراب ہوتا ہے۔ یہ آبپاشی کچھ تو خوترہ میں
 کنوئیں کے ذریعے، کچھ چشموں کے ذریعے اور کچھ ندیوں کے ذریعے ہوتی ہے۔
 اس تحصیل کے بارانی علاقے کی سرخ اور پیاس سیٹے والی گندم جسے
 خشکوال گندم کہتے ہیں اور باجرہ ضلع کوٹاٹ میں بہترین ہیں۔

تپہ درہ کے باشندے عموماً وہ بارک ہیں جو تحصیل ٹیری کے جنوبی
 علاقے میں نہ سہانے کی وجہ سے شمال کی طرف کوچ کر گئے +
 اس تحصیل کی آمدن کا سب سے بڑا ذریعہ یعنی نمک کی کانیں
 انگریزوں نے نواب ٹیری سے دس ہزار روپیہ سالانہ کے عوض زبردستی
 چھین لی تھیں۔ حالانکہ ان کانوں سے انگریز ۱۹۰۵ء میں بھی چھ لاکھ روپے
 کماتے تھے + یہ کان مالکین، جٹہ اسمبلی خیل، بہادر خیل اور کرک
 میں ہیں +

تحصیل ٹیری کا رقبہ ۳۹۸، ۹۷۷ ایکڑ، ہنری رقبہ ۲۰۱۷ ایکڑ اور
 چاہی رقبہ ۱۹۰۵ء میں ۶۶۱ ایکڑ تھا۔ لیکن اب چاہی رقبہ بھی اور بارانی
 رقبہ بھی بنجر علاقوں کے آباد کرنے کی وجہ سے بہت بڑھ گیا ہے +
 ۱۹۰۵ء سے پہلے کی مردم شماری میں تحصیل ٹیری کی آبادی ۱۲، ۹۶۰

لکھتی +

پہلے تو حواہن ٹیری ٹیری کے جنوب کے ضلوں پر حکومت کرتے تھے
 لیکن جب بنوں سے کوٹاٹ کو یہ نئی سڑک بن گئی اور انگریزوں نے
 نواب خواجہ محمد خان کو اپنے محروسہ علاقے میں مالیہ وصول کرنے کے

لئے تحصیلدار کے اختیارات سوئپ دئے تو نواب صاحب کی سہولیت کے لئے اسی سٹرک کے کنارے بانڈہ داؤد شاہ میں بڑی اور کمرک میں چھوٹی تحصیل بنا ڈالی +

ٹیری میں شبی خیل اور موکی قبیلے آباد ہیں + بندوبست ۱۸۹۱ء-۱۸۹۲ء کے وقت ان قبیلوں نے یہ بیان دیا تھا کہ ہم مروت معروف محمد نئی [موزی] ولد بولاق کی شاخ ٹھک پشتون ہیں - ہمیں اپنے مورث اعلیٰ تک اپنا نسب نامہ یاد نہیں ہے + لیکن محمود غزنوی (۹۹۷-۱۰۱۳ء) کے وقت ہمارے مورث غزنی سے یہاں آئے تھے + اور غیر آباد علاقہ آباد کر کے اس پر قابض ہو گئے تھے + تقریباً ۱۶۰ سال ہوئے ہونگے کہ [۱۸۸۴ء - ۱۹۰۴ء] سعد اللہ خان اپنے سگے بھائی محمد عابد خان کے ساتھ علاقہ پشاور سے اس ملک کو آکر حاکم بن بیٹھا - اور جہاں یہ گاؤں اب پرا ہوئے آباد ہو گیا + حکومت کا اس کی اولاد کے ماتھے میں ہونے کی وجہ سے اس کی اولاد ہم سے عموماً منبر سے اراضیات زبردستی چھین لیتے تھے اور کچھ غیر آباد علاقہ بھی آباد کیا اور اس پر قابض ہو گئے + اب اس گاؤں میں تین طرف ہیں : (۱) شبی خیل ، (۲) موکی اور (۳) خانزادگان (اکوڑ خیل) +

ہیٹے شبی خیل اور موکی نے ایک کھیت پر ایک گاؤں آباد کیا جس کا نام کنڈاؤ کلہ تھا اور جو موجودہ آبادی سے ایک میل شمال کو تھا - وہاں پانی کی تکلیف تھی + جب سعد اللہ خان اکوڑ خیل نے موجودہ آبادی کے موضع پر رہنے کی جگہ بنائی تو پیرانی آبادی کے باشندے بھی اس نئی آبادی کو چلے آئے - اس لئے وہ پیرانی آبادی ویران ہو گئی جس کے کھنڈرات اب بھی موجود ہیں + کیونکہ یہ آبادی ایک اونچی جگہ پر بنائی گئی تھی جسے اس ملک کی زبان میں ڈھیری بولتے ہیں اس لئے اس گاؤں کا نام ڈھیری پڑ گیا اور پھر غلط العام زبان میں ٹیری مشہور ہو گیا + رسول خان حاکم سے پہلے کے وقتوں میں ہم پر مالیہ مقرر نہ تھا

اس نے پر مالک پر چار روپے سالانہ فی گھر مقرر کئے۔ ۱۷۵۰ء کے
 سرسری بندوبست کے وقت مالیہ مقرر ہوا جو ہم پہلے لواب صاحب
 [خواجہ محمد خان] کو دیتے تھے اور اب خالصاً صاحب محمد ظفر خان کو ادا
 کرتے ہیں۔



گرگری

میں ۱۸۹۳-۹۴ء کے وقت موضع گرگری کے مالکان نے بیان دیا تھا: "بہت عرصہ گزرنے کی وجہ سے ہمیں مفصل حال نہیں معلوم۔ لیکن سنی سناٹی بات ہے کہ چھ سو سال ہوئے ہونگے کہ پہلے پہل امندی ولد ترکی چوکہ خشک کی چھٹی پشت میں ہے چشتی نامی رقبہ پر جو کہ اب امان کوٹ میں ہے قبضہ کیا۔ کچھ مدت کے بعد امندی سرگیا اور امندی کا بیٹا سرکی اور بہرام شاہ وہاں گزارہ نہ ہونے کی وجہ سے وہاں سے چل پڑے اور گندپری کلی پر قبضہ کر لیا۔"

یہاں موٹ ترکی نے اس گاؤں کے رقبہ پر جو کہ اس وقت ایک بڑا ویران جنگل تھا تھوڑی سی آبادی کی۔ اس وقت سے ہم ترکی کی اولاد اس گاؤں کے کل رقبہ پر مالک اور قابض چلے آ رہے ہیں۔ ترکی نے جب یہاں آکر اس گاؤں کا رقبہ آباد کرنا شروع کیا تو وزیروں کے تاختوں کی وجہ سے موجودہ آبادی سے شمال کی طرف پہاڑ کے قریب بستی بنائی اور وہاں رہتا تھا۔ بعد میں جب اس علاقے میں امن قائم ہو گیا تو وہاں سے اٹھ کر یہ موجودہ آبادی بنائی اور یہاں بس گیا۔ پہلی آبادی میں گگرہ کے بوٹوں کی پتھارت کی وجہ سے گاؤں گرگری کہلا گیا۔ سردار رسول خان حاکم وقت کی عملداری سے پہلے ہم علاقہ غیر سے نزدیک ہونے کی وجہ سے مالیہ سے معاف تھے۔ اس نے اس گاؤں کا ۳۲۰ روپیہ کابلی مالیہ مقرر کیا۔ اس کے بعد نواب خواجہ محمد خان نے اس گاؤں کی کوئی جمع مقرر نہ کی تھی۔ ہم بٹائی دیا سونے تھے۔ ضلع کوٹاٹ کے سیشنمنٹ رپورٹ ص ۱۸۶ میں لکھا ہے: "گرگری کے باشندے بہت اعلیٰ لیکن بہت ہندی لوگ ہیں۔" انگریزوں نے یہ الفاظ نواب وقت کی حایت میں لکھے ہیں۔ کیونکہ گرگری کے لوگ

نواب صاحب کے ساتھ اصرار کرتے تھے کہ ان سے الحاق کے وقت سے جو پانچواں حصہ بٹائی اور ۶۴۰ روپیہ نقد لئے جاتے ہیں یہ زیادہ ہے اور اس میں کمی کی جائے + اور ان سے بھی اسی قدر برائے نام بٹائی لی جائے جو بعض دیگر دیہاتوں سے لی جاتی ہے جو وادی کے بالاٹی حصے میں واقعہ ہیں + [حالانکہ انگریزوں کے خیال میں ان کی زمینیں ٹیری کی بہترین زمینوں میں سے تھیں]

ہندو بستی کے وقت گمرگری کے مالکان اراضی نے جو بیان دیا ہے وہ غیر مسلسل اور بے ربط جیسا ہے + انہوں نے یہ نہیں بتلایا ہے کہ ترکی کہاں سے اور کیوں آیا تھا + لیکن قبیلہ لہرقی نے جو بیان دیا ہے اس سے ترکی کی کوچ کا مفصل حال معلوم ہو جاتا ہے + ترکی کی اولاد کو آج دن تک یہ حقیقت اچھی طرح یاد ہے کہ وہ لہرقی کی اولاد کے عزیزوں یعنی رشتہ داروں میں سے ہیں - اور جب کبھی کوئی لہرقی ان کے گاؤں چلا جاتا ہے تو یہ لوگ اسے کہتے ہیں کہ ہم اور تم آپس میں بھاٹی بھاٹی ہیں - اسی طرح لہرقیوں کو بھی علم ہے کہ ہمارے ایک بھاٹی کا نام ترکی تھا جس کی اولاد اب ان اکناف میں آباد ہے اور ترکی کہلاتی ہے +

جو قبیلہ اپنی اصلی رہائشگاہ سے کوچ کر جاتے ہیں انہیں اپنا شجرہ اور دیگر کوائف کی تفصیلات اچھی طرح یاد نہیں رہتیں جیسا کہ آپ نے کوڈ گے کی اولاد کے شجرے کے حال میں مطالعہ فرمایا اور جس کا تھوڑا سا ذکر شجرے کے باب میں بھی کیا گیا + اس لئے یہ بھی غنیمت ہے کہ ترکی حقیقت حال سے قطعاً ناخبر نہ ہیں +

لاچی مالگین وادی -

یہ چوڑی وادی سوانے سر اور گنگاٹ کے پہاڑوں کے بیچ میں واقع ہے + اس کا مشرقی حصہ مالگین کا میدان اور مغربی حصہ لاجی کا میدان کہلاتا ہے + اس وادی میں (خصوصاً مغرب کی طرف) بہت سے گاؤں اور عمدہ زراعت کے بڑے بڑے قطعے موجود ہیں + اور اس وادی کے مشرق کی طرف ابا سندھ کی طرف ٹوٹے پھوٹے پہاڑوں کا سلسلہ ہے + اس وادی کی مٹی دھوٹ ہے + بعض کتابوں میں لاجی کی بجائے لاجی لکھا ہوا ہے جو کہ غلط ہے + لاجی سطح سمندر سے ۱۵۵۰ فٹ بلند ہے + ۱۸۸۲ء میں لاجی کی آبادی ۳۰۵۵ نفوس پر مشتمل تھی +

انگریزوں کی عملداری کی ابتداء میں ایک سڑک جٹہ اسمبلی خیل سے مالگین جاتی تھی اور مالگین سے براہ ٹنڈ اور جبر حلقہ کو بھی کوہ اور ویاں سے ایک اور خیر آباد کی سڑک کے ساتھ مل جاتی تھی + اس سڑک پر نمک مالگین کی کانوں سے وادی پشاور کے مشرقی علاقوں کی طرف لیجا یا جاتا تھا + ایک سڑک مالگین سے کوٹاٹ بھی جاتی تھی + مالگین کے کانوں سے بہت پرانے وقتوں سے نمک نکالا جاتا تھا + جٹہ کی کان خان (۱۰۲۲-۱۱۰۰) کے زمانے میں شروع ہوئی تھی + شہباز خان II نے ۱۷۹۰ء میں پہلی بار ٹیری کی کانوں پر محصول لگایا تھا + سکھ جٹہ اور مالگین کی کانوں کے چھ ہزار روپیہ سالانہ ٹیری کے خان سے لیا کرتے تھے +

ضلع کوٹاٹ کا سب نمک خٹکوں کے علاقے میں شمال میں لاجی کے پہاڑوں سے لے کر جنوب میں کرک تک اور مشرق میں ابا سندھ کے اس پار سے لیکر مغرب میں وزیروں کے پہاڑوں تک پایا جاتا ہے + اس نمک کا رنگ پیلا خاکستری ہے اور اس کی گہرائی کا ابھی تک کسی نے پتہ نہیں چلایا کہ کتنی ہے + خٹکوں کے نمک کے ذخیرے کے

شمال میں بنگشوں کے پہاڑوں اور جنوب میں لیڈو غریب تک نہیں ہے۔
 خشکوں کا خشک سوات، بنیر، باجوڑ، ننگر پار، پارہ چار، افغانستان
 ڈیرہ اسماعیل خان اور پنجاب تک جاتا ہے۔

انگریزوں نے اندازہ لگایا تھا کہ یہ خشک ۵۰۰ سال تک کافی رہیگا۔
 سو سال سے زیادہ تو گزر چکے ہیں اور اس وقت تو خشک پیلوں لڑھوں
 اور اونٹوں پر لیجایا جاتا تھا اور لکاس کم تھا لیکن اب تو خشک بہت
 ہی زیادہ مال لے جاتے ہیں اور شاید یہ خشک اب چار سو سال سے
 پہلے ہی ختم ہو جائے

لیکن جو امر زیادہ تشویشناک اور ہماری حکومت کی فوری توجہ
 کے قابل ہے وہ یہ ہے کہ ہر دفعہ بارش ہونے کے بعد بہت سا خشک
 پہاڑوں سے ندیوں میں بہہ کر ضائع ہوتا رہتا ہے۔ اور اس قوی
 دولت کو یوں بہتا اور ضائع ہوتے ہوئے دیکھ کر دل کو صدمہ پہنچتا

ہے اگر ان ندیوں میں بند ڈال کر پانی کو سورج کی گرمی سے خشک
 ہونے دیا جائے تو بھی بہت ہی معمولی خرچ سے بہت ہی زیادہ
 خشک حاصل کیا جاسکتا ہے +



شکر درے

شکر درہ شتہ خوجیہ ٹے نشہ +
 دریا ٹے سندھ کے شمال کو ساگری خشکوں کا علاقہ واقع ہے
 جس کا صدر مقام شکر درہ ہے + شکر درہ ایک ناکونہ علاقہ ہے جس
 کے مشرق میں دریا ٹے اٹک اور شمال کو ٹیری توٹی بہتا ہے +
 شکر درے کی زمین نرم ریتیلی ہے - اور بعض ظریف الطبع
 لوگ کہتے ہیں کہ یہ نام اصل میں شگہ دوہ تھا + (شگہ پشتو زبان
 میں ریت کو کہتے ہیں +

شکر درے میں تین چار گاؤں ایک دوسرے سے پیوست پیوست
 ہوئے ہیں - ہندوستان کے وقت انگریزوں نے اس سب علاقے کو
 ایک موضع کا نام دے دیا + شکر درے کے علاقے میں بارہ گاؤں
 ہیں اور اس کی آبادی ۱۸۸۲ء میں ۱۵۰۰ نفوس تھی +

یہ ایک زرخیز اور اچھی طرح سے آباد وادی ہے - لیکن اس کی تمام
 زراعت بارانی ہے - یہاں گندم اور باجرا پیدا ہوتا ہے - ساگری
 علاقے کا بقایا حصہ پہاڑوں اور الگڈوں (سیلابی زلیوں) نے برباد
 کیا ہوا ہے + شمال میں لگوڑی وادی میں پہاڑ کا بنگالہ سرچیک سندھ
 دریا تک پہنچا ہے + حققی اور گراوان کے پہاڑوں کے بیچ میں غیر
 مستقل اور گراوان کے پہاڑوں اور ابا سندھ کے درمیان تھوڑی سی
 فضاء ہوتی ہے + شکر درے کے دو دیکھوں میں سے ایک حکومت
 کے قبضے میں ہے اور اس میں کچھ جگہوں میں بوٹیوں کا جنگل ہے +

شکر درے کا گاؤں پھیلا ہوا پڑا ہے + یہاں کی زمین میں نمی بہت
 زیادہ ہے اور نیچی جگہوں میں پانی ٹپکتا رہتا ہے + یہاں کے اکثر آدمی
 فوج میں لوکر ہیں اور ساہا سال تک اپنے گاؤں سے باہر رہتے ہیں +

شکر درے کا ساگری سردار درانی بادشاہ کو اسی دہے سالانہ
 بہ طور قلمک دیا کرتا تھا - اور بادشاہ کے طلب کرنے پر ۸۰ سوار بھی مہیا کرتا تھا +

شکر درے میں جگہ بہ جگہ سندھ کے پانی سے بہ ذریعہ دھلائی جو سونا حاصل کیا جاتا ہے اس پر وٹاں کا جاگیردار پانچ روپیہ فی فمچہ لگان لیا کرتا تھا + اس میں سے جو دھلائی شکر درے کے حد میں پہنچی تھی اس میں سے جاگیردار سرکار انگلشیہ کو کچھ نہ دیتا تھا کیونکہ شکر درے کا تمام مالیہ جاگیردار لیا کرتا تھا - لیکن جو دھلائی راولپنڈی کی جانب ہوا کرتی تھی اس کی آمدنی میں سے جو تھا حصہ وہ اور تین حصہ سرکار انگلشیہ لیتی تھی - کیونکہ راولپنڈی کے مالیہ میں سے صرف جو تھا حصہ جاگیردار لیا کرتا تھا +

الحاق سے پہلے غلام مصطفیٰ خان شکر درے کا جاگیردار تھا جو ہر فصل پر چار روپے فی گھر وصول کیا کرتا تھا + ۱۹۰۵ء میں مکہڈ کا خان شیر محمد خان شکر درے کا استمراری جاگیردار تھا - پھر اس کا لڑکا شیر احمد خان مکہڈ کا جاگیردار بنا +

شکر درے سے ایک سڑک کالا باغ کو جاتی ہے جو بیس میل لمبی ہے + اس سڑک کی اب کالا باغ سے لے کر شکر درے سے تین میل تک دوبارہ مرمت کی گئی ہے اور اس پر موٹروں وغیرہ کی معمولی آمد و رفت ہوتی ہے - اس سڑک کے بن جانے سے پشاور سے کالا باغ (برستہ شکر درے) جانے میں تین سو میل سفر کی بچت ہو جائیگی +

شکر درے سے ایک رستہ مکہڈ کو جاتا ہے جو وٹاں سے ۱۶ میل دور ہے + شکر درہ سے ۳۳ میل شمال مشرق کو ایک کمپنی نے پٹرول تلاش کرنے کے لئے ایک آبادی سی بنائی ہے اور چھیدنے کا کام بھی شروع کر دیا تھا شکر درے کے بہت سے لوگ کمپنی میں نوکر ہو کر خوشحال بننے لگے تھے - لیکن تھوڑے ہی عرصے میں چھید کرنے والے برے کا سنبہ ٹوٹ گیا اور وہ کام ایسے بند پڑ گیا کہ ابھی تک دوبارہ جاری نہیں ہوا +

پشمال

یہ ایک چودہ میل لمبا اور آٹھ میل چوڑا میدان ہے۔ کوٹاٹ سے خوشحالگڑھ جانے والی سڑک اس کے بیچ میں سے گزرتی ہے۔ پشمال کا بڑا گاؤں خوشحالگڑھ دریا کے کنارے کوٹاٹ سے ۲۹ میل مشرق کو سطح سمندر سے ۹۲۵ فٹ کی بلندی پر واقع ہے۔ ۱۸۸۵ء میں خوشحالگڑھ کی آبادی ۱۲۴۱ تھی۔ یہ ایک پتھریلا علاقہ ہے۔ اور خوشحالگڑھ کا ریل کا سٹیشن دریا کے اس پار گاؤں سے ایک میل کے فاصلے پر بنایا گیا ہے۔

پشمالے کا دوسرا مشہور گاؤں چرنکی، آبادی میں خوشحالگڑھ سے زیادہ لیکن شہرت میں اس سے کم ہے۔

پشمالے زمرے سے مشرق کو واقع ہے۔ پشمال کے مغرب میں گرگاؤٹ کے سلسلے کے پہاڑ، جنوب میں کوٹاٹ کا ٹوٹی اور اس کے اس پار پہاڑ ہیں۔

اس علاقے کا مشرقی آدھا (بہ شمول خوشحالگڑھ) اکوڑ خیل ٹکوں کے قبضے اور تحصیل کوٹاٹ میں ہے۔

پشمالے ایک کھلا میدان ہے۔ لیکن اس میں کئی جگہیں، خصوصاً دریا کے ایک کی طرف) انگڑوں نے برباد کر ڈالی ہیں اور اس میں جا بہ جا نیچی پہاڑیاں ہیں، پھوٹ پٹری ہیں، کاشت بارش اور چھوٹے انگڑوں میں بند ڈالے سے ہوتی ہے۔ عام فصل گندم، باجرہ اور تیل ہے۔ زمین جا بہ جا سخت دومیٹ اور جا بہ جا نرم ریتیلی ہے۔ اچھی بارش ہو جانے پر اچھی فصل اگاتی ہے۔

دریائے اٹک پر خوشحالگڑھ کا ریل پشمالے کے علاقے میں واقع ہے۔ خوشحالگڑھ اور خوزہ خیل (واقعہ زمرے) کا جاگیردار بلند خان خٹک امیر خلی ہیں ریتا تھا۔ یہ جاگیر محمد افضل خان ثانی کی ریاست میں تھی اور الحاق سے قبل بلند خان کے چچا مرٹھی خان نے محمد افضل خان II سے چھینی تھی۔

۱۸۵۳ء سے پہلے محمد افضل خان II اور مرٹھی خان کی اس پر آپس میں
 لڑائی بھی ہو چکی تھی +
 ۱۹۰۵ء میں سعد اللہ خان امیر کلی کا اور اس کا سوتیلا بھائی تپہ کوہی میں
 خوشی لکڑھ اور خوزہ خیل کے جاگیردار تھے +

زیڑہ

اس نام کا صحیح تلفظ زیڑہ ہے + جنوب کی طرف جنوبی اردو کی
 (جواکی) کے پہاڑ زیڑہ کو پھیلائے سے جدا کرتے ہیں + زیڑہ اور پھیالہ
 کو اب حلقہ کوہی کہتے ہیں + زیڑہ کی عام حالت خوزہ کی طرح ہے جس
 کا ذکر اس کے بعد آجائے گا +

زیڑہ کو خوزہ سے چار میل چوڑے پہاڑوں نے جدا کیا ہے جن میں
 لوڑوسر ۱۸۲۰ء اور پھیلاپ غاشہ ۲۸۳۴ فٹ اونچے ہیں + زیڑہ بھی
 اکوڑخیلوں کی جاگیر تھی +

یہ استثنائے خوشحال لکڑھ، خوزہ خیل، منوری تنگ اور زیارت شیخ
 اللہ داد افضل خان II زیڑہ اور خوزہ کا حاکم تھا + اس کے وقت اس
 علاقے میں طوائف الملوک تھی + انگریزوں کے الحاق کے وقت زیڑہ
 آدم خیل افریدیوں کی شاخ اردو کی کے جلوں کی وجہ سے تقریباً غیر آباد
 تھا اور اس کی آبادی اب بھی بہت قلیل ہے + یہ سب علاقہ تقریباً منہر
 ہے + جو آدھا حصہ جنگل ہے اور جس میں پلوئے کے درخت پیدا ہوتے
 ہیں وہ انگریزوں نے دبا لیا تھا + الحاق کے بعد انگریزوں نے ہرٹے چٹنی
 نمبر ۱۶۶۲ مورخہ ۱۹۰۵ء محمد افضل خان سے اس کی جاگیر غصب کر کے اسے
 پشاور جلاوطن کر دیا +

۱۸۵۱ء میں کوٹ کو پشاور سے جدا کر کے علیحدہ ضلع بنایا گیا +
 زیڑہ کے جنگل سے لوگ بے تحاشا لکڑیاں کاٹ کر جلاتے اور بیچتے

تھے۔ لیکن ۱۸۸۳ء میں حکومت کا دھیان اس طرف پڑنے سے یہ تباہی
قد سے کم ہو گئی۔

زیرہ میں بھی تقریباً وہی درخت اگتے ہیں جو خوڑہ میں لیکن ویلے
گنجان نہیں ہوتے۔ زیرہ کی زمین خوڑہ سے زیادہ کٹی پھٹی ہے۔
تورہ سر پہاڑ کی ایک شاخ اسے تقریباً دو حصے کر رہی ہے۔ خوڑے
کی طرف زیرہ کے کاؤں کی آخری گھاٹی زیارت شیخ اللہ داد ہے۔ (دیکھو
اس کتاب میں زیارتوں کا باب)۔

ویلے تو محمد افضل خان II کی تمام جاگیر ضلع پنڈی کے مفروروں
کی آماجگاہ تھی جو جب چاہتے آکر لوٹ مار کر جاتے اور جب دریاٹے
سندھ کو پار کر جاتے تو ان کا الحاق نہ کیا جاتا لیکن زیرہ میں شیخ اللہ
داد کا گاؤں زیادہ بدنام تھا اور ہمیشہ قاتلوں اور دوسرے مجرموں سے
بھرا رہتا تھا۔ اس لئے بھی کہ اس گاؤں کا محل وقوع لوٹ اور
دناؤں کے لئے موزوں تھا اور اس لئے بھی کہ اس گاؤں کی تبرک
کی وجہ سے ملزم یہاں مہنون رہتے تھے۔

بالائی زیرہ میں صرف دو تین گاؤں ہیں جن میں چشموں سے
آبیاشی کی جاتی ہے۔ عام فصل گندم، باجرہ اور تل ہے۔ خوفہ جیل
میں آبی زمین بہت زیادہ ہے۔ دریاٹے الگ کی طرف کا علاقہ مقابلتا
زیادہ کشادہ ہے جسکی زراعت بارانی ہے۔

۱۸۵۹ء میں انگریزی سیاست کے تحت محمد افضل خان II کی جاگیر
(زیرہ اور خوڑہ) کو ضلع پشاور سے علیحدہ کر کے ضلع کوٹاٹ کیساتھ ملائی گئی۔
زیرہ کا مشہور گاؤں شادی پور ہے جو اب سندھ کے کنارے واقع
ہے۔ ۱۸۸۸ء میں اس گاؤں میں بیس گھر تھے۔ زیرہ کے دیگر گاؤں
کے نام پستہ خندہ، سین، مندونی، تورستی، خواجہ جیل اور درخشہ جیل ہیں۔
لفرنی اور ترکی کے بہائی بند مہندی زیرہ میں بھی رہتے ہیں۔

خوڑہ

یہ تیراں پہ سوات پہ خوڑہ در پہ در شوم
 بیام کوم لوری تہ تہ بیابے آسمانا (خان)
 خوڑہ زیرہ کی شمال کی طرف واقع ہے + خوڑہ پشتو زبان میں
 بہاڑی مذی کو کہتے ہیں + خوڑہ میں بڑے بڑے خوڑے کا نام موسیٰ دہ
 ہے جو اس کے بیچ میں بہتی ہے اور جس کا پانی پھنے کے کام آتا ہے +
 علاقہ خوڑہ کے اکثر خوڑے موسیٰ دہ میں گرتے ہیں + لیکن جو بہت
 مشرق کی طرف ہیں وہ سیدھے ابا سندھ میں گرتے ہیں + خوڑہ ایسے
 خوڑوں سے پٹا پڑا ہے + مشرق کی طرف خوڑے گھٹتے ہاتے ہیں حتیٰ کہ
 بنلاب کے بیابان تک پہنچ جاتے ہیں +

خوڑہ ایک ناموار پتھریلا علاقہ ہے جو پلو سے اور شترخار کے ایک
 گھنے جنگل سے ڈھکا ہوا ہے + یہ پلو سے کبھی تو بہت نیچے اور کبھی
 ایک فیرہ اونچے ہوتے ہیں + وادی کے مغرب کی طرف اونچے ہوتے جاتے
 ہیں + پھر پلو سوں کی بجائے گرگے آگتے ہیں اور سٹوون (زیتون) بھی
 دکھائی دینے لگتے ہیں + یہ جنگل بنلاب کی طرف ہلکا ہو جاتا ہے اور
 ادھر پلو سے کی جگہ جال اور کریڑے پیدا ہوتے ہیں +

خوڑہ میں پہاڑ تو نہیں ہیں لیکن زمین اونچی بھی ہے - اور خوڑوں
 کی زیادتی کی وجہ سے کاشت کم ہوتی ہے + لوگوں کا بڑا ذریعہ آمدن
 گلہ بانی اور لکڑی اور کوئلہ بیچنا ہے + خوڑہ کا جنگل حکومت اور رعیت کی
 مشترکہ ملکیت ہے - صرف زمینیں لوگوں کی اپنی ہیں + جنگل سے اپنے
 لئے لکڑیاں مفت کاٹتے ہیں اور اس میں سے بھی مفت چرائے ہیں +
 لیکن جو لکڑیاں برآمد کرتے ہیں ان کی راشنی دیتے ہیں +

موسیٰ دہ میں پتوڑے سے جاری پانی اور چراٹ کے پہاڑوں میں
 چشموں کے علاوہ خوڑہ میں آبپاشی کے نئے کنویں بھی کھودے گئے ہیں +
 جو بہت کم گہرے ہیں + خوڑہ کے مغرب کی طرف زراعت زیادہ ہوتی ہے +

خوڑہ کے اکثر لوگوں کے دودھ گھر پھوٹے ہیں: ایک بلندی پر جہاں وہ مال چرانے جاتے ہیں اور دوسرا مشرقی دیہاتوں میں جہاں زراعتی زمینیں واقع ہیں +

فرد افضاخان II کے وقت خوڑہ کی حالت زریہ سے بہتر تھی کیونکہ یہاں کے لوگ مقابلہ طاقور تھے اور ان کے تعلقات اپنے پڑوسیوں حسن خیل افریدیوں کے ساتھ اچھے تھے +

اطاق سے لے کر ۱۸۹۵ء تک خوڑہ اور نیلاب کی وادیاں ضلع کوٹاٹ کا ایک حصہ تھیں۔ لیکن اس سال یہ ضلع پشاور کو منتقل کی گئیں +
اب تالوں تحفظ جگلات کے دفعہ ۲۸ کے تحت خوڑہ کی تقریباً ۶۵۰۰ ایکڑ بنجر زمین محفوظ بن گئی ہے

چراٹ خوڑہ کا ایک اہم اور صحت افزا مقام ہے۔ اس لئے جب فرنگی یہاں پہلے پہل آئے تو انہوں نے چراٹ میں چھاؤنی بنائی + چراٹ سے ایک بختہ شرک پشاور جاتی ہے + ۱۸۵۶ء میں ایک شرک برہمنہ درہ میرکلان خوڑہ سے پشاور کے لئے بنائی گئی تھی

خوڑہ کا دوسرا اہم مقام نظام پور ہے۔ یہاں اور شیدو میں اکوڑ خیل بستے ہیں + چشمی میں فقیر جیل بیگ کی اولاد بستی ہے +

* * *

نیلاب

نیلاب ایک ہموار جیسا میدان ہے جس کی زمین نرم اور پھیلا
اور خوش سے بہتر ہے اور جہاں عموماً درخت پائے جاتے ہیں + زمین میں
بہت سے پتھر ہیں لیکن وہ زراعت میں عار ج نہیں ہیں کیونکہ زمین
کو سرد رکھتے ہیں + یہاں خوشے کم ہیں + جا بجا زراعت ہوئی ہے اور
ان کے بیج جا بجا پھیلے پھر ہیں + اس علاقے کے بیج کا ادھیا
سیابان میٹرہ کہلاتا ہے + ابا سندھ کے کنارے ایک بھی دوسٹ زمین
ہے جس میں مندوری اور جی کے علاقے میں بہت سے کنویں کھودے
گئے ہیں + ان دو گڑوں سے نیچے کنویں کم ہیں اور اکثر زمینیں سیلاب
ہیں + چاہی بقیے کے مقابلے میں بارانی رقبہ بہت زیادہ ہے + گاؤں
اکثر دیہائے سندھ کے کنارے یا پہاڑوں کے دامن میں واقع ہیں +
نیلاب جعفر خان کے زیر حکومت تھا + جب سکھوں نے پشاور فتح
کیا تو اسے نیلاب کا حاکم مقرر کیا + سکھوں کے جرنیل ابو طیلہ نے نیلاب
کا مالیہ ۵۰۰۰ روپیہ مقرر کیا تھا +

سکھوں کی دوسری جنگ میں جعفر خان نے انگریزوں کی مخالفت اور
سکھوں کی حمایت کی تھی + جنگ کے بعد انگریزوں نے اس کی جاگیر تو
بحال رہے دی - لیکن بندوبست کے وقت اس کی خالی کو یوں کمزور
لیکھ ختم کیا کہ کاشتکاروں کو مالکان اور اولاد کاشتکاروں کو ادنیٰ مالکان
بنا ڈالا + انگریزوں نے ایسی ہی ناجائز حرکت ٹیری کے خاندان کے ساتھ
بھی کی تھی + پھر انگریزوں نے جعفر خان کی جاگیر کے تین گاؤں (سوجنہ،
تہ اور باغ جو ابا سندھ کے مشرق کو واقع ہیں) ضلع راولپنڈی کو منتقل
کر دیے اور ان کے عوض جعفر خان کو صرف ۴۰۰ روپیہ دواہی دینے کئے +
۱۸۵۷ء کی لڑائی میں جعفر خان نے مغلوں کے برخلاف انگریزوں کی
مدد کی تھی + ۱۰۵۵ جنوری ۱۸۸۳ء کو وفات ہوا اور اس کی جگہ اس کا
بیٹا فتح محمد خان جاگیردار مقرر ہوا +

ابا سندھ کے پانی سے بہ ذریعہ دھلائی سونا نکالنے والوں سے
 جاگیردار ۵-۶ روپیہ فی جھہ لیا کرتا تھا جس میں سے سرکار انگلشیہ
 کو کچھ نہ دیتا تھا۔ ایک جھہ سال میں ۳۰ ٹولے سونا نکالتا ہے جس کی
 قیمت ۱۸۸۲ء میں ۱۶ روپیہ فی ٹولہ تھی۔
 آج کل تو اس قسم کی دھلائی کے لئے جو دنیا کے کئی اور دریاؤں میں
 بھی کی جاتی ہے دھلائی کی مشینیں ایجاد کی گئی ہیں جو آدمی سے ۶۰ گنا
 زیادہ سونا نکالتی ہیں اور جن کی قیمتیں ۸,۰۰۰ روپیہ سے شروع ہوجاتی ہیں۔
 اگر چاری حکومت اس طرف دھیان دے تو دریائے سندھ کے پانی سے
 وہ منوں سونا حاصل کیا جاسکتا ہے جو اب پکارا بھہ بہہ کر سندھ میں گر رہا ہے۔

ہائی زٹی (مردان)

پہلے پہل اٹان خیالوں نے جو کہ ایک کرلائری قبیلہ ہے ہائیری میں
 ایک وسیع علاقہ اور کشر رائری زٹی میں گیدڑ بانڈہ اور حمزہ بانڈہ پر
 قبضہ جمایا تھا۔
 جب یوسفزی اور ان کی ایک چھوٹی شاخ مندھ اس علاقہ کو
 پہلے پہل آئے تو اتنا بجلوں سے رہنے کے لئے اراضی کی بھیک مانگی
 اتنا بجلوں نے انہیں تپہ ہائیری میں رہنے کے لئے زمین دے دی۔ اور
 تقریباً ۱۵۰۰۰ میں شیخ ملی نے یہ زمین بانٹ دی جس کی رو سے
 یوسفزیوں اور مندھوں کو میدانی علاقے میں بھی زمین ملی اور
 پہاڑی علاقے میں بھی۔
 کچھ عرصہ کے بعد یوسفزیوں اور مندھوں کی آپس میں دشمنی
 یوسفزیوں نے مندھوں کو سوات سے مار بھگایا۔ انہوں نے میدانی
 علاقے میں اتر کر یوسفزیوں کو وہاں سے سوات اور ہنیر کی طرف مار
 بھگایا۔ لیکن صرف ہنیری شاخ کو وادی لونڈ خوڑ سے نہ نکال سکے۔
 اب سوات ہنیر وادی لونڈ خوڑ اور وادی ہائیری زٹی یوسفزیوں

کے اور چلے، پنجتار اور دیرپائے کابل تک کا علاقہ مندوؤں کا ہوا۔ [رانٹری زئی ہائیری کے شمال کو واقعہ ہے اور ہائیری کے مندو رانٹیری کے یوسفزیوں کا مقابلہ نہیں کر سکتے تھے۔

کراکر اور ملندہ کے دروں میں مغل فوج کی تباہی کے بعد، دیرپائے کابل کے شمال میں یوسفزیوں اور مندوؤں کے ایک دوسرے پر چلے، آپس کی لڑائیاں اور اس علاقے میں عام ویرانی شروع ہوئی، اب مندو کی یہ کوشش تھی کہ یوسفزیوں کو میدانی علاقے سے بالکل ہٹل کر دیں اور انہیں پہاڑیوں کی طرف محصور کر دیں، یوسفزی جو غلوں کے ہاتھوں کمزور ہو چکے تھے اس نئے مقابلے کی تاب نہ رکھتے تھے، اس لئے یوسفزیوں نے غلوں سے کمک مانگی اور ان کی مدد سے مندوؤں کو بھگا بھگا کر پہاڑوں تک دھکیل دیا۔

اب جب غلوں نے اپنے وطن کو لوٹنا چاہا تو یوسفزیوں نے مندوؤں کے جوابی حملوں کے ڈر سے غلوں کو واپس جانے سے باز رہنے کو کہا اور غلوں کے موجودہ علاقے کا یہ حصہ انہیں اپنے پاس رہنے کے عوض دے دیا جو اکوٹھ کے بالمقابل دیرپائے کابل کے شمال کی طرف واقع ہے، یہ علاقہ سوات کی سرحد پر اور مندوؤں اور یوسفزیوں کے بیچ میں ہے، یوسفزیوں نے آئندہ خطرے سے بچنے کے لئے غلوں کو مندوؤں کے سامنے ڈال دیا اور غلوں کے علاقے سے بفر سینٹ کا کام لیا، اس علاقے میں جال گڑھی ٹونڈ خور ایکا ٹانگ غلوں کے بڑے بڑے گاؤں ہیں۔

یوسفزیوں کے علاقے میں سوئے تپہ ہائیری کے یوسفزیوں کا نور ہے، لیکن ہائیری میں مزبورہ زمین کا ۳۴ فیصدی رقبہ غلوں کا ہے، چات افغانی میں یوسفزیوں کے علاقے میں غلوں کی تعداد چھینا چودہ ہزار لکھی گئی ہے۔

مکھڑ

ضلع لاہور میں مکھڑ خٹکوں کی بڑی قرار گاہ ہے + ان کی اکثریت دریائے سندھ کے کنارے پستی ہے اور ہر گزے مردم شماری ۱۹۱۱ء ویاں ان کی تعداد ۶,۵۰۰ تھی +

الحاق کے وقت غلام مصطفیٰ خان ساغر فیلیہ کا جاگیردار تھا + وہ شیکر درے کا سب اور مکھڑ کا ۱/۲ حصہ مالک تھا + اور وہ نمک کے کانوں کی آمدنی میں بھی حصہ لیا کرتا تھا +

الحاق کے وقت انگریزوں نے بذریعہ چھٹی نمبر ۲۰ مورخہ ۱۸۵۹ء ۳۰ غلام مصطفیٰ خان کے خاندان کو اپنی جاگیر کا دواۓ حق دار مانا تھا + اس کے بڑے پٹے غلام محمد خان کا اپنے باپ اور بھائیوں کے ساتھ تنازعہ رہتا تھا +

اس علاقے میں خٹک دریائے سندھ کے مشرقی کنارے مکھڑ سے ماڑی تک آباد ہیں + اور مکھڑ اور اس کے قریبی علاقے میں بہت طاقت رکھتے ہیں + لیکن دریائے سندھ کے مغربی کنارے کے خٹک

لیے نہیں ہیں + ۱۸۵۹ء میں انگریزوں نے یہ پتہ لگایا کہ بجائے نمک کی آمدنی کے مکھڑ کے جاگیردار کیلئے ایک ہزار روپے سالانہ علی الامام مقرر کئے +

* * *

دوسری جگہوں میں

ضلع پشاور (پرگنہ خلیل مہمند، پرگنہ پشت نگر تپہ محمد زئی، پرگنہ خالصہ تپہ خالصہ، پرگنہ خٹک، اور پرگنہ یوسفزئی تپہ بائیزی) ضلع کوٹاٹ (تحصیل کمرک سالم اور تحصیل کوٹاٹ) ضلع راولپنڈی (مکینڈو وغیرہ) ضلع میانوالی (تحصیل عیسیٰ خیل اور کالا باغ) کے علاوہ خٹک مندرجہ ذیل جگہوں میں بھی آباد ہیں :-

(۱) خٹکوں کی ایک خاصی آبادی احمد زئی وزیر (ضلع بنوں) میں بھی ہے۔ عیسک کے پٹوں میں ہے برہ خان اور مٹکی ٹیری کے علاقے میں خٹکی عیسک میں آباد ہو گئے تھے اور بعض ساتھ کے وادیوں کے علاقے میں۔
(۲) خاص تحصیل بنوں میں عابد خیل (نیرملی) غورپوالہ کے پاس شیریں کلمہ بنوں بازار سے مشرق کی طرف کوٹکہ غلام قادر خان اور جنوب مشرق کی طرف خٹکوں نے کلمہ خاص خٹکوں کی آبادیاں ہیں +

بنوں میں بعض خٹک دنیوی مصالحتوں کی بناء پر اور حیات افغانی میں لکھ گئے شہرے کی رو سے 'بالا علی کی وجہ سے اپنے آپ کو بنوچی کہتے ہیں (نہ کہ شینک!) ان گمراہ کن شہروں میں عابد خیل (خٹک) مرزئی خیل منڈانٹر (محمود) اور بازید خیل سولانی (شگل) بھی کو شینک کی اولاد لکھا گیا ہے جو سراسر غلط ہے۔

(۳) موضع عباسی (تحصیل لیپروت، ضلع بنوں) میں نصف آبادی خٹکوں کی ہے + اور موضع شہونی خٹک میں ادھی آبادی گڈ خیل خٹکوں کی ہے۔ شہونی کا فہم یوں ہے کہ ۱۸۶۲ء میں شاہ امان عرف شہونی نامی ایک گڈی خیل نے نواب خواجہ محمد خان کے ایک کاردار کو اس کی بدکاری کی وجہ سے قتل کر دیا۔ اور بعد اپنے چند عزیزوں کے اپنے گاؤں شہوہ سے سرتوں کے علاقے کو بھاگ گیا اور وہاں رہنے لگا + یہ ایک قابل کاشت لیکن رہنلا علاقہ ہے جس میں کئی الگڈے بچتے ہیں اور جو دیائے کرم کے شمال کو اور نالہ نریوہ اور مرغٹہ اور ڈڈیوالہ گاؤں کے آخری حروں

کے بیچ میں واقعہ ہے اور جس کا کل رقبہ ۵۶۸۵ ایکڑ ہے +
 ۱۸۶۵ء میں اس وقت کے ڈپٹی کمشنر نے یہ سب علاقہ ناجائز طور پر
 بحق سرکار ضبط کر لیا۔ لیکن خشکوں اور وزیروں کو ایکڑ ایکڑ رقبہ
 دیدیا۔ ان کی حیثیت نو سرکاری مزارعوں کی تھی لیکن یہ بٹائی کسی کو بھی
 نہیں دیتے تھے +

کئی مدت کے بعد نواب صاحب نے شہونی کا قصور معاف کر دیا اور
 اکثر خشک اپنے گاؤں شہنودہ گڈی خیل میں اپنے گھروں کو لوٹ آئے +
 لیکن وقتاً فوقتاً وہاں جانے اور اپنے عزیزوں کے ذیلے اس علاقے
 پر اپنا قبضہ قائم رکھا +

بندوبست ۱۸۷۲ء کے وقت یہ سب رقبہ شہونی خشک کے علاقے
 کا حصہ مانا گیا۔ اب سارے رقبہ کے حصول کے لئے خشک اور وزیر
 آپس میں لڑنے لگے + آخر انگریزوں نے ۷۰ اور ۳۱ ایکڑ رقبے کو شہونی
 خشک کا نام دے کر خشکوں اور وزیروں کو اس رقبے کے مکمل مالکان
 مان لیا +

(۴) خشکوں کی کچھ آبادی ضلع میانوالی میں ماڑی اور نیکی کے
 درمیان میں بھی پائی جاتی ہے +

پیمانہ
 تاریخ پشاور ص ۳۰۳ پر تپہ خشک کے حال میں لکھا ہے :- "جب خشکوں
 نے لندے دریا ب کے جنوب کا علاقہ حاصل کر لیا اور دریا کے شمال میں
 وہ علاقہ بھی پرستیزوں سے حاصل کر لیا جو انہوں نے دلازا کوں سے چھینا تھا
 اور اب تپہ بولاق میں شامل ہے تو حقیقت کی تقسیم کے وقت خشکوں نے
 اپنا سارا دفتر ۶۴ سیر کے پیمانے پر یوں تقسیم کیا -

۶۴ سیر

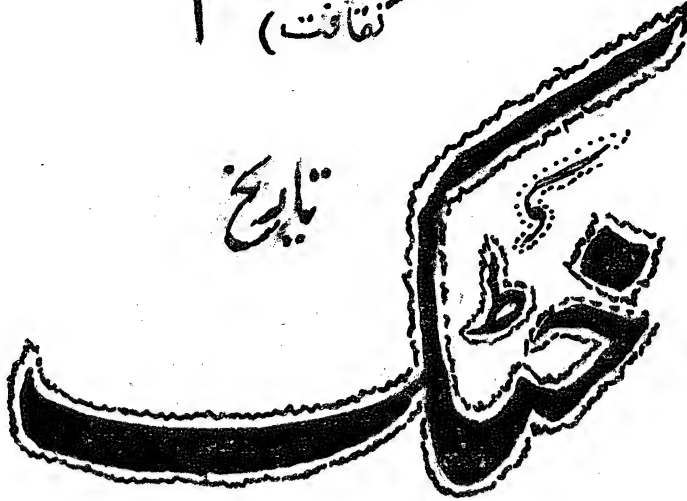
لنجان کی اولاد کا حصہ ۳۲ سیر کوٹاٹ میں ۳۱ سیر دیگر خشک اقوام جو کوٹاٹ

میں لیتے ہیں ۱۲ سیر

ضلع پشاور میں بعض علاقہ کوٹاٹ میں
 جو تپہ بولاق کے ہیں ۱۲ سیر دیگر دریا کے پیمانے پر

حصہ سوم
(ثقافت)

تاریخ



شکل و شباهت

خٹک ایک مضبوط، بامروت، صفائی پسند، سلیقہ شعار، ایماندار، شائستہ، خوش اخلاق اور دلپسند قبیلہ ہے۔ ان کا رنگ عموماً ہلکا گندمی ہوتا ہے۔ اگرچہ ان میں گورا رنگ بھی پایا جاتا ہے، الفنسٹن (جلد ۲ ص ۶۹) لکھتا ہے: ”شمالی خٹک [یعنی اکوڑ خیل، بھمدی، لولاق وغیرہ] پشاور کے سب سے زیادہ سفید فام لوگ ہیں۔ لیکن پوشاک اور طور اطوار میں ہندوستان کے لوگوں سے ملتے جلتے ہیں۔ بارک سے پیوست شمال کی طرف کے خٹک [ساغری اور بنگی خیل] سالوں سے ہیں۔ وہ ہندوستان کے بعض لوگوں کی طرح پہناوا رکھتے ہیں لیکن انکی طبیعت زیادہ سخت ہے۔“

خٹکوں کی آنکھیں اور بال عموماً سیاہ ہوتے ہیں جو یہ ظاہر کرتا ہے کہ یہ لوگ بہت عرصے تک گرم آب و ہوا میں رہے ہیں۔ لیکن ان میں سنہرے بال اور سبز اور زرد رنگ کی آنکھیں بھی پائی جاتی ہیں۔ علم انسانیات کی رو سے کسی فرد میں لعل بال تب ہی پائے جاسکتے ہیں کہ اس کے ماں اور باپ دونوں میں لعل بالوں کا دبا ہوا جین موجود ہو، جیسا کہ عام قاعدہ ہے خٹکوں کے والدین لوگ بھی عوام سے زیادہ خوبصورت ہیں۔

گنریر آف پشاور ڈسٹرکٹ ۱۹۳۱ء ص ۱۳۰ میں الفنسٹن (جلد ۲ ص ۶۹) کے حوالے سے لکھا ہے: ”ضلع پشاور کے لوگوں میں بہترین نمونہ خٹک ہیں۔ کیونکہ وہ پہاڑ کی سخت زندگی بسر کرتے ہیں۔“ دوسرے درجے پر یوسفزی ہیں۔ لیکن زیادہ سیرابی، جاڑا بخار اور خوشحالی کی وجہ سے یوسفزیوں کی صحت خطرے سے خالی نہیں ہے۔ اور فوج میں بجائے میدانی علاقے کے پہاڑی علاقے سے بھرتی کی جاتی ہے اگرچہ میدانی والوں کو نوکری کی ضرورت ہے بھی نہیں۔

لہرتی۔۔ اونچے بھاری اور مضبوط ہیں، گرم آب و ہوا کے رہنے والے عموماً اونچے اور پتلے ہوتے ہیں، لیکن تجربے سے ثابت ہو چکا ہے کہ پشتونوں کا یہ مخصوص قد و قامت ان کی مخصوص غذا کی وجہ سے ہے + یہ تجربہ ایک ساخت کے چوپوں پر ہندوستان کے مختلف طبقوں کی خوراک کا اثر معلوم کرنے کے لئے کیا گیا تھا۔ پشتون مضبوط ہیں۔ جن چوپوں کو ان کی خوراک دی گئی تھی وہ قد آور تھے، کم بیمار پڑتے تھے، کثیر الاولاد تھے اور زچے اور بچے کم مرا کرتے تھے + مدراسی کمزور ہیں۔ ان کی غذا (زیادہ تر جاول) پر لیے ہوئے چوپے چھوٹے تھے، ان کی کھال نکلی تھی، بیمار زیادہ پڑتے تھے، کثیر الاولاد نہ تھے اور مرتے زیادہ تھے + [ملاحظہ ہو: ہومن سپشیر

ص ۱۱۴۳]

تقل میں رہنے کی وجہ سے لہرتیوں میں سانولے بھی ملتے ہیں۔ مرد عموماً ٹھنڈے (پٹے) رکھتے ہیں جو پشتونوں میں ہزاروں سالوں کا پیرانا رواج ہے اور اس زمانے سے چلا آتا ہے جب تلوار اور ڈھال سے لڑائی ہوتی تھی۔ تلوار کی وار سے بچنے کے لئے پٹے رکھے جاتے تھے جو گردن کی حفاظت کے لئے کندھوں تک لمبے چھوڑے جاتے تھے۔ اور پٹوں کو اس لئے گھی لگا کر رکھتے تھے کہ تلوار پھسل جائے۔ لہرتیوں میں بڑی بڑی موچھیں اور شرعی داڑھیاں بھی عام ہیں۔ ان میں گلیہ رکھنے کا رواج نہیں آیا + مرد وزن کھڑی (جڑے) کی چلیاں پہنتے ہیں + جوتی (یونٹے) پہننے کا رواج اب تقریباً ختم ہے لاپی کی سادہ اور طلا دار بکٹری بہت مشہور ہے لیکن اب طلا دار کا رواج بھی مٹ چکا ہے + مرد آکل سفید قمیص اور پٹروگ (سلوار) پہنتے ہیں + لنگ (دھوٹی) باندھنے کا رواج جو پشتونوں میں رگ وید کے زمانے سے رائج تھا آج کل بہت ہی کم رہ گیا ہے + بوٹھے لوگ تو دستار کا اتنا خیال نہیں رکھتے لیکن لوجوان پٹریوں کو مختلف رنگ

کلف اور ابرک دیتے ہیں + ٹیڑھی پگڑیاں باندھتے اور درہیا نہ
پَر پَرہ (طَرہ) اور شملہ رکھتے ہیں + آج سے سو سال پہلے امراء دستار
میں اشرفیاں اور غربا خوشبودار پٹنی کے پتے ٹانگتے تھے + آج کل پلکے
کپڑے پہنتے ہیں + وزنی پشتونوال کپڑوں (انگرکھا، گھگرہ اور منڈلسہ)
اور سردیوں میں ٹٹری، چنے اور پوستین کا استعمال بہت ہی کم ہے +
عورتیں پورے لمبے بال رکھتی ہیں + نوجوان لڑکیاں پیکائی
(بودی) رکھتی ہیں + بڑی عروالیاں ماتھے پر بال گھونڈتی اور سچھے
کی طرف ایک گتھ رکھتی ہیں - ان کے ہاں بھی جونی کی جگہ کھڑی لے
رہی ہے - لیکن کپڑے وہی پرانے زمانے کی طرح بھاری پشتونوالے
پہنتی ہیں + بعض نوپیا پتا عورتوں کی پٹروگ ۲۰ گز کی، قمیص ۲۵
گز کی اور چادر ۶ گز کی ہوتی ہے + بورجیلوں عموماً خیش کی چوڑیدار
پٹروگ پہنتی ہیں - انکی قمیصیں پہلے عموماً سلا رے کی ہوتی تھیں
لیکن اب ٹوکہ (چھینٹ) کا رواج عام ہے + آستینیں اب بھی گھردار
رکھتی ہیں - یہ رواج بھی رگوبد کے وقت سے چلا آ رہا ہے + قمیص
رنگ برنگ کے ٹکڑوں سے بستی ہیں جس کی کھلی آستینیں اور سینہ
پوش سیاہ رنگ کے ہوتے ہیں + سینہ پوش پر روپیہ وغیرہ ٹانگتی
ہیں اور چلنے پھرنے میں سینے پر تھمے ٹانگے ہوئے سابق فوجی دکھائی
دیتی ہیں + [عورتوں میں یہ اور زیور پہننے کے رواج اس لئے ہیں
کہ پشتون جنگ کی حالت میں بھی عورتوں کو نہیں لوٹتے تھے اور
یوں کنبہ کا اثاثہ پٹری اور زیور کی صورت میں محفوظ رہ جاتا تھا +
قمیص کے پہلوؤں میں کٹی چوٹر (سلوش) رکھتی ہیں + ان کے خیشنگ
بعض اوقات گھٹنوں سے بھی نیچے لٹکتے ہیں + عورتوں میں رگوبد
کے زمانے کا رنگ باندھنے کا رواج بہت عرصے سے ناپید ہے -
مردوں میں کچھ کچھ اس لئے اب بھی پایا جاتا ہے کہ یہ سنت ہوئی ہے
عورتیں ستر پوشی کے زیادہ خیال سے اسے نہیں پہن سکتیں +

ناگذا لڑکیوں کا محل لباس پہننا بہ امر مجبوری ہے۔ کیوں کہ
اولاً تو سفید کپڑے مردوں کے ساتھ مخصوص ہیں اور ثانیاً گھر کا کام
کاج کرنے کی وجہ سے وہ اچلے پڑے رکھ بھی نہیں سکتیں اور دیگر اقسام
کے بھڑکیلے کپڑے بوجہ جیا پہن بھی نہیں سکتیں + اس کی وجہ شاید
یہ بھی ہو کہ اس عمر میں انہیں اس رنگ کے کپڑے اس لحاظ پہناتے
جالتے ہوں کہ مردوں کی لگا ہوں انکی طرف کچھ سکیں کیونکہ اکثر بے غیرت
باپ اپنی لڑکیوں پر پیسے لیتے ہیں جس کا ذکر آپ "عورتیں" کے عنوان
کے تحت پڑھ چکے +

عورتوں میں اغیار سے پردہ اور برقعہ پہننے کا رواج اب چند
سالوں سے شروع ہو گیا ہے + بھاری بھرکم لباس پر برقعہ پہننے ہوئے
عورت ایسی دکھائی دیتی ہے جیسے شیر میں پھونک بھر دی ہو + چاندی
کی بالیاں، کانٹن اور اوڑنی عورتوں کا عام گہنا ہے +
مرد اور عورتیں آنکھوں میں سرمہ ڈالتے ہیں + بالوں میں تیل ڈالتے
ہیں اور اخروٹ کے چھلکے سے دانت صاف رکھتے ہیں اور چاندی یا تانبے
کی انگوٹھی یا چھلا پہنتے ہیں +

بارکوں کا حال بھی نصرتیوں کی طرح ہے + لیکن نصرتیوں کے جنوب
میں رہنے والے گڈنچیل ورنڈی (کم لمبی) داڑھیاں اور داڑھی منڈے
موتی موتی موچھیں رکھتے ہیں +

کپڑے کی گرائی اور بدلتی دنیا کی وجہ سے اب ہر علاقے کی عورتوں
میں بھاری لباس کا استعمال سرعت سے گھٹ رہا ہے + شرک کے
کنارے واقع آبادیوں میں تو نمایاں تبدیلی آچکی ہے +
ٹیری کے بارک وغیرہ بھی اپنے اجیم اور مضبوط لوگ ہیں +
پٹے اور شرعی داڑھیاں عام ہیں اور پٹے وقتوں سے زیادہ نہیں بدلتے +
ساغری بھی بارکوں کی طرح، لیکن ان سے زیادہ چاق اور چوند
ہیں + یہ اونچے اور پتلے لوگ ہیں - ان کے پتلے پن نے ان کو پہاڑی

زندگی کے لئے مونوں بنا دیا ہے + یہ لوگ بارکوں سے زیادہ خوش مزاج اور چست ہیں + ساغری اپنے خشک پہاڑوں میں رہنے کی وجہ سے سخت جان اور چست بن گئے ہیں +

بنگی خیل بھی ساغریوں کی طرح لیکن اتنے چست لوگ ہیں کہ پہاڑ پر چڑھتے اور اترتے میں پشتونوں کا کوئی قبیہ انکی براسی نہیں کر سکتا۔ پشاور میں رہنے کی وجہ سے اکوڑ خیلوں میں پٹے رکھنے کا رواج نہیں رہا + وہاں کے مرد + یا تو سر کے بال مونڈھتے ہیں اور پاختھاشی رکھتے ہیں + پشاور کی مرطوب آب و ہوا میں رہنے کی وجہ سے ان کے قد و قامت میں کمی آگئی ہے + مردوں اور عورتوں کا قد و قامت دیکھنا ہے + عموماً سفید رنگ کے کپڑے پہنتے ہیں + ان کی شجاعت ابھی بحال ہے + حسن خیل افریدیوں کی سرحد کے پاس بسنے والے خصوصاً کمر میلہ کے لوگ بہت بہادر اور دلیر ہیں اور افریدیوں کا مقابلہ اچھی طرح کر سکتے ہیں +

عام غربت کی وجہ سے دستار میں کلاہ کا استعمال خٹکوں میں نہیں پایا جاتا + قراقرظی ٹوپیوں کا استعمال بھی رواج نہیں پاسکتا +

زبان

خٹکوں کی مادری زبان پشتویہ + ان کا لہجہ قنداریوں کی طرح نرم اور کوٹہ کے کاکڑوں سے بہت ملتا جلتا ہے + بر خلاف افریدیوں، اورکزوں اور بنگشوں کے جن کا لہجہ کابلوں کی طرح سخت + پروفیسر مارگنسنٹرین لکھتا ہے: "پشتون" اصلی اور قدیمی تلفظ ہے اور "پختون" مقابلتا جدید تلفظ ہے اور لہجہ کا تغیر ہے اور شمال مشرقی تلفظ ہے +

کیرو (دی پٹھانز) مقدمہ ص ۱۶) لکھتا ہے: پشتونوں میں صرف خٹک ہی ایک ایسی قوم ہے جو پشتو اور پختو کی تقسیم کی فرضی

خط کے دو طرف جانب بستے ہیں، لیکن آگے چل کر اپنی تردید ان الفاظ میں کرتا ہے (ص ۲۲) : ”جملہ یہ جمع ہے کہ کودے کی اولاد شمالی ہیں اور پشتو کا سخت لہجہ استعمال کرتے ہیں..... لیکن گواٹ کے خٹک اس سے مستثناء ہیں جو اگرچہ وہ کودے کی اولاد ہیں لیکن نرم لہجہ [پشتو] بولتے ہیں۔“

کیرو نے پشاور کے خٹکوں کے متعلق سخت غلطی کی ہے کہ وہ سخت لہجہ پشتو استعمال کرتے ہیں + پشاور کے خٹکوں میں تو تری (اکوڑیل) ترکی (مہندی) اور بولاق بھی شامل ہیں جو آج دن تک پشتو کا نرم لہجہ استعمال کرتے ہیں اور جسے پشاور کے پشتون خٹکوالہ پشتو کے امتیازی نام سے پکارتے ہیں۔ اور خود انگریزوں کی تصنیف ”گورنمنٹ آف پشاور“ ص ۱۱۹ میں لکھا ہے کہ ضلع پشاور میں صرف تحصیل نوشہرہ کے لوگ نرم [لہجہ] پشتو بولتے ہیں +

ہاں یہ ضرور ہے کہ پروس کے قبائل کی لہجے کا اثر خٹکوں کی زبان پر بھی ہو رہا ہے + پشاور کے ارثروں کی زبان میں پشتو (نانگ) بولنے ”شیشہ“ (لاٹ) کی مثال تو آپ پڑھ چکے ہیں + اسی بناء پر زیارت کا صاحب کے خٹک ”شیخ“ (دفن) کو ”خیش“ کہتے ہیں + آج سے تقریباً تین سو سال پہلے تو یہ فرق بہت زیادہ نمایاں تھا۔ کیونکہ خوشحال خان خٹک اور اس کے بیٹوں اور پوتوں کی سب تصنیفات نرم لہجہ (پشتو) میں لکھی گئی ہیں + خان کی کلیات کا ایک قلمی نسخہ جو ۱۷۷۰ء کا لکھا ہوا ہے خالص نرم لہجہ میں لکھا گیا ہے + اور خان کا ”دستار نامہ“ اور فضل نامہ تو عبدالشکور خان نے ایک حد تک مصنف کے لہجے میں چھاپے ہیں لیکن خان کی کلیات کا جو نسخہ بلیو نے پشاور چل سے چھپوایا تھا اس میں بہت زیادہ ادبی حیانت سے کام لیا گیا ہے اور کتاب کے نرم لہجہ کو سخت لہجہ میں مخرف کیا گیا ہے + یہی کہ خان کے فضل نامہ کیساتھ بھی ہوا ہے +

کیرو نے تو بلوہ کا اڈیشن یا راولی کا ترجمہ دیکھ کر لکھ دیا جو
 کچھ کہ وہ لکھ گیا + اسے اچوں کے تغیرات کا کیا علم؟ اور پھر اس کی
 پشتو دانی تو آپ ملاحظہ فرمائی چکے ہیں +
 سرکاری دوائے بعض قبیلے کی بجائے و (پٹوارہ پلوں) کی جگہ
 (مور = میر) کہتے ہیں +

زبانوں کی جغرافیائی تقسیم میں پشتونوں کا سب سے مغربی قبیلہ
 جو ایرانی زبانوں کی مشرقی شاخ کا جنوب مغربی اچہ استعمال کرتے
 ہیں خٹک ہے، خٹکوں کا مرکز کوٹاٹ ہے لیکن وہ پشتاور بنوں اور
 مکہڈ میں بھی لیتے ہیں +

سابق شہانہری صدر بہ سرحد کے ایک چیف کمشنر بیرلڈ ڈین نے
 علم فقہ اللغت سے کسی قسم کی واقفیت کے بغیر لکھا ہے: "خٹکوں
 کا اچہ ایسی تمثیلی جنوب مغربی پشتو نہیں ہے جیسا کہ بنوں کے اچہ"
 ڈین کی غلطی اس لئے اظہر من الشمس ہے کہ بنوں میں بنوچی،
 مروت اور وزیر بستے ہیں جو تینوں کے تینوں مختلف اچہ استعمال
 کرتے ہیں + بنوچیوں اور مروتوں کے اچوں میں گیری متاثر ہے
 اور وزیروں کا اچہ بنوچیوں کے اچہ سے اتنا ہی ملتا ہے جتنا کہ
 بنوچیوں کا خٹکوں کے ساتھ + ان میں سے وزیر بنوچی اور خٹک تو
 کرلاٹری قبیلے ہیں اور مروت قیس ہیں + محل وقوع کے لحاظ سے خٹکوں
 کے جنوب میں مروت اور جنوب مغرب میں بنوچی بستے ہیں اور
 وزیر بنوچیوں کے مغرب کی طرف آباد ہیں +

بنوں ایک زرخیز علاقہ ہے + قدیمی تجارتی شاہراہوں میں سے ایک
 بنوں میں سے گزرتی ہے + بڑے بڑے لٹیرے مثلاً تیمور، بابر اور نادر شاہ
 بنوں میں سے ہو کر گزرے ہیں + مروتوں کا علاقہ بھی گھلا بیوانی علاقہ
 ہے + ایسے علاقوں کا اچہ صاف کبھی نہیں رہ سکتا + اگر کوئی اچہ تمثیلی
 ہو سکتا ہے تو خٹکوں یا وزیروں کا ہی ہو سکتا ہے جو پہاڑوں میں رہنے کی
 وجہ سے بیرونی اثرات سے متاثر ہوتا ہے +

پشتون ذات چہ رب پیدا کړو له انډه

دود د عام او د صبر په کثہ کمتر دے + [پوری]

محمد اشرف خان پوری کا مندرجہ بالا شعر اس بات پر صادر ہے کہ آج سے ۲۸۰ برس پہلے پشتونوں میں تعلیم کی کمی تھی + لاجالہ اس وقت خاکوں میں بھی تعلیم کم ہوگی + لیکن نئی تحقیق کی روش سے خدک مصنفین کی جو کتابیں وقتاً فوقتاً پمارے سامنے آتی رہتی ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت بھی خدک دیگر پشتون قبائل سے مقابلہ زیادہ تعلیم یافتہ تھے +

آج بھی خاکوں میں دینی اور دنیاوی علوم کے حصول کی خواہش بہت زیادہ ہے لیکن متأسفانہ ان کی کئی جگہوں میں انہیں تعلیم سہولیات میسر نہیں ہیں مثلاً تحصیل کرک کی ۹۸۰۷۳ کی آبادی کے لئے ایک کالج بھی نہیں ہے ! اور کرک کے مردانہ ہائی سکول میں آج تک بیالوجی کا بندوبست نہیں ہے ! ڈاکٹروں کے مدد سے کالوڈکری کیا ! ! تحصیل کرک کے لوگوں نے ایک موقع پر اپنے سیاسی نمائندے سے کہا تھا کہ یہاں زمانہ ہسپتال تو ہے لیکن لپڈی ڈاکٹر نہیں آتی اور جو آتی ہے چلی جاتی ہے + نمائندہ تھا عقلمند اس نے ان سے کہا کہ کیا یہ بہتر نہ ہوگا کہ تم اپنی لڑکیوں کو ڈاکٹری کی تعلیم دلو اور تاکہ روز روز کی منت زاری سے نجات پاؤ + اس وقت بھی ایک سہیدار شخص نے اپنے نمائندے سے یہی کہا تھا کہ آپ یوں کیوں نہیں کہتے کہ پہلے اپنی لڑکیوں کو ڈاکٹری پڑھانے کے لئے ایک میڈیکل کالج بناؤ + ہماری عورتیں سری جا رہی ہیں اور آپ کہتے ہیں کہ لڑکیوں کو ڈاکٹر بنالے لاء + ہمارے بچوں کے لئے ڈاکٹری پڑھنے کا کوئی بندوبست نہیں ہے اور بچوں کو ڈاکٹر بنانے کو کہتے ہیں + کیا ہم حکومت کو مالیہ اور فیکس نہیں دیتے ہیں ؟ کیا ہمیں جینے کا حق حاصل نہیں ہے ؟ کیا ہم وفادار پاکستانی باشندے نہیں ہیں ؟ تو کیا حکومت ایک ڈاکٹری کو بھی یہاں نہیں بھیج سکتی یا وہ آئے سے انکار کر سکتی ہے ؟

آج کل تحصیل کرک کے لڑکے کالج کی تعلیم کے لئے کوناٹ بنوں یا ڈیرہ اسماعیل خان وغیرہ جٹنے کے لئے مجبور ہوتے ہیں + یہ ایسی صورت ہیں کہ ایک کالج میں تین سال تک طالب علموں کی تعداد صرف دس کے قریب رہی !

جدید ترین اعداد و شمار کی روش سے تحصیل کرک میں تعلیم یافتہ مردوں اور عورتوں کی تعداد صرف ۷۷۶ و ۱۶۷ ہے یعنی ہر چھ افراد میں پانچ افراد غیر تعلیم یافتہ ہیں !!!

ابید ہے کہ ہماری حکومت اس مسئلے کے ہر جانب پر جلد از جلد اپنی پممداد نہ توجہ صرف کرے گی +

فصلت

خٹک کے عیوب پر اس کے اوصاف کی فراوانی اور ثقالت نے ہمسایہ قبیلوں کے دلوں میں اس کی عزت اور محبت پیدا کی ہے + اپنے قبیلے کی ملی روایات اور آزادی اور عزت پر جان بھڑکانا خٹک کی امتیازی خصوصیات ہیں + ان کی طبیعت اختیار کی حکومت کسی صورت میں بھی قبول نہیں کر سکتی +

خٹک حتی الامکان قتل سے بچنے کی کوشش کرتا ہے - جب تک کہ بالکل مجبور نہ ہو جائے مثلاً عورت کی شرم یا اس قسم کا کوئی معاملہ نہ بن جائے + لیکن ایسی مجبوری کی حالت میں بھی دشمن پر پیچھے سے وار نہیں کرتا - ہمیشہ سلف سے ہو کر لڑتا ہے + مسجد میں یا خانہ پر کھڑے دشمن پر وار نہیں کرتا +

خٹک بے پناہ جرات، غیر معمولی شجاعت اور علو یمت رکھتا ہے - بہادری کے وقت یہ نہیں دیکھتا کہ مقابلے میں کئے آدی ہیں یا ان کے پاس کیا کیا اسلحہ ہے - راقم الحروف کے پاس ایک مقدمہ اس نوعیت کا آیا تھا کہ ایک دشمن نے مقتول کے گھر جا کر آواز

دی کہ مرد ہو تو لکل آؤ۔ یہ سنتے ہی وہ شخص باپر لپکا + اس کے بھائی نے اسے آواز دی کہ ٹھرو! بندوق تو لینے دو + لیکن پیشتر اس کے کہ اس کا بھائی ویاں پہنچتا مقتول جان مروا چکا تھا اور ایک کھڑے میں مردہ پڑا تھا +

ٹھگ سرخ الافدام تو ہیں لیکن مغلوب الغصہ نہیں ہیں۔ چھوٹی موٹی باتوں پر جنگ جہال نہیں کرتے۔ ان میں بہ بہت اچھا رواج باقی ہے کہ اکثر تنافس بذریعہ ثالثان (جنگی تعداد عموماً چار ہوتی ہے) فیصلہ کرتے ہیں۔ ثالثان اپنا فیصلہ ملوانے کی ضمانت کے طور پر فریقین سے برابر برابر کا روپیہ یا چاندی کے زیور اپنے پاس رکھ لیتے ہیں + اگر کوئی فریق ان کا فیصلہ مانگنے سے انکار کر دے تو ضمانت کا جملہ روپیہ یا زیور جسے ان کی اصطلاح میں "خورہ" کہتے ہیں دوسرے فریق کو دے دیتے ہیں +

ٹھگ لقب فنی نہیں کرتے + مسافروں کو نہیں ٹوٹتے + جوسازی + جلابازی + فریہدفی اور جہلہ سازی نہیں جانتے + فرض لے کر نہیں منگرتے + حوا نہیں کھیلے + گندہ کی اور جیب تراشی نہیں کرتے + چھلہ کوٹھی اور لواطت نہیں کرتے + قول اور دوستی کے یکے پونے ہیں۔ بعض اور اہستہوں کی طرح مقدمے باز نہیں ہیں + ۱۸۸۶ء میں ان کے اکثر مقدمے نقیبات کی بابت ہوئے تھے۔ زمینوں کے مقدمے نہیں کرتے تھے۔ لیکن آج کل نقدی کے مقدمے کم اور زمینوں کے زیادہ ہو گئے ہیں +

ٹھگ جفاکش، شمشیر زن، باہمت، خوش اخلاق، شائستہ، سادہ، ایماندار اور آزاد منش ہیں + یہاں نوازی میں اپنا ثانی نہیں رکھتے +

ان میں قیادت اور کای گیرت (سیم گاؤں پونے یا شہریت) کا جذبہ مقابلہ زیادہ ہے + اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کا علاقہ غیر محفوظ

ہے۔ اور جغرافیائی لحاظ سے اس بات پر مجبور ہیں کہ اپنے دفاع کے لئے ایک دوسرے سے ملے رہیں + نیز جدا جدا بانڈھ جات ہیں رہائش گاہیں ان میں محبت کا جذبہ پیدا کر دیا ہے۔ [ملاحظہ ہو سوشیالوجی] پشتوں کے وقتوں کے جنگوں اور تاختوں کے ان میں اس جذبے کی پرورش کی ہے +

جنگوں میں ایثار، ہمدردی اور امداد کا جذبہ بہت زیادہ ہے + اپنا کام چاہے کتنا ہی ضروری کیوں نہ ہو اسے چھوڑ کر پہلے اپنے عزیز کا کام کرتے ہیں۔ اس لئے ان میں یہ ضرب المثل مشہور ہے کہ: خشک سے چا زڑہ ڈلے۔ کہ دخیل دیوہ غم لئے نہ کولہ +

ان میں برداشت، جانباڑی اور جرأت کی خوبیاں مقابلتاً زیادہ ہیں + یہ خوبیاں ان میں اپنے اس غیر آباد لیکن صحت افزا علاقے نے پیدا کی ہیں جس نے انہیں پاکستان کے طول اور عرض میں حصول معاش پر مجبور کیا ہے +

ان میں پشتونوں کے حسد، گروہ بندی اور موروثی دشمنی کے جذبات مقابلتاً کم ہیں + ان کا پر مہدی بات پر کچری نہ جانے کی وجوہات ان کی غربت اور کچریوں کا دور ہونا ہے + صلح پسند اور دشمنی کو مٹانے کے خواہشمند اس قدر ہیں کہ کسی قتل کے ہونے ہی، رپورٹ ہونے سے پہلے ہی قاتل کا فریق راضینا سے کی کوشش میں لگ جاتا ہے اور کچری تک پہنچنے سے پہلے ہی اکثر مقصود کا راضینامہ ہو جاتا ہے +

تھیل کرک کے لوگوں کا کاروبار زیادہ تر بنوں کے ساتھ ہے لیکن وہ صبح سویرے ہی لاری میں آکر اور جھٹ پٹ سودا سلف کرکے اسی دن گھر لوٹ جاتے ہیں + عوام بلاوجہ بنوں نہیں آتے کیونکہ سرکس ناکارہ اور ذرائع آمد و رفت غیر یقینی اور سخت تکلیف

دہ ہیں۔ اس لئے بنوں کی تہذیب اور اس مخرب اخلاق شہر کی قربت نے خشکوں کے اچھے اوصاف پر ویسا اثر نہیں کیا جیسا بنوں کے مغرب میں رہنے والے قبائل پر۔ یہی حال تحصیل کوٹاٹ اور تحصیل نوشہرہ کے خشکوں کا ہے جو صرف بوقت ضرورت ہی شہر کوٹاٹ یا شہر پشاور کو جاتے ہیں۔

بعض اور قبائل کی طرح خشک پولیٹیکل موکے کے پیسوں اور پرشوں کے ذریعے دولت مند نہیں بن سکے۔ لیکن غربت کے باوجود پہلے کی طرح معزز اور امن پسند ہیں اور ان کی خوبیوں کی وجہ سے ان کے بیرونی تعلق و زہر، مروت، نبوچی، شگش، خلیل، مہند اور یوسفزئی ان کو عزت اور محبت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ آج سے تقریباً سو سال پہلے خشک کلپتہ اپنے خان کے زیر فرمان تھے۔ اور خان کی ریاست پیری خود مختیار تھی۔ لیکن انگریزوں کے سامراجی دور میں خان کے لامحدود اختیارات میں نمایاں کمی لائی گئی۔ لیکن صوبہ سرحد کی بعض دیگر ریاستوں کی طرح ریاست پیری بھی ابھی تک پاکستان میں کلپتہ قدیم نہیں کی گئی بلکہ اٹالہاں ریاست کے مفادات میں دلچسپی لئے جانے کی دانشمندانہ پالیسی پر عمل کیا جا رہا ہے۔

نہ ہی انگریزوں کے دور میں خشکوں کے حق اور فصلت میں کوئی نمایاں فرق آیا تھا کیونکہ ان کا چلن اس دور سے بہت پہلے پشتونوں کی مستقل صورت اختیار کر چکا تھا جو آج بھی بہت زیادہ نمایاں ہے۔ اور باوجود بنوں، شری داروہیوں اور بھاری لباس کے ان کی تہذیب پاکستان کے کسی حصے سے بھی جڑے نہیں ہے۔ خشک اسلام کی برکتوں سے مالا مال ہیں۔ لیکن باوجود سلمان ہونے کے، انگریزی قانون کے تحت آنے کے اور پھر شریعت کے جزوی نفاذ کے یہ آج بھی کافی حد تک پشتونوالی

کے رواج سے متاثر ہیں۔ اور اپنے کئی معاملات پکڑیوں سے باہر رواج کے ذریعے فیصلہ کرتے ہیں +

ان کے وطن کی غربت اور زندگی کماتے کے لئے مشقت کی ضرورت نے انہیں محنت کش اور حوصلہ مند بنایا ہے لیکن بعض دیگر قبائل کی طرح چور اور ڈاکو نہیں بنایا۔ حالانکہ پشاور سے ڈیرہ جات جانے والا رستہ اسی کے وطن میں سے ہو کر گزرتا ہے +

کیونکہ خاکوں کا احساس زندگی زراعت پر ہے اور یہ چرائی کے لئے ایک سے دوسری جگہ نہیں آتے جاتے اور سب ٹھک منتقل گھروں اور گاؤں میں رہتے ہیں اس لئے نہ تو ان میں کوچیوں (خانہ بدوشوں) کی عادتیں ہی پائی جاتی ہیں نہ طبعاً بے قرار، غیر کفایت شعار اور لگاتار کام کرنے کے نا اہل ہیں +

ان کے وطن میں پہاڑ اور اٹلٹے تو بہ افراط ہیں لیکن جوں کہ ان میں چوری، لوٹ اور قتل کی عادتیں نہیں ہیں اس لئے یہ رحیم اور ہمدرد ہیں + مسافروں کے ساتھ ان کی ہمدردی اور مہمان نوازی ضرب المثل ہیں +

ٹھک اپنی وسیع زمینداری کی وجہ سے ہانڈہ جات میں رہتے ہیں + اس عزت گزینی نے ان میں آزادی، اعتماد، نفس اور جمہوریت کے احساسات کو نشوونما دی ہے + اگر قومیت کا جذبہ انہیں بے قرار نہ رکھتا تو عزت گزینی ان جذبات میں کمی لا چکی ہوتی +

پیر ٹھک اپنے گھر اور زمین کا مالک ہے + ان میں، مین کے علاوہ ایسی دوسری ہمسایہ جماعت نہیں ہے جیسے کہ بنوں اور پشاور میں + اور چونکہ زمیندار کے ساتھ ساتھ پیر ٹھک محنت مزدوری، تجارت یا سرکاری ملازمت کے ذریعے بھی اتنا کماتا ہے کہ اسے دوسرے کے سامنے ہاتھ پھیلانے کی ضرورت نہیں پڑتی -

اس لئے ان کا ایمان اور عزت پیسے سے نہیں خریدے جا سکتے + اور جہاں بعض دیگر قبائلی کے افراد صرف ایک روپے کے لئے بھی اپنا بہت کچھ قربان کر دینگے وہاں ٹک بہت دولت کے لئے بھی اپنے اصول سے نہیں ہٹیں گے +

انہوں نے اپنی پشتونوال شرافت کی وجہ سے عزت کی موت کو اغیار کی محکوم پر ہمیشہ ترجیح دی ہے اور اپنی علو العزہ اور علو ہمت کے کارن لکی سے سوات اور پنجاب سے افغانستان تک علاقہ فتح کیا ہے + اور چونکہ یہ اپنی گوی کے اصلی اور پرلے باشندے ہیں جو چند سو سال سے یہاں نہیں آئے اس لئے ان میں حب الوطنی کا وہ جذبہ نہایت ہی افراط سے پایا جاتا ہے جو صرف ایک وطن کے اصلی باشندوں ہی میں ملتا ہے +

گورنر آف پشاور ڈسٹرکٹ ۱۹۳۱ء میں محاوروں کی فہرست میں یہ بھی لکھا ہے : ”بھنگ بہ لرگئے نشی - خٹک بہ سڑے نہ نشی +“ خٹک جیسی قابل قدر قوم کی بابت اس قسم کی بکواس لکھنی اس وقت کے انگریز حاکموں اور ان کے کارکنوں کے لئے نہایت ہی شرم اور افسوس کی بات ہے - کیونکہ یہ کوئی محاورہ تو ہے نہیں بلکہ اس قسم کی ایک بدذہالی ہے جو قبائلی باہمی کشیدگی کی وجہ سے ایک دوسرے کے پیچھے اڑتے ہیں - اس قسم کی ہمتیوں کی چند مثالیں یہ ہیں :- مروت + د خرہ مروت - چرگان لے بہمانہ وو - ہلی چیکہ چیکہ ورتہ + [مروت] ریشی بنیشی - دموز بہ چیلہ مہ خہ - دکوئے نہ دلویش شی + [بنوچی]

وزیر تہ زبیر + پھرے پورے خنزیر + [وزیر]

افریدی - نہ دخیل نہ دپیروی + [افریدی]

ہمک دھسا - شرب ز چلائی + تہ ٹوک لے + نہ یوسفزی + [یوسفزی]
خٹکوں کے متعلق جو چھٹی لکھی گئی ہے وہ صرف پشاور کے علاقے میں سنائی دیتی ہے جو غالباً ان کے وہاں کے پڑوسیوں

میں سے کسی نے ان کے متعلق بنا ٹی ہے + لیکن گزٹیر میں لکھی گئی
گالی اس لئے بھی قابل شرم ہے کہ اس میں ادنیٰ بددیانتی ہے بھی
کام لیا گیا ہے اور ناقابل جواز تحریف ہے - کیونکہ ایک اور انگریز
تھامس ہرن کی کتاب ”ہنوں آرا“ پنجاب فرنٹیر کے ص ۲۰ میں جو
کہ گزٹیر سے پہتیلے کی تصنیف ہے ہم اسے یوں لکھا ہوا ہلے
ہیں : ”ہنگ بہ ہرگی نشی - ہنگی خیل بہ سٹری نہ شی +“ اب جس
آسانی سے ہنگی خیل کی بجائے ٹنگ لکھا جاسکتا ہے اسی آسانی
سے ٹنگ کی بجائے کولہ دوسرے قبیلے کا نام نہیں لکھا یا کیا جا
سکتا ہے ؟ اور پھر ہنگ اور ہنگی خیل میں تو کچھ تھیں بھی ہے
لیکن ہنگ اور ٹنگ - ؟ اور اگر ہم ہرکم و بیش موزوں پہل
کر کیاوت کہیں لگیں تو خان کے ان اشار کو کیا کہیں گے ؟ -

(۱) دٹنگو سی بہتر تر یوسفز - کہ ہر ٹو ٹنگ دی ہم پہ خوبکار
اور (۲) دہندوسی بہتر دی ترنگشہ - کہ ہزار ٹنگ ہند بہتر تر سی دی
یوسفزی جن کے ہر فٹ ٹنگوں کے دروں پر چھک مانگنے سے
ٹنگ آکر ٹنگوں نے ان کے متعلق ٹنگ دھسا... الخ کی کیاوت ہی
ہے اپنے علاقے میں ٹنگوں کی بابت کہتے ہیں :-

(۱) ٹنگ لاندے - ٹوڑے پہ باندے + [یعنی ٹنگ ناقابل شکست ہیں] +
(۲) ٹنگ دسیورے پہ طبع پہ میسر کہنے علی + [یعنی ٹنگ سخت متوکل
اور ان العسر مع العسر کے قائل ہیں] +

(۳) یوخرگئے راکہ - یو تیرگئے راکہ - نورم دروری نہ خلاص نمے [یعنی
ٹنگ انتہا درجے کے محنت کش اور مقصد بہ نفس ہیں] +

(۴) دپستے پوشتنہ ورنہ اوکہ + [یعنی بہت غریب لوگ ہیں] +

حقیقت حال یہ ناخبر ٹنگ اپنا منہ رکھنے کے لئے ”ہنگ بہ... الخ
کی بابت کہتے ہیں کہ اس کا دوسرا حصہ : ٹنگ بہ دچا شرنے نہ شی - یعنی
ٹنگ کسی کا پیرو نہیں بنتا ہے + لیکن یہ تو جہہ غیر ضروری ہے +
گزٹیر کے موجودہ ایڈیشن میں سے اس کے نکال دیئے گئے ہیں +

مذہب

یہ مذہب کشتہ خٹک، درست سنی مذہب دے
اما پیر قدرتہ لہ جھلہ لکہ رست دے
کہ یہ دا سبب کافر وی کوئد ویتہ

کنہ واڑہ یہ مذہب کشتہ سنی دینہ [سوانائے خان]

خٹک حنفی المذہب اہل سنت والجماعت ہیں۔ یہ استثنائے منلوہ
کے ایک اکوڑ خیل خاندان کے جسے لوگ قادیانی سمجھتے ہیں اور کرک
کے چار پانچ مائشی خیل جو عیسائی ہو گئے ہیں لیکن آج کل اکثر کوئٹہ
میں رہتے ہیں اور پیری کا خان باز خیل اکوڑ خیل جو سنی توفیقی
خٹک پنج ارکان دین کے پابند ہیں، ان کی دین داری کی بابت
افوند دروینر گانے اپنے تذکرۃ الابرار والاشرار (ص ۸۵) میں یہ لطیفہ
سیرد قلم کیا ہے: "خٹک عورتیں ایک ماتھ سے چلی کا دشنہ گھماتی
ہیں اور دوسرا ماتھ سینے پر رکھا ہوتا ہے اور بیٹھی ہوئیں اشاروں
سے سجدہ اور رکوع کرتی ہیں اور اسے نماز سمجھتی ہیں۔ اگرچہ یہ
نماز قابل قبول نہیں ہے لیکن ترک فرائض سے بہتر ہے۔ کیونکہ ان
کے اعتقاد کی صحت کا ثبوت ہے، جیسا کہ علیہ السلام نے فرمایا ہے:
حَرَکَةُ اطَاعَتِهِ دَلِيلُ الْمَعْرِفَةِ حَرَکَةُ الْجِسْمِ دَلِيلُ الْحَيَاةِ (عبادت کی
حرکت پہچان کا ثبوت ہے جیسا کہ جسم کی حرکت زندگی کی)۔

خٹکوں میں آج کل اچھے عالم بھی بہت ہیں اور نیم ملا بھی۔
وہاں کے ایک دارھی منٹے نیم خواندہ، پروینری خیالات کے انتقالی
قریشی کو وہاں کے لوگ اُسٹا دیتے ہیں۔ ایک دن دوران گفتگو میں
کہنے لگا کہ نماز میں کسی سے بات کرنے سے غار ٹوٹ جاتی ہے۔ اسلئے
میں "اَسْلَامٌ عَلَیْکَ اَیُّهَا النَّبِیُّ" کی بجائے اَسْلَامٌ عَلَی النَّبِیِّہ پڑھتا
ہوں۔ ہر چند اسے سمجھا یا کہ یہ تو مہراج کی رات رسول اللہ کی تجتہ
کے جواب میں اللہ تعالیٰ کا فرمودہ ہے اور اس سے نماز نہیں ٹوٹتی لیکن نہ مانا۔

سبھی صبح الغفیدہ مسلمانوں کی طرح خشک بھی دم، لعوید اور قروں پر فاتحہ خوانی کے قائل ہیں، لیکن یہود تو یہاں اور ٹوٹے (ٹوٹے) وغیرہ نہیں ملتے +

خشک و ایتھو ایلیہ الوسیلہ پر کار بند اور پیری مریدی کے قائل ہیں + لیکن مفت خور سے رسمی، خاندانی پیروں، فقروں اور مہانوں کا اثر وہ نہ ہونگے رہا ہے + اکثریت طریقہ عالیہ قادریہ کے پیرو ہیں + ایک آدھ نقشبندی بھی پایا جاتا ہے لیکن دیگر طریقوں کے لوگ نہیں ہیں +

گنڈاپور آف کوٹاٹ ڈسٹرکٹ ۱۸۸۳-۱۸۸۴ء ص ۶۹-۷۰ میں لکھا ہے: "ایک زمانے میں بہت سے خشک پیر تاریخی [غالباً پیر تاریک، پیر روشن، بانید، بایزید الصاری] کے مرید تھے + "راورٹی" ٹوٹس آن افغانستان ص ۳۸۹ پر رقمطراز ہے: "اکثر کرلانٹری افغان، خصوصاً بنگش، پیر روشن عرف پیر تاریک کے مرید تھے + "جہاں تک جنوبی (سابق تحصیل ٹیری، دال سرگ) کے خشکوں کا تعلق ہے مندرجہ بالا دونوں بیانات سراسر بے جا ہیں + پیر روشن کا اگر کچھ اثر رہا ہے تو چراٹ کے علاقے کے خشکوں پر + کرلانٹریوں میں جو لوگ پیر روشن کے مرید بنے تھے وہ بعض بنگش، افریدی، اورکڑی اور توری تھے جو آج کل شیعہ ہیں + ان کے علاوہ اکثر شرعی مثلاً یوسفزی، مندر، خلیل اور مہمند بھی پیر روشن کے مرید تھے + پیر روشن اصلاً اسمعیلی (سبھی، باطنی) مذہب کا شیعہ تھا + بنگشوں، افریدیوں، اورکڑیوں اور توریوں میں جو شیعہ آجکل پائے جاتے ہیں وہ بھی پہلے پیر روشن کے پیرو اور اسمعیلیہ مذہب کے تھے لیکن اب پنجاب اور ہندوستان کے شیعہ مہانوں، ذاکروں اور مجتہدوں کی سن سن کر اثناء عشرہ بن رہے ہیں + اسمعیلی ہونے کے ساتھ ہی، اپنی پیری کی وجہ سے پیر روشن

وحدت الوجود کا قائل بھی تھا۔ لیکن اس کا وحدت الوجود کا نظریہ اشتراکیت کی حد تک پہنچا ہوا تھا۔ وہ بھی فرد زمین اور زن کو مشترکہ ملکیت سمجھتا تھا۔ وہ اپنے مریدوں کو یہ تلقین کیا کرتا تھا کہ اگر کوئی نہیں دولت نہ دے تو اسے قتل کر ڈالو۔ وہ یہ بھی کہتا تھا کہ اناٹ بہ مثال بھولوں کے ہیں جنہیں پر کوئی ٹوڑ کر سہانہ سکا ہے + وہ اپنے مریدوں میں سے نرا اور مادہ کو کہتا تھا کہ میرے سامنے ایک دوسرے کو گلے سے لگاؤ اور سینے سے چمکاؤ۔ جب وہ ایسا کر چکتے تو اس حالت میں ان سے پوچھتا کہ اس وقت تمہیں کوئی بُرا خیال تو نہیں آ رہا؟ اور ان کا جواب نفی میں پاکر انہیں پاس کے ایک گوشے میں جانے اور وہاں ذکر کرنے کو کہتا! اس قسم کے ٹوٹ مار، قتل و غارت، فجور اور دنیا کے نظریوں کی اجازت اور اشاعت کی وجہ سے بہت سے نوجوان لڑکے اور لڑکیاں اس کی مجلسوں میں منڈلاتے رہتے تھے +

پشتونوں میں ایسا مذہبی اثر اور وقار قائم کر چکے اور ان پر ایک قسم کی حکومت بنا چکے کہ بعد پرروشان نے ملحد مغل بادشاہ اکبر سے یہاں کی حکومت حاصل کرنے کی ٹھانی اور مغلیہ فوج کے ساتھ کئی لڑائیاں لڑیں اور یوں پشتونوں کے جذبہ آفادی کی اس روح کو تقویت پہنچائی جو انہیں ازل سے ودیعت اور آج تک بخوبی نمایاں ہے +

آخوند درویش صاحب کے تذکرۃ الابرار و الاشرار کے مطالعے سے پتہ چلتا ہے کہ پرروشان کے اکثر مریدوں کو کشف جنونی حاصل تھا۔ یہ بہت قابل فخر بات ہے۔ کیونکہ یہ طریقت میں ایک ادنیٰ ناسوتی لیکن ابتدائی اور لایہ منزل ہے۔ اس منزل میں سالک کو آگے بڑھنے سے روکنے کے لئے جنات اس کی دنیاوی مود کرتے اور اسے غیب کا حال بتلاتے ہیں + طریقت میں بہ ایک قسم کی رجعت ہے جس سے جلد لکھنا چاہئے لیکن قابل تعریف اس لئے ہے کہ عالم غیب کی ان ناسوتی مخلوقات کو دیکھ کر سالک کا عالم غیب کی دوسری چیزوں مثلاً ملائکہ، ارواح اور اللہ پر یقین ہو جاتا ہے +

زیارتیں

”اِذَا تَجَيَّزْتُمْ فِي الْأَمْوَالِ فَاسْتَجِيزُوا مِنْ أَهْلِ الْقُبُورِ“ [حدیث شریف]
علاقہ خشک کی مشہور زیارتیں مندرجہ ذیل ہیں :-

- (۱) اوت بابا - ان کی زیارت وادٹی خولہ میں نظام پور کے پاس ہے + اس زیارت پر فاتحہ خوانی کرنے سے اللہ تعالیٰ اس روحانی کے طفیل باد اور گنہگاروں کو شفا دیتا ہے +
(۲) سند علی - یہاں غاشقہ کے پہاڑوں کے جنوبی دامن میں مدفون ہے + اس پر جانے سے بخار سے چھٹکارا ملتا ہے +
(۳) شیخ اللہ داد - محمد عثمان کا بیٹا اور مندوی خان کا پوتا تھا + اصلاً خشک تھا + بولاق کی شلخ مروت سے تھا + ان پر خوبصورت پختہ مقبرہ بنا ہوا ہے +

ان کا گاؤں ان کے دادا کے نام پر مندوی کا مشہور ہے + یہ گاؤں ہرات میں شیخ اللہ داد کو ملا تھا + لیکن بوجہ عبادت گزار ہونے کے گاؤں کو چھوڑ کر اپنے مودتہ رقبہ میں بضرع عبادت اپنے لئے فقیروں کی سی ایک چھوٹی سی رہائش گاہ بنوا کر وہیں زید اور ریاضت میں مشغول رہتا تھا + ان سے بہت سی کرامات ظاہر ہوئی ہیں + اور گزشتہ لے ان کی کرامات سن کر ان کے گاؤں کا رقبہ انہیں جاگیر میں دے دیا تھا + تاریخ کوٹاٹ (قلبی) میں آپ کی وفات کا سن غلط طور پر لکھا گیا ہے - لیکن مراقبات و حکماء سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ کا صاحب کی وفات یعنی ۱۰۸۹ھ کے بعد بھی زندہ تھے +
محمد افضل خان نے تاریخ مرصع میں خان کی زبانی شیخ صاحب کے بیٹے کریم داد کی بابت لکھا ہے + ”یہ کریم داد مادر زاد [ابا بھم] ہے + اس کا باپ شیخ اللہ داد ہے + میں جب ہندوستان سے قید کے حادثے سے واپس آیا تو اس کا باپ وفات ہو چکا تھا + کیوں کہ خان وسط جمادی الثانی ۱۰۸۹ھ میں گرفتار اور ۱۰۸۹ھ میں اپنے وطن آیا تھا + اس لئے ثابت

یہاں کہ شیخ صاحب وسط جہادی لکھنؤ میں زندہ اور اس تاریخ اور سنہ ۱۸۵۹ء کے دیہان وفات پا چکا تھا +

غازی احمد شاہ ابوالی بادشاہ نے شیخ صاحب کی خوبیوں کی وجہ سے مندونی کلمہ بہ ذریعہ ایک سند سنہ ۱۱۶۰ھ میں ان کی اولاد کو جاگیر میں معاف کر دیا تھا + سنہ ۱۸۵۹ء (تاریخ کوٹاٹ کے سن تصنیف کے وقت) تک یہ گاؤں شیخ صاحب کی اولاد کی جاگیر تھی + سنہ ۱۸۸۹ء میں اس جاگیر کا مالیت ۳۰۰ روپیہ تھا + [جاگیر کا مطلب تو یہ ہے کہ جاگیر کا مالیت تو جاگیر دار وصول کرتا ہے لیکن اس کے عوض جاگیر دار حاکم وقت کی کسی قسم کی خدمت کیا کرتا تھا - مثلاً یہ وقت ضرورت یا جنگ سواروں یا پیادوں کی ایک مقررہ تعداد پیش کیا کرتا تھا + لیکن جو جاگیریں آستانوں کو دی جاتی تھیں وہ اس قسم کی خدمات سے بھی معاف ہوتی تھیں] شیخ اللہ داد کی وفات کے بعد اس کا لڑکا کریم داد سجادہ نشین بنا + (۴) یہاں بھی صاحب - ان کی زیارت ٹیری توٹی کی بالائی وادی

میں یہاں بھی خیل کھلی کے پاس واقع ہے +
(۵) لنسک بابا - انہیں لنسک دیوانہ بھی کہتے تھے - ان کے بڑے بھائی کا نام حسن تھا + لنسک بابا ٹیری کے رہنے والے اور ٹیری سے پڑا ہل مغرب کو مدفون ہیں + ان کی زیارت کے میدان میں گھوڑا دوڑانے سے انارڈی سوار شہسوار بن جاتا ہے + محمد افضل خان نے تاریخ مرصع میں خان کی زبانی شیخ صاحب کے جو حالات لکھے ہیں ان سے پتہ چلتا ہے کہ آپ شیخ ابابکر خوست والے یعنی پیر سباک صاحب کے والد کے ہم عصر تھے اور ٹیری کے ہندوی آپ کے بہت متقدّم تھے +

تختہ المشائخ میں لکھا ہے کہ آپ حضرت ابوبکر صاحب کے مریدوں میں سے تھے +

(۶) غازی بابا - ان کی زیارت ٹیری کے شمال میں ایک باغ میں ہے +

(۷) شیخ علاء الدین - ان کی زیارت موضع ٹیری کے قریب گاؤں کے شمال مغرب کو لاناں وادی میں مارنی خیل کے قریب واقع ہے۔
 (۸) مباحی (سکنہ شوپکی) - قصہ المشائخ میں لکھا ہے کہ مباحی صاحب پر سباک کے سر پر تھے۔ ان سے رخصت ہونے کی اجازت پا کر موضع شوپکی میں آکر اقامت پذیر ہوئے۔ مباحی خیل اصل میں مباحی خیل ہے، مباحی ننگشوں کا ایک قبیلہ ہے۔ اس قبیلے کا ایک نیک آدمی شوپکی آیا تھا۔ علاقہ خشک میں مباحی کثرت استعمال سے مباحی بن گیا۔ مباحی کی اولاد نے یہ بے پر کی اڑائی ہے کہ ہم پر سباک کی اولاد سے ہیں۔

ان کی زیارت اسماعیل خیل کے مشرق میں ہے۔ یہاں جانے سے باخجہ عورتیں بار بار ہوجاتی ہیں۔

(۹) نیکی صاحب - ان کی زیارت موضع بہادر خیل کے شمال مغرب میں ہے۔ کنراک یعنی سرخ باد (و غیرہ) کی زیارت ہے۔ بنوں سے بھی کئی لوگ وٹاں جاتے ہیں۔

(۱۰) سرود نیلہ - انہیں سراج بابا اور سرود گنڈائی بھی کہتے ہیں۔ آپ کا نام سراج الدین تھا۔ آپ شیخ راجن قتال کی اولاد سے اور بخاری سید ہیں۔ آپ کی زیارت موضع ششی لفری سے پلا پیل کے فاصلے پر لیو غور الکوہ کے کنارے واقع ہے۔ سراج کا اور عام قبروں سے بوجہ تبرک بہت لمبا بنایا گیا ہے۔ بنوچی، وزیر، سروت اور خٹک وغیرہ آپ کے معتقد ہیں۔ ان کے حالات خدا نے چاہا تو عنقریب شائع کر دے جانتے۔

(۱۱) کا کا صاحب - شیخ رحمار وغیرہ کئی ناموں سے مشہور ہیں۔ زمانہ چٹا ۹۸۱ھ تا ۱۰۹۳ھ ہے۔ آپ یلس خیل خشک سے خوشحال خان کے خاندان اور شیخ بچی اور شیخ فقیر علیل بیگ وغیرہ کے پیر تھے۔ آپ بزرگ اولیاء میں سے تھے۔ تو شہر سے ہیں زیارت کا کا صاحب میں دفن ہیں۔ ہر علاقے کے پشتون آپ کے محقق ہیں۔ آپ کے متعلق کئی کتابیں لکھی جا چکی ہیں۔

ساز اور ناچ

اپنے سب پشتوں بھائیوں کی طرح خشک بھی ناچ نگ کے
 متولے ہیں + ان کا عام ساز ڈھول اور پھونکڑی (سُزنا) ہے جسے
 ڈوم بجاتے ہیں + چیخ کے وقت صرف ڈھول ایک خاص تیر سُر میں
 بجایا جاتا ہے + شاد و نادر کوئی منچلا ریاب یا سریندہ (دلریا)
 بھی بجاتا ہے + لیکن ان کا مزہ پہلے گرامافون نے اور اب ریڈیو نے
 گم کر دیا ہے +

ساز سے کچھ عرصہ پہلے خشک کے ملاؤں نے ہر قسم کا ساز اور
 ناچ بند کر دیا تھا۔ لیکن اب یہ شیطانی کام پھر زوروں پر ہیں +
 شادیوں میں اور فصل کی کٹائی کے بعد بہت گانا بجانا اور سفید
 فام امردشوں کا ناچ ہوتا ہے + یہ شوے ڈومنیوں کی طرح سیاہ
 خلع [پشتواں] پہنتے ہیں + پٹے معمول سے قد سے لمبے اور خوشبودار
 تیلوں سے معطر رکھتے ہیں + آنکھوں میں سرمہ اور ناٹھ پیروں میں
 مہنوی بچاٹے رکھتے ہیں۔ کانوں میں دلیچے اور گلے میں تحوید اور
 پیرے لٹکاٹے رہتے ہیں۔ پاؤں میں گھگرو اور ایک ہاتھ میں رنگدار
 رمل لے پھرتے ہیں +

آج کل بعض شوے زنانہ ریشمی رنگدار کپڑے پہن کر ناچتے ہیں
 اور ویسے ہی دوپٹہ بھی اوڑھتے ہیں۔ اس کی ایک وجہ تو یہ ہے
 کہ یہاں نہ تو چکلے ہیں اور نہ کچنیاں۔ اور دوسری یہ کہ کچھ عرصے
 سے حکومت نے رنگینوں کا ناچنا منع کر دیا ہے کیونکہ ایسے تماشوں
 میں لوگ یا تو اپنے دشمن کے گولی مار دیتے ہیں یا لڑائی ہو جانے
 کی صحت میں لے کر تاشا فاشوں سے پیگناہ آدمی زخمی ہو جاتے ہیں +
 آجکل شوے پرانے پشتونوال ناچ کم اور سینما گھریوں پر فلمی
 اداکاراؤں کے ناچوں کی تقلید زیادہ کرتے ہیں۔ یہ شوے بھی کبھی
 گلتے بھی ہیں +

اگلے وقتوں میں جب رنڈی ناچتی تھی تو اسے لگی اور کٹا
 پہناتے تھے۔ یا زمانہ قریب میں قراچی + آجکل نٹوں کو زمانہ پکڑے
 پہنا کر رنڈیوں کا وسواس پویا کرنے میں + پشادری لپٹیں لٹتی کھتے ہیں۔
 ٹھک جلس کے بھی بہت شائق ہیں + مجلس کی ابتداء اس
 طرح ہوتی تھی کہ اگر کوئی شاعر کوئی چار بیت یا لہڈی بناتا تو اسے
 اپنی تشہیر کے لئے کسی بیاہ کے موقع پر برسرعام سناتا۔ اس کے
 ساتھ یا ساز بھی ہوتا یا بغیر ساز ہی کے سناتا + اب اگر کوئی اور
 بھی اپنے آپ کو شاعر سمجھتا تو وہیں اس کا جواب دیتا + اس میں فی
 البدیہہ بہت بازی کا بیان باعث طوالت ہو جائیگا +

پھر ان مجلسوں کے کسی رنگ اختیار کر لیا۔ مجلسی کوئی خوش گلو
 ہوتا جو یا اپنے یا دوسرے کے اشعار سناتا + دوسرے کے اشعار
 سناتے والے کو بھی لوگ شاعر کہتے تھے جیسا کہ آج کل پر اندیشہ
 کو حافظ کہتے ہیں چاہے اسے کلام مجید یاد نہ بھی ہو + پھر ایسے مجلسی
 اور مجلسیوں کو بھی اپنے ساتھ ملاتے۔ پہلے تو صرف زیر پکڑنے کے
 لئے کسی بلند اور میٹھے آواز والے کو اپنے ساتھ ملاتے تھے۔ لیکن پھر
 ایسے لوگوں کو اپنے ساتھ ملاتے تھے جو خود بھی گا سکتا۔ اور
 ان کے ساتھ میدان میں باری گزار سکتا + ان کے ساتھ سافندے
 بھی اپنے ہوتے اور یہ لوگ جوڑی کھاتے کیونکہ ابتداء میں دو ہوتے تھے +
 علاقہ ٹھک میں فی زمانہ مجلس نہر شور پر ہیں۔ زیادہ دولہند
 اور فضول خرچ لوگ بنوں کوٹاٹ اور پشاور سے بھی جلس
 بلاتے ہیں +

پشتونوں میں ناچنے کی عادت بہت پر لاتی ہے + مرد اور عورتیں
 دیروں کے نعلاتے میں بھی ناچتے تھے۔ اس وقت مردوں کے لیے
 پٹے (خٹریے) ہوتے تھے جن میں گھی ملتے تھے اور کنگھی کرتے تھے +
 دونوں جنس سر کے بالوں میں خود دو پھول لگاتے تھے + یہ لوگ

گروہ درگروہ کھلی فضا میں گلتے اور ناچتے تھے + اس وقت پیشہ ور ناچنے والی عورتیں بھی موجود تھیں + وہ ڈھول کے ساز کے ساتھ ناچتے - اور اسی ڈھول کی آواز نوجوانوں کو میدان جنگ میں مستی دلاتی تھی - وہ ناچتے وقت میدان سے ایسی ہی خاک اڑاتے تھے جیسا کہ آج کل گرد اٹھاتے ہیں +

پشتونوں میں علاوہ خشکوں کے، بنگش، سلیمان خیل، غلزئی، وزیر، محمود اور خواست وال آج دن تک ناچتے ہیں - ناچتے صرف وہی قبیلے ہیں جو خطرے رکھتے ہیں اور ہاتھوں میں رپے ہیں - چونکہ ناچ میں بٹوں کو بھی ادھر ادھر پھینکتے ہیں اس لئے میدانوں کے کلبسے یہ ناچ نہیں کر سکتے - یہ رقبے پاکسے اپنے ناچنے کی پیاس رنڈیوں کے ناچ کو دیکھ کر بھولتے ہیں - یہ رنڈیاں عام طور پر پیشہ بھی کرتی ہیں

خشکوں کا ناچ جو آجکل ساری دنیا میں ”خشک ناچ“ کے نام سے مشہور ہو گیا ہے (اور جس کا ذکر آٹھے آجائیکا باقی سب پشتونوں کے ناچوں سے یہ امتیازی صورت رکھتا ہے کہ یہ ناچ دو تلواروں کے ساتھ کیا جاتا ہے اور ایک عوامی فوجی ناچ ہے - ہم پہلے پشتونوں کے بعض دیگر قبائل کے ناچوں کا مختصر ذکر کریں گے :-

(۱) تھارہرن نے ”بنوں آر اور افغان فرنیئر“ میں بنوچوں کے جس ناچ کا ذکر کیا ہے اس میں تلوار نہیں ہوتی + وہ پیچ میں ایک ڈنڈا گھاڑ لیتے ہیں - اس کے گرد پیادوں کا دائرہ اڑان کے چھ سواروں کا حلقہ ہوتا ہے + یہ سب اس ڈنڈے کے گرد ناچتے ہیں + ان کے ساز میں صرف ڈھول ہوتا ہے + اسے میندور کہتے ہیں +

(۲) پیٹرین نے اپنی کتاب ”نیرو سماٹیل“ ص ۹۶-۱۰۰ میں محمودوں کے جس ناچ کا ذکر کیا ہے اس میں بھی تلوار نہیں ہوتی ہے +

(۳) لاطیر نے اپنی کتاب ”گریمر“..... آف وزیر ی پشتو“ میں ص ۳۲۶-۲۷ میں وزیروں کے جس ناچ کا حال لکھا ہے اس میں ناچنے والوں کے ماتھوں میں ایک ایک تلوار توڑی ہوئی ہے لیکن اس میں تلوار کی وہ حرکتیں نہیں ہوتیں جو اصلی جنگ میں کی جاتی ہیں اور جو صرف خشکوں کے ناچ میں نظر آتی ہیں۔ وزیر صرف اتنا کرتے ہیں کہ ساز کے ساتھ باری باری ایک ماتھ اوپر اٹھاتے ہیں اور دوسرا نیچے لاتے ہیں۔ ”سینٹرل ایشا“ حصہ ۱ جلد ۲ ص ۱۵۳ میں خشک ناچ کے متعلق بھی ایسا ہی لکھا گیا ہے جو کہ سرس غلط ہے۔ اصلی کیفیت اس کتاب میں آگے لکھی گئی ہے۔

وزیروں کا ناچ بھی بوجیوں کے ناچ کی طرح ہے۔ یہ ناچ عید کے دن، دن کی روشنی میں اور ایک شتون کے گرد کیا جاتا ہے۔ اس میں ناچنے والوں کی تعداد سینکڑوں تک ہوتی ہے جو چھروں، تلواروں یا بندوٹوں سے مسلح ہوتے ہیں۔ سائڈ سے شتون کے پاس کھڑے ہوتے ہوتے ہیں۔ ان کے گرد بوڑھے آدمی، بعد میں جوان اور سب کیسے سوار ہوتے ہیں۔ یہ سب بائیں سے دائیں کو ناچتے ہیں۔ خشکوں کی زبان میں ان کا مخصوص ناچ ”جنگڑا“ کہلاتا ہے۔ یہ نام پنجابیوں کے جنگڑہ کے ساتھ کسی قسم کا تعلق نہیں رکھتا جو فصل کی کٹائی کے بعد غلے کی برداشت کی خوشی میں ناچا جاتا ہے اور ہندوؤں کی پوئی کے ناچ کی قسم سے ہے۔

خشکوں کا ناچ نہ تو لہاری اور ہندوؤں کے مذہبی ناچوں کی طرح ہے جن کے ذریعہ ارواح خبیثہ کو خوش کیا جاتا ہے۔ اور نہ ان ناچوں کی طرح ہے جو شہوت کو بھڑکانے کے لئے ناچے جاتے ہیں۔ بلکہ یہ ایک قسم کا فوجی ناچ ہے جس میں تلوار کی مختلف قسم کے گزاروں کا مظاہرہ کیا جاتا ہے۔ یہ ناچ تیز، اثر انگیز اور عسکری ہوتا ہے اور ہمیشہ دو تلواروں کے ساتھ اور عموماً چاندی رات میں عید

الفطر کے پینے میں یا جنگ سے پہلے ناچا جاتا ہے تاکہ جوڑ ذہن کھل جائیں۔

سپین (ص ۵۴) نے جس ناچ کو خٹکوں کا ناچ لکھا ہے وہ بھی صحیح معنوں میں وہ نہیں ہے کیونکہ اس میں دو تلواروں کی بجائے ایک ہاتھ میں تلوار اور دوسرے میں مشعل استعمال ہوا تھا۔

خٹکوں کا صحیح ناچ یوں ہوتا ہے کہ ایک میدان کے مرکز میں لکڑیوں کی ایک بڑی آگ رات کو روشن کر دیتے ہیں۔ آگ کے پاس ڈھول اور سرنا والے کھڑے ہو جاتے ہیں اور ان کے قریب تقریباً پچاس جوان دائرے کی شکل میں ایک دوسرے کے قریب قریب کھڑے ہو جاتے ہیں۔ ہر جوان کے ہاتھوں میں دو اصلی چمکدار فولادی تلواریں ہوتی ہیں اور گردن یا گھر کے گرد رنگدار رومال باندھا ہوا ہوتا ہے۔

ادھر سرناٹا سرنا پھونکتا ہے، ادھر ڈوم ڈھول پر دستہ مارتا ہے اور ادھر جوان پیروں اور تلواروں کو حرکت میں لاتے ہیں، پیوں کو جھٹکا دیتے ہیں اور ناچ کا چکر شروع کر دیتے ہیں، پہلے ان کی حرکت آہستہ اور باوقار ہوتی ہے۔ لیکن آہو کے گرم ہونے کے ساتھ ساتھ حرکت بھی تیز ہوتی جاتی ہے اور آخر میں یوں دکھائی دیتے ہیں جیسے ہوا میں اڑ رہے ہوں، جوں جوں وہ تیز ہوتے جاتے ہیں ساز بھی تیز ہوتا جاتا ہے۔

سانکے ساتھ ہی جوانوں کی تلواریں بھی پر اس سمت میں حرکت کرتی ہیں جس کا تصور کیا جا سکتا ہے۔ یہ حرکت پھر اتنی تیز ہو جاتی ہے کہ تلوار پر لفظ نہیں جمی۔ آگ کے شعلوں میں تلواریں بھی آگ کے دو شعلے نظر آتے ہیں جو ناچنے والوں کے جسموں میں گھستی اور نکلتی دکھائی دیتی ہیں، جسموں اور تلواروں کی ان دو نگہیں کھڑے کرنے اور بیہوش بنانے والی حرکتوں کے بیچ میں ناچنے والے ایک قسم کی پیچ

بھی نکالتے ہیں جو نابلدوں کو تو مستی کا ایک لغزہ دکھائی دیتا ہے
لیکن درحقیقت اپنے ساتھیوں کو حرکت بدلنے کا اشارہ ہوتا ہے
تقریباً ایک گھنٹہ کے بعد یہ ناچ بھی ختم ہو جاتا ہے اور ڈھول
سرتا بھی اور آگ کے سسلے بھی نہیں رہتے +

اس ناچ کے بعد ایک اور تیز ناچ شروع ہو جاتا ہے۔ یہ ناچ
جوان باری باری ناچتے ہیں۔ اب ان کے جسم ایسے دکھائی دیتے
ہیں جیسے ان میں پدیاں نہ ہوں اور وہ نہ ملنے کی سرعت سے
ناچتے ہیں۔ رقاص ڈھول کے قریب جاتا ہے اور ڈھول پر جھولی
فرب لگاتا ہے۔ پھر گھٹنے ٹیک کر دونوں تلواریں اپنے جسم کے گرد
ایسا گھاتا ہے گویا آگ کے دو دائرے ہیں + یہ ناچ تھوڑی دیر تک
چلتا ہے +

خٹکوں کی زبان میں عورتوں کے ناچ کو بلبہ کہتے ہیں۔ اس میں آگ
چاندنی، عیدیا تلواروں کی قید نہیں ہوتی + بلبہ میں عورتیں دائرے
میں ناچتی ہیں۔ ہاتھوں کو مخصوص حرکیں دیتی ہیں۔ پھر سب آگے
کی طرف جھک جاتی ہیں اور سب ایک ساتھ تالی بجاتی ہیں + عورتیں
بلبلہ کے اثنا میں کبھی کبھی ٹکی (ٹپے) بھی گاتی ہیں +

۱۸۸۴ء سے کچھ عرصہ پہلے جب ملاؤں نے بنگرہ کو بند کر دیا تو
بلبلہ کو رہنے دیا کیونکہ اس کے ساتھ ڈھول اور پھونکاری نہیں
ہوتے + بلبہ کے وقت بعض باہر بیٹھی یا کھڑی ہوئی عورتیں تنبل
بجاتی ہیں جسے بہت سے ملا تو جائز لیکن اخوند درویشہ ناجائز بتلاتا
ہے اور اس حدیث کو بھی کافروں کی اقتراء بتاتا ہے جو عورتوں کے
ناچنے اور تنبل جانے کے جواز میں پیش کی جاتی ہے +

بدن کے بہت ہلکے اور پیروں کے بہت چست ہونے کی وجہ
سے پہاڑ کے خٹک (خصوصاً مکوڑی) خٹک ناچ کے بہت ماہر ہیں +
بنگرہ کے ناچنے والے آج کل بہت ہی کم رہ گئے ہیں۔ اولاً

تو اس لئے کہ ملاؤں نے بھنگڑہ کو ممنوع قرار دیا تھا۔ اور ثانیاً اور خاص کر اس لئے کہ قانون اسلحہ ایکٹ ۱۸۷۸ء سے جس کی رو سے تلوار کا پلا اجانت نامہ لئے اور فیس ادا کئے پھرانا بھی جرم ہے۔ بھنگڑہ کو ناقابل تلافی نقصان پہنچا ہے + اب آزاد ہونے پر بھی ہم چار اینچ سے زیادہ لمبا کمانبند چاقو بھی نہیں رکھ سکتے + اسلحہ کہ دنیا کی باقی آزاد قوموں کی طرح ہمارے قانون اسلحہ میں بھی نری رائج کر دی جائیگی + قانون اسلحہ بدلیشیوں کے دور استبداد کی یادگار ہے جو ایک آزاد قوم کے ساتھ کوئی مناسبت نہیں رکھتا خصوصاً مسلمان کے ساتھ جس کا مذہب کہتا ہے کہ اسلحہ مرد کا زیور ہے۔ آج کل ایسے خوش نصیب کم ہی ہونگے جنہوں نے پہاڑ کے خلوں کا بھنگڑہ دیکھا ہو جس چیز کو آج کل خشک ناچ کا نام دیا جاتا ہے وہ بھنگڑہ کے گرد کو بھی نہیں پہنچتی کیونکہ اس میں باقی سب کچھ تو چھوڑ دو تلواریں بھی شہاد و نادر ہی ہوتی ہیں۔ یہ جو آج کل مردوں کو رنگ برنگ کی پشتوازیں پہنا کر اور ان کی ایک کلائی میں شرح اور دوسری میں سبز ریشمال باندھ کر اور ہر ایک مٹھی میں ایک ایک ٹکڑا بھنگڑہ (کھڑتال) تھا کر اور اچھا خاصہ لٹالی (مسفر) بنا کر ان سے چھن، چھنا، نا، نا، چھم کی تال پر زنا یہ مہکھن کروائی جاتی ہیں اور اسے خشک ناچ کہا جاتا ہے۔ یہ بھنگڑہ تو یہی البتہ بھنگڑہ کی تو ہیں ضرور ہے۔ اور اسے خشکوں سے مشروب کرنا خشکوں کے ساتھ زیادتی ہے + یہ ناچ تو پشتونوں کے درجہ آئند، بلبلہ، بادریچ کا مقابلہ بھی نہیں کر سکتا جس میں تالی کا بجانا اور پاؤں کا زمین پر مارنا اور ڈھول اور سرنا کا ساز بھی ایک عجیب سماں پیدا کرتا ہے +

عورتیں

رگوبند کے زمانے سے پشتونوں میں عورتوں کے مقابلے میں مرد کی قدر زیادہ چلی آ رہی ہے + اس کی وجہ یہ ہے کہ خاندان مرد سے چلتا ہے + رگوبند میں لڑکیوں کی پیدائش کی خواہش نہیں ہے - اٹھرو دہائی میں انہیں کوسا گھاس اور بھروید میں لکھایا کہ جب پیدا ہو جائے تو باپ پر چھوڑ دو تاکہ مر جائے + پچھلے زمانے میں آریاؤں میں عورتوں کے مقابلے میں مردوں کی قدر اس لئے زیادہ تھی کہ وہ زمانہ جنگوں کا تھا اس لئے مردوں کی قدر زیادہ تھی - اور عورت کمرہ گرم میں حصہ نہیں لے سکتی تھی + ان میں عورت اپنی جائداد (استھری دھن) کی مالکہ بھی نہیں ہو سکتی تھی +

ابتداء سے لے کر ۱۹۴۷ء تک سب پشتونوں میں یہ رواج تھا کہ متوفی کی بیوہ اور لڑکیوں کو اس کی جائداد میں نا حیات خود گزار سے کا حق تو ملتا تھا لیکن مالکانہ حقوق سے محروم رہتی تھیں + اب اگرچہ پشتون کم از کم تقریباً ایک ہزار سال سے مسلمان ہوئے ہیں لیکن کئی باتوں میں ان کا عمل آج بھی رواج پر ہے + سکھوں نے اپنی عملداری کے زمانے میں پیسہ بطور تحفے کے لئے یہ رواج بنایا تھا کہ ہر جرم کی پاداش میں جرمانہ وصول کرتے تھے + ۱۹۳۷ء سے پہلے انگریز بھی یہاں رواج چلاتے تھے - اور جرموں اور معافی بوٹڈوں (بجائتوں) کے ذریعہ رواج آج بھی یہاں مروج ہے + انگریزوں نے اینگلو میڈن لاء کے نام سے جو نیم اسلامی جیسا قانون یہاں رائج کیا تھا اس کا اطلاق بیراث وغیرہ پر نہ تھا اور موجودہ قانون شریعت میں بھی بہت سی کیاں ہیں -

پشتونوں میں رواج کی مقبولیت کی بڑی بڑی وجوہات یہ ہیں :-

(۱) رواج ان کی سرزمین میں پیدا شدہ اور ان کے مزاج کے

عین مطابق ہے۔ (۲) ہزاروں سالوں سے رواج کے ساتھ مانوس ہیں + (۳) نہ تو پشتون عرصہ مدید تک کسی خالص شرعی نظام کے تحت رہے ہیں تاکہ شریعت کے عادی بن جاتے + اور (۴) نہ کبھی تعلیم کے زبور سے کما حقہ مزین ہوئے ہیں +
دور دور کے ٹھکانوں میں ایک دوسرے کے ساتھ مل کر رہنے کا ایک نتیجہ یہ نکلا کہ ہر قبیلے میں شادیاں قبیلے یا قبیلے کے اندر ہوتی تھیں + چارادوں کی شادیاں عام تھیں + ٹھک ٹھکیاں یہ مکہ گاتی ہیں :- ترلور د سرو زرو کنگر دہ -

قدیم ازوٹ ٹے کے ترلے یہ ٹرندو لو +

بیلو نے لکھا ہے کہ پشتون ایک دوسرے کے قبیلے میں شادی نہیں کرتے - اس نے پشتونوں کے قباثل میں نسلی اشتراکیت کے بغیر باقی پر قسم کی معاشرت ثابت کرنے کی غرض سے ایسا لکھا ہے + پشتونوں کی اپنے قبیلے اور قریبی رشتہ داروں میں شادی کرنے کی وجہ وہ ہے جو ہم لکھ چکے نہ کہ وہ جو بیلو نے لکھی ہے + اگر ان کے دو قبیلوں میں باہمی دشمنی نہ ہو تو بچائے اپنے قبیلے کے وہ دوسرے قبیلے میں شادی کرنے کو اس لئے ترجیح دیتے ہیں کہ آپس کی دوستی اور رشتہ داری بڑھے + ایتر یا بوجی ص ۱۳۲-۱۳۳ میں لکھا ہے کہ مختصر قبیلے میں تو ایسی شادی ناممکن کہ آپس میں دور کی رشتہ داری بھی نہ ہو لیکن قبائلی عموماً اپنے خاندان سے تو کیا اپنے قبیلے سے بھی باہر شادی کرتے ہیں +

رواجاً عورتوں کو میراث میں حصہ نہ ملنے کا نتیجہ یہ نکلا کہ متوفی کے اور میراث کی طرح اس کی بہو، غیر شادی شدہ بہنیں، لڑکیاں اور یتیم بھانجیاں بھی اس کے نرینہ ورثا کی میراث سمجھی جانے لگیں اور ایسی عورتیں اپنے میراث خوروں کی مرضی کے بغیر شادی بھی نہیں کر سکتی تھیں - اور اگر کر لیتی تو میراث خود اس کے

شوہر سے شرمانہ وصول کرتے تھے جس کا مطلب یہ ہوتا تھا کہ تم
 نے تو ہمیں کچھ چیز نہ سہیا جو ہماری موروثہ سے ہماری اجازت کے
 بغیر شادی کرنی، اگر وہ شوہر اپنے آپ کو زیادہ طاقتور سمجھنے کی
 وجہ سے شرمانہ ادا کرنے سے انکار کرتا تو اسے قتل کیا جاتا، ایسے
 شرم سے بچنے کے لئے بیوہ بھانج سے دیور شادی کرتا چاہے اس
 کا اپنی بیوی موجود ہی کیوں نہ ہوئی، ایسی شادی کے پس منظر
 یہ غرت بھی ہوتی کہ میرے بھائی کی بیوہ غیر مرد کے ساتھ کیسے
 سوئیگی اور یہ خیال بھی کہ کنبے کی عورت کنبے ہی میں رہ جائے +
 ۱۸۸۳ء میں خلیفائی کے شرمائے کی رقم ۳۰۰ روپیہ ہوا کرنی تھی +
 شرمائے کی رسم تو آج کل نہیں رہی لیکن اس کی بجائے عورتوں پر
 روپے لینے کی قبیح عادت شروع ہو گئی ہے۔ یہ رقم بھواؤں اور باکیوں
 دونوں پر لی جاتی ہے۔ اور ماضی کے مقابلے میں یہ رسم اور عورتوں
 کی قیمت اب روز بروز بڑھ رہی ہے + عورتیں اس لئے بھی متاعِ ثمن
 اور ہیں کہ خٹکوں میں عورتوں کی تعداد مردوں سے کم ہے اور اس
 لئے بھی کہ ان سے کیتروں کی طرح ہر قسم کی خدمت بھی لی جاتی ہے +
 یہ قبیح رسم انگریزوں کے دور میں اس لئے پروان چڑھی کہ انگریز
 خود بھی جان شوارٹ مل کے زمانے تک اپنی عورتوں کو بیچتے رہتے
 تھے + [ملاحظہ ہو: ہومن سپیشل ص ۱۹۰]

حیاتِ افغانی میں عورت کی قیمت سو روپے تک لکھی گئی ہے۔
 گذشتہ سو سال میں یہ قیمت تیس گنا تک بڑھ گئی ہے +
 اور قوموں میں باپ اپنی لڑکیوں پر روپیہ لینے کی وجہ یہ بیان
 کرتے تھے کہ ان کے پلنے پر ہمارا خرچ اٹھا ہے اور یہ اب ہم سے
 ایسے وقت میں لچائی جا رہی ہے جب کہ اس نے اس خرچ کے بدلے
 میں ہماری کوئی خدمت نہیں کی ہے۔ یا لڑکی کی ماں کہتی تھی کہ یہ
 میرا اس کو دودھ پلانے اور پلانے کی رقم ہے + ایران میں اسے شیر بہا

(دودھ کی قیمت) کہا جاتا ہے +

آج سے ۳۶۲ (۱۲۸۵-۱۶۲۱) سال پہلے جب پشتو اصول زندگی کا زور اور خشکوں کی اپنی خالی تھی خشکوں میں عورتیں بیچنے کی مخالفت نہ تھی + اخوند درویش صاحب اپنے تذکرۃ الاسرار والاشرار (ص ۹۹) میں لکھتا ہے: ”افغانان لیکن افغانوں میں شور و شغب اور اوس میں فتور اور خل کے دنوں میں سب فقروں اور غریبوں کو زیر و زبر اور پائمال کر لیتے ہیں اور ان کے اموال ان سے لے جاتے ہیں۔ اور ان کی بیویاں اور بچے بیچتے ہیں۔ بلکہ اپنی بیویاں اور اولاد آپس میں بیچتے ہیں۔ اور امن کے دنوں میں بھی اپنی لڑکیوں کو بیچنا اپنا معمول بنایا ہے یہ ہیں اعمال اور احوال افغانوں کے جو میں نے قندھار کی حد سے سوات اور تیرک حد تک جو یوسفزیوں کا ملک ہے میں نے دیکھا + لیکن وہ افغان جو دوسری سمتوں میں رہتے ہیں ایسے نہیں ہیں۔ کیونکہ ان سمتوں کا بادشاہ مسلمان ہے +

[تحقیق الاولیاء مصنفہ قاضی میر احمد شاہ رضوانی پشاور دی مطبوعہ مخید عام پریس لاہور ۱۳۲۱ھ ص ۱۰-۱۱ میں اخوند بخو صاحب کے یوسفزیوں کے علاقے سے ہجرت کرنے کا سبب یہ لکھا ہے: ”ان دنوں یوسفزئی کے اولوس بالکل باغی تھے۔ کیونکہ وہ مخلوں کے ساتھ تعلق رکھتے تھے اور بابر اور ہمایوں کے دست پروردہ تھے اور ان دنوں جب شیر شاہ افغان سوہی ہمایوں کو پند سے نکال کر خود غلبہ پا کر بادشاہ بنا تھا اور اولوس یوسفزی کا سردار جس کا نام گجو خان تھا شیر شاہ سے باغی تھا اس لئے آپ (اخوند بخو) ۹۵۱ھ میں جوہ سال کی عمر میں اسلام شاہ کے عید سلطنت میں یوسفزئی سے لڑ گئے +“]

معلوم ہوتا ہے کہ بعد میں زنان تروشی کی مذوم اور غیر شرعی عادت (جس کے یوسفزیوں میں عام ہونے کی مذمت خان نے بھی

اپنے "سوات نامہ" میں کی ہے) ٹکوں کے گوانڈیوں سے ان میں بھی سرایت کر گئی + یہ عادت جہاں ایک طرف کو بڑھی ہے وہاں دوسری طرف اس کا باک بھی کم سمجھا جانے لگا ہے + مثلاً اس بارے میں چُپ سادھے بیٹھے ہیں کیونکہ جب وہ خود اپنی لڑکیاں وغیرہ بیچتے ہیں تو کسی دوسرے کو ایسا کرنے سے کیوں کر منع کریں گے؟ اب انھیں مکار عورتوں کی قیمت کو ان کے حق مہر کا نام دینے کا جیلہ تراش رہے ہیں۔ لیکن اللہ تو دلوں کا مالک ہے +

عورت جتنی زیادہ اونچی چوڑی اور سفید فام ہو اتنی ہی زیادہ دام پلتی ہے۔ آج سے سو سال پہلے عورت ۱۰۰ سے لیکر ۴۰۰ روپے تک بکتی تھی + رگ وید کے زمانے میں تجارت بذریعہ تبادلہ ہوا کرتی تھی۔ قیمت مقرر کرنے کے لئے معیاری شے گلے تھی۔ غریب عورتیں آج سے کچھ عرصہ پہلے بھی ایک گلے یا دو گدھوں یا چار بکریوں کے عوض بکتی ہیں + آج کل عورت کی عام قیمت ایک ہزار روپہ ہے لیکن غیر معمولی حسینائیں تین یا چار ہزار روپے تک بھی بکتی ہیں + سانولی اور درمیلنے قدر کی عورت پانچ سو میں بھی مل جاتی ہے + جو لڑکی انہوں میں بیابھی جاتی ہے اس کے چار پانچ سو روپے ملتے جاتے ہیں + لیکن آپس میں تبادلے بھی کئے جاتے ہیں + خشک عموماً ایک بیوی رکھتے ہیں۔ بعض کی دو بھی ہوتی ہیں۔

تین بیویاں بہت ہی کم اور چار شاذ و نادر ہی ہوتی ہیں + کم آباد علاقوں میں باپ کا کام کاج کرنے والی عورتوں کو نامزدوں سے ملنے کے بہت سے موقعے ملتے ہیں اور ایسی ملاقاتوں سے ہرے نتايج نکلنے کے بہت سے موقعے ہوتے ہیں + خشک اپنی بیوی وغیرہ کی ہر وقت چوکیداری نہیں کر سکتا۔ اس لئے بدچلتی کی سزا مرد یا عورت یا دونوں کی موت مقرر کی گئی ہے +

قدنی ماحول میں بود و باش کی وجہ سے خلوں کے عشق میں

ابھی تک قدرتی رنگ پایا جاتا ہے۔ لڑکا اور لڑکی آپس کی پہلی ہی ملاقات میں ایک دوسرے سے شادی شدہ ہونے کا پوچھتے ہیں۔ اگر دونوں میں سے کوئی شادی شدہ ہو تو پھر ایک دوسرے سے ملنے کے لئے کوشش نہیں کی جاتی۔ بصورت دیگر مقناطیس تو لوہے کو کھینچتا ہی ہے +

خُٹک عورتوں کی عزت کا بہت خیال رکھتے ہیں۔ کنواری لڑکی سے بدچلنی کرنے والے کو موت کی گھاٹ اتارے بغیر نہیں چھوڑتے۔ بیاہتی سے زنا کی صورت میں مرد اور عورت دونوں کو قتل کرتے ہیں۔ اگر عورت کو قتل نہ کر سکتا ہو یا خوفِ خدا سے نہ کرنا چاہتا ہو تو اسے عموماً غیر سہاگن ظاہر کر کے علاقہ پنجاب میں فروخت کر دیتے ہیں جہاں وہ ہزار یا بارہ سو روپے سے کم میں نہیں بکتی + اگر زانی خود زانیہ کا طلبگار ہو تو بارہ سو روپیہ شرمیلے کے عوض اس کے ماتھے فروخت کر دی جاتی ہے + [مقتول کے قصاص کی بھی یہی رقم تفریق ہے] عورتوں کے شرمیلے کی رقم فریقین کے حیثیت کے مطابق نہیں بڑھتی یا گھٹتی کیونکہ خُٹک معاشرے میں نہ کوئی عورت کسی دوسری عورت سے کم ہے اور نہ مرد سے۔ لیکن بعض اوقات گاؤں کے مقبرہ بوشیا یا مطلقہ کا شرمانہ کم مقرر کر دیتے ہیں + پہلے زمانے میں یہ رواج تھا کہ شرمیلے یا نیک یعنی راضیلے میں زانی کے خاندان کی ایک یا دو بالائے کنواریاں متینہ یا مقبول شہ ^{داروں} دیتے تھے + اس رسم کو بعض قبیلوں میں سوار سے کہتے ہیں +

ہنگشوں، انریڈیوں اور اورنگیوں وغیرہ کی طرح خُٹک عورتیں بھی پردہ نہیں کرتی ہیں۔ لیکن اب برقعے کا غیر اسلامی اور غیر ماحشری رواج ان میں بھی نمودار ہو رہا ہے +

ذرائعِ رسل اور رساٹل کے بڑھنے اور بہتر ہونے کے ساتھ ساتھ اب بعض مالدار خُٹکے (خُٹک عورتیں) بھی برقعہ اوٹھ کر سفر کرنے لگی ہیں۔

لیکن خٹکوں کے معاشرے کا انحصار محدود زمینداری پر ہوتے ہوئے پردے کی عمویت میں بہت فقت لگ جائیگا کیونکہ خٹکے زمیندار کے کام میں مردوں کا بہت ناتھ بٹائی ہیں + لیکن اگر پردے کا رواج عام ہو جائے تو اس کا ایک اچھا نتیجہ تو لاچارہ یہ لگائیگا کہ عورتوں کی قیمتیں گر جائیگی اور بلا دام یا تبادلے کی شادیاں بڑھ جائیگی کیونکہ پردہ کرنے کی صورت میں وہ اپنے خاوندوں کے لئے اس قدر مفید اور لفع آور نہیں ثابت ہو سکیں گی جتنی کہ اب ہیں + اس کی سب سے نمایاں مثال شیتکوں میں ملتی ہے جہاں بہت زیادہ پردے کی وجہ سے نہایت جمیل دوشیزائیں بھی دودھ سو دپے میں بکتی ہیں - ایک ہی قبیلے میں پردہ کرنے اور نہ کرنے والیوں کے دامنوں کے فرقوں کی بہترین مثال مہندوں میں ملتی ہے جہاں میدان کے مہندوں کی پردہ کرنے والی لڑکیاں تین یا چار سو میں اور پہاڑ کے مہندوں کی پردہ نہ کرنے والیاں ایک ہزار میں بکتی ہیں + زیادہ دام کی پہاڑی قسطوں پر بھی بکتی ہیں + پرجہ کے پشتونوں کی طرح گھر کے کام کاج کے علاوہ خٹکے اپنے مردوں کو زمیندار کے ہر قسم کے کام میں مدد بھی دیتی ہیں - اور خٹکے لکڑیاں اور گھاس بھی کاٹ کر لاتے ہیں + آج سے تقریباً ۳۴ سال پہلے بھی پشاور کے علاقے کی خٹک عورتوں کا تقریباً یہی حال تھا جو کہ آج ہے جیسا کہ اخوند درویش نے چکنی والوں کے حال میں اپنے تذکرۃ الابرار والاشرار ص ۸۷ میں لکھا ہے : "ان چکنی لوگوں کے اکثر قبیلے جو سپین غر میں رہتے ہیں کفار کو ہی کہلاتے ہیں - ان کی خوراک اور پوشاک جو اور اون ہیں - بلکہ ان کی اکثر عورتیں ننگے سر ننگے پیڑ گالے میں چند چٹھڑے لٹکاۓ پھرتی ہیں - جنگلوں کو جاتی ہیں - لکڑیاں اور گھاس لاتی ہیں اور مولیتی چراتی ہیں + چنانچہ خٹک مخلوق کا روزگار بھی ایسا ہی ہے +

ابتدائی قیاموں کی طرح، پانی بھر کر لانے کا سخت ٹھکانے والا اور بے کیف کام بھی عورتوں سے لیا جاتا ہے جس میں بہت زیادہ وقت صرف ہوتا ہے۔ اس سے دوسرے درجے پر پیرمآنہ کام جو عورتوں سے لیا جاتا ہے جنگل سے لکڑیاں کاٹ کر لانا ہے۔ بیوی سے کسی قسم کا اقتصادی کام لینا شیعوں کے فقہ کی رو سے جائز نہیں ہے۔ یہاں تک کہ اس کو لینے بچے کو چھاتی سے دودھ پلانے کو بھی نہیں کہہ سکتا۔ کیونکہ بچوں کا پالنا باپ کے ذمے ہے نہ کہ ماں کے۔ اگر ماں دودھ پلانے سے انکار کر دے تو باپ کو لینے بچوں کیلئے دایہ رکھنی ہوگی + شریعت کی رو سے خاوند اپنی بیوی کی خدمت کے لئے دو خادم رکھ سکتا۔ اگر دو کے رکھنے کی توفیق نہ دیکھتا ہو تو ایک رکھ کر دے گا۔ اور اگر ایک بھی نہ رکھ سکے تو خود بیوی کی پرہیزگاری کی خدمت کرے گا۔ کھانا بھی اسے پکا پکایا دیا کرے گا۔ امام ابوحنیفہ اور امام شافعیؒ کی تو یہی تعلیم ہے۔ لیکن کیا آپ نے کبھی کسی ٹملا یا واعظ کو یہ پرچار کرتے ہوئے سنا ہے؟

اگر مردوں میں اچانک مکہ، تھیر یا کرخو کی لڑائی پھوٹ پڑے اور کوئی زخمی ہو جائے تو فریقین کی عورتیں بھی آپس میں گٹھ جاتی ہیں اور ایک طرف مرد اور دوسری طرف عورتیں لڑتی ہیں۔

اگر بندھنوں کی لڑائی شروع ہو جائے تو عورتیں رسد رسائی کا کام کرتی ہیں اور دوڑ دوڑ کر اپنے اپنے گھروں سے اپنے اپنے مردوں کے لئے کار تو سوں کے زائد زخیرے، پیسے کے لئے ٹھنڈا پانی اور کھانے کے لئے ٹھنڈی (باسی) روٹیاں لاتی ہیں۔ اس آمد و رفت میں کبھی کبھی کسی عورت کے بلا ارادہ گولی بھی لگ جاتی ہے یا سر بھی جاتی ہے ورنہ مرد کسی حالت میں بھی عورت پر وار نہیں کرتا۔

جو لڑکیاں نیک کی صورت میں دی جاتی ہیں، یا کسی بد شکل یا دائم المریض یا بڑے بڑے مانتوں پریم دی جاتی ہیں وہ عموماً تو

پشتو کی وجہ سے گزراہ کرتی ہیں لیکن بعض بعض جو یا تو بہت زیادہ
 سناٹی جاتی ہوں یا عقل کی کچی ہوں یا ویسے ہی بد قسمتی کا شکار
 ہو چکی ہوں وہ کسی پارکے ساتھ لکل بھی جاتی ہیں۔ ایسے بھاگنے
 کا پتہ عموماً بھاگنے والے کی موت ہوتی ہے۔ اور ایک قتل کا پتہ
 دوسرا قتل ہوتا ہے اور یوں قتلوں کا ایک نا اتمنا ہی سلسلہ شروع ہو
 جاتا ہے۔ اپنی ایسی خلاف مرضی شادی کے شلوگر کیاں یہ نگہ کرتی ہیں:-
 کہ وہ کوئے بار تہم ور کہ۔ کنٹری ورٹھم دیوٹہ رنگ د بد ڈومہ
 سیٹا سیٹ ریپورٹ آف کونٹ ص ۷۷ میں بھاگنے کے عنوان
 کی نیچے لکھا ہے: ”خصوصاً خنکوں کے جنوبی ملک میں عورتوں کا یہ
 عام رواج ہے کہ اپنی زندگی میں ایک بار بھاگتی ہیں“ یہ الفاظ
 اس قوم کے افراد نے لکھے ہیں جس میں کوئی لڑکی بارہ سال کے عمر
 کے بعد باکرہ نہیں رہتی اور جس میں سال کے بارہ لاکھ حرای پچے پیدا
 ہوتے ہیں + انگریز بارکوں سے اس لٹے بھی کٹتے تھے کہ ایک ٹو فہ
 انگریزوں کے ہی خواہ یعنی نواب صاحب سے باغی تھے اور دوسرے
 وہ لکھنؤ تک انگریزوں کے ساتھ برسر پیکار تھے +
 یہ بھاگنے بھاگنے کے معاملے تو ہر جگہ ہوتے رہتے ہیں لیکن
 جہاں بعض اور جگہ حکمت عملی سے کام لیا جاتا ہے اور معاملہ تشہیر
 نہیں پاتا وہاں بارک ایسے معاملوں کو جانے نہیں دیتے اور
 فوراً اقدام قتل کر لیتے ہیں اور اسلئے عوام کی ظاہر میں آنکھوں
 کو پیاں اس قسم کے سب واردات نظر آنے کی وجہ سے زیادہ
 دکھائی دیتے ہیں +

خنکوں میں طلاق نیست کے برابر ہے + طلاق لینا اور دینا معیوب
 سمجھے جاتے ہیں + اگر خاوند اور بیوی میں نا چاقی آ بھی جائے تو
 شریعت کے حکم کے مطابق ہر دو کے بڑے بوڑھے ان کی صلح صفائی
 کر دیتے ہیں + طلاقوں کی کمی کی دوسری وجہ دیوالی عدالتوں کی

کئی عورتوں کی حکومت اور عورتوں کا زر خرید ہوتا ہے +
 خلوں میں لڑکے لڑکی کی منگنی اور بیاہ عام طور پر ان کا سنی
 بلوغ کو پہنچ چکنے کے بعد کئے جاتے ہیں - شادی کے وقت عموماً
 عورت ہندہ اور مرد بیس برس کا ہوتا ہے + نکاح صرف ایک
 مرتبہ اور خاوند کے گھر باندھا جاتا ہے +

خمس بنیر تعلیم اور صبر کی ہیں + چنگریوں کے علاوہ کچھ بنانا انہیں
 جانتیں + کھالوں میں خیری روٹی، دال اور ساگ کے علاوہ کچھ
 نہیں کھا سکتیں - مگر ایک آدھ سلاٹی کی مشین پر کپڑے سینا سیکھ
 لے تو اس عورت کی قیمت فروخت گئی ہو جاتی ہے +
 تھل کی عورتیں کرک کی ماشی خیل عورتوں کو اور ماشی خلیں
 درملوک کی عورتوں کو خوبصورت بناتی ہیں + سابق الذکر دولہ
 کرتی ہیں : دافلانکے خان م فادہ نہ کی -

صبا م نیت دہ درملوکوتہ بہ شخصہ

[فلانکی خان کی بجائے مائیں اور بہنیں وغیرہ اپنے پیسے یا بھائی وغیرہ
 کا نام لیتی ہیں] +

یہ تو رہا لفریوں اور بارکوں کا حال لیکن وہ تقویٰ شکن حسن
 جس کی بابت عبد الرحمن مہند نے کہا ہے :

یہ جلو جلو م زٹو وڈی نہ پوٹیکم - افریدی دہ کہ خٹک - الیفات !
 مہندوں کی پڑوسی خٹک عورتوں کی بابت ہے +

مذبحہ بالا شعر سے آتا اور ثابت ہوتا ہے کہ آج سے تقریباً
 ساٹھ تین سو سال پہلے علاقہ ایشاورد کی خٹک اور افریدی عورتوں
 کے قد و قامت، رنگ روپ، پوشاک اور لباس بہت زیادہ باہم

شابہ تھے لیکن عبد الرحمن کا زید و تقویٰ اور یہ شعر ؟ —
 آخر بی خان کو بھی اپنے قبیلے کی دیویوں کی طرف ان الفاظ میں کہتے سن لیجئے :-
 دھلو جو نہ واٹہ غوبے دی - خویوانے اکوٹیلے دی میرمنے +

جیلے اور تفریح

۱۸۸۳ء سے پہلے خشکوں کے علاقے میں تجارتی جیلے نہیں لگا کرتے تھے اور زیارت کاٹا صاحب کے علاوہ عام مذہبی اجتماعات بھی نہیں ہوا کرتے تھے۔ آج کل ٹھی لٹھی، لٹکیز ڈوم کد، کرک، نٹمر، لاجی، ٹمک، خیر آباد وغیرہ میں ہفتہ وار تجارتی جیلے لگا کرتے ہیں۔ ان جیلوں میں قریبی دیہات کے لوگ اپنی مفای پیداوار مثلاً مرغیاں، انڈے، بکریاں، بھڑیں، گدھے، گائیں، کھالیں وغیرہ لا کر بیچتے ہیں۔ جیلوں میں موسم کے مطابق شربت، چائے، کباب، روٹی وغیرہ کی دکانیں بھی لگ جاتی ہیں۔ ان جیلوں میں بکڑے اور مٹیاری وغیرہ کا سامان بھی پکاتا ہے اور بنوچیوں کی طرح خشکوں کا بھی یہ غلط خیال ہے کہ ان جیلوں میں بازار سے ارزان مال ملتا ہے۔ یہ نہیں سوچتے کہ یہ مال بازار سے پی لولا یا جاتا ہے جس پر لانے لچانے کا خرچ بھی لگ جاتا ہے۔

ٹمک ایک زندہ دل قوم ہے لیکن بوجہ افلاس تفریح کا سامان مثلاً سینما، ٹمک، کلب، عوامی باغات وغیرہ سے محروم ہیں۔ ان کی تفریح کا ذریعہ لے دے کر ساز اور ناچ رہ گیا ہے۔ جنوبی خشک (بندھے دتقی) اور نشانہ ہانی سے بھی دل بہاتے ہیں۔ خاص مواقع پر نیزہ بازی کا شوق بھی کرتے ہیں۔ اچھے سوار تلوار سے چلی بھی لچاتے ہیں۔ لیکن موٹروں، بسوں، اور بائیسکلوں کے رواج نے گھوڑے پالنے یا رکھنے اور اس کے ساتھ ہی نیزہ بازی اور شہسواری کا تقریباً خاتمہ ہی کر دیا ہے۔ آج سے ایک سو سال پہلے کھلے پیتے لوگ باز، حرہ یا بندوق کے ذریعے اور غریب لوگ باشہ، شاہیں (شبہین) شکرہ اور کتوں سے شکار کھیلا کرتے تھے۔ لیکن بندوقوں کے بڑھ جانے سے شکاری پرندوں اور تازی کتوں سے شکار کھیلنا تقریباً ختم ہو چکا ہے۔

شکاری پرندوں میں چمڑہ بہت کامیاب شکاری ہے۔ کیونکہ یہ شکار کا تعاقب نہیں کرتا بلکہ ایک جھانسی سے دوسری پر بنی کر شکار کو بچ لکھنے کا موقعہ نہیں دیتا۔

انسانی آبادی اور بندوقوں کے استعمال کے بڑھ جانے سے خشکری میں شکار کم ہو گیا ہے، خرگوش تقریباً فنا ہو چکے ہیں۔ کالے تتر نہایت ہی کم ہیں۔ تتر، چکوا اور سیسیاں بھی کم ہو رہے ہیں۔ ڈبرے بھی اب نہیں ملتے۔ لیکن اب حکومت اس طرف دھیان دینے لگی ہے۔

شکر درہ میں خورٹھنڈ میں مرغیاں بھی مل جاتی ہیں، بعض لوگ بجائے شکاری پرندوں اور بیلارے وغیرہ کے سوچوں کا شکار سیب، شیروں کا شکار جال، اور سیسی وغیرہ کا شکار دام وغیرہ سے بھی کرتے ہیں۔

پہاڑیوں میں گہڈڑ، لومڑی اور ایک آدھ لکڑیگر (اشویران) یا چیتا (پرائگ) بھی نظر آ جاتا ہے۔

خوراک

گیڈہ خوب خویا مڑہ شی۔

آریہ قوموں میں رگ وید کے زمانے ہی سے گوشت کھانے کی عادت کم ہے۔ وہ صرف تہوار کے دنوں میں جب کہ وہ جانوروں کی قربانی دیا کرتے تھے گوشت کھایا کرتے تھے، ان میں گائے کی قربانی سب سے بڑھیا مانی جاتی تھی۔ بعد میں انہوں نے بدھ مذہب والوں کے لحاظ سے گائے کا گوشت کھانا چھوڑ دیا۔ اور سکھوں نے جن کے مذہب میں گائے کا گوشت کھانا جائز ہے ہندؤں کے پاس خاطر گائے کا گوشت کھانا ترک کر دیا۔ یوں انسان نے انسان کو خوش کرنے کے لئے اپنا مذہب تبدیل کر دیا۔ لیکن جب

ہندوؤں کا دعباہ عروج شروع ہوا تو انہوں نے جی کپول کر بدھوں کو کاٹا +

پشتون مختلف قسم کی آب و ہوا میں رہتے ہیں + جہاں برف زیادہ پڑتی ہے اور سردی زیادہ ہوتی ہے (مثلاً ترکی افغانستان میں) وہاں کے لوگ گوشت (خصوصاً دنبے کا گوشت) زیادہ کھاتے ہیں + گرم علاقوں کے رہنے والے گوشت کم کھاتے ہیں + لیکن مقابلتا گرم علاقوں کے خلوں کی گوشت کم کھانے کی وجہ ان کی غربت اور فصالبوں اور ہوٹلوں کی کمی ہے +

خلوؤں کی قوی خوراک دودھ میں خمیری روٹی ملا کر اوپر سے گھی اور شکر ڈال کر کھانا ہے - قلیل مقدار میں دالیں اور سائیں یا سبزیاں بھی استعمال کرتے ہیں - طوے کے بہت شوقین ہیں - ان کی چھوٹی مہمان نوازی مریخی اور بڑی مہمان نوازی دنبے کا گوشت کھانا ہے +

لغن (گندم کی روٹی) روشہ (جو کی روٹی) (گٹھے (گندم اور چنے کے آٹے کی ملی ہوئی روٹی) پیاسہ (گندم کے آٹے یا بیسن کی لٹی کی روٹی) بھی پیاز اور گڑ وغیرہ کے ساتھ کھاتے ہیں + شکار یا مسافری کے دنوں کے علاوہ کوک نہیں کھاتے + لسی چاہ سے پیتے ہیں + چائے صبح اور ظہر کے وقت پینے لگے ہیں +

روٹی دو وقت کھاتے ہیں + دن کی روٹی دوپہر سے دو گھنٹے پہلے یعنی تنکئی غریبے کے وقت اور رات کی روٹی شام کی نماز ادا کر چلنے کے بعد تناول کرتے ہیں +

گھر علاقہ خٹک میں آج بھی کئی گھر زمانہ قبل از تاریخ کے طرز پر بنے ہوئے ملتے ہیں + غربت کی وجہ سے آج تک کوئی بھی جدید بنونے کا مکان نہیں بنا پایا - اکثر مکانات آج بھی زمانہ قبل از تاریخ کی طرح بنائے جاتے ہیں +

گنزبیر آف دی کونٹ ڈسٹرکٹ ص ۶۰ میں لکھا ہے: "ایک عام زمیندار کے گھر میں صرف ایک کوٹھا ہوتا ہے جو ۲۵ فٹ لمبا اور ۱۲ فٹ چوڑا ہوتا ہے - اس میں ایک طرف چوپائے ہوتے ہیں (یا کبھی چوپایوں کے لئے باہر ایک شیڈ ہوتا ہے) - دوسرے کونے میں غلہ تکھنے کی جگہ ہوتی ہے اور درمیان کا حصہ گھروائے استعمال کرتے ہیں + کھڑکیاں نہیں ہوتیں - دروازہ صرف ایک اور دھولوں لگانے کے لئے چھت میں کھسکا ہوتا ہے +"

ایک کوٹھے کی بابت تو یہ نقشہ تقریباً صحیح ہے اگرچہ اس میں گھر کے بعض ضروری سامان مثلاً چکی، گھڑیے اور ہل وغیرہ کا ذکر نہیں ہے لیکن ایک گھر کے متعلق یہ بیان قطعاً غلط ہے + خٹکوں کے مثالی گھر جو آج بھی کئی گاؤں میں پائے جاتے ہیں لیکن جن کی تعداد خانگی تقسیموں کی وجہ سے روز بہ روز گھٹ رہی ہے یہ ہے: ایک بڑے احاطے میں جسے پیل کہتے ہیں اصل مالکان کے مردوں کی تعداد کے مطابق کوٹھے (میلے) ہوتے ہیں - یہ گھر ایک فرد کا نہیں بلکہ ایک گھنے کی مشترکہ ملکیت ہوتی ہے اور ہر بھاشی یا ترلور کا اپنا اپنا میلہ ہوتا ہے جس میں وہ اپنی بیوی اور بچوں کے ساتھ رہتا ہے + سب میلوں کا ایک مشترکہ صحن ہوتا ہے اور میلوں کے باہر چار دیواری ہوتی بھی ہے اور نہیں بھی ہوتی + چار دیواری اور پیلے مٹی اور پتھر وغیرہ کے بنے ہوئے ہوتے ہیں - ہر پیلے کا صرف ایک چیرٹی کا دروازہ ہوتا ہے + پیلے میں کھڑکیاں

جنگلی جانوروں اور دشمنوں کے خوف سے نہیں بناتے۔ گھر کا سامان اتنا مختصر ہوتا ہے کہ الماریوں کی ضرورت ہی نہیں پڑتی۔ بہت ہوا تو چھوٹا موٹا سامان رکھنے کے لئے دیواروں میں طاقے بنائے یا چند کونٹھیاں ٹھوک دیں۔ سردیوں میں کوٹھے کے پیچ میں لکڑیاں جلا کر تاپتے بھی ہیں اور اسی پر لگاتے بھی ہیں اس لئے انٹیمی کی ضرورت نہیں پڑتی۔ روشندانوں کی حاجت اس لئے نہیں پڑتی کہ گھر والے تو عموماً کام کاج کے سلسلے میں دن بھر گھر سے غائب رہتے ہیں۔ گرمیوں میں عورتیں مھن میں اور مرد عموماً چوک میں سوتے ہیں اور سردیوں میں رات کو روشندان کھلے رکھنے کا خیال تو خدہ دہ کی بات ہے۔ مرد چونکہ کنویں، تالاب، چشمے یا پھر کے کنارے نہاتے ہیں یا مھن کے ایک کونے میں ایک چھارچوبی بنائی ہوتی ہے جس میں مرد اور عورتیں صبح سویرے کوزوں کے پانی سے نہاتے ہیں۔ گھر میں پائخانہ نہیں ہوتا کیونکہ عورتیں اور مرد علی الصباح کھیتوں کی طرف چلے جاتے ہیں۔ بوقتِ فرصت عورتیں گھر میں بیٹھ کر گریس مانگتی ہیں اور مرد چوک میں، چوک کا رواج بہت پرانے وقتوں کا ہے۔

”تاریخ افغانستان“ جلد I ص ۱۹ میں سنٹے: ”زمانہ تاریخ سے پہلے کا ایک گاؤں جو پرسیپولس میں دریافت ہوا ہے ہرزفلڈ نے اس زرخیز میدان میں ایک چشمے کے پاس کہودا تھا۔ یہ گاؤں کوٹھوں اور صحنوں کا ایک جھرمٹ تھا نہ کہ علوہ علوہ گھروں کا۔ یہ نمونہ (جو ان سب کچھ سے مختلف ہے جو یورپ میں معلوم ہوئے ہیں) یہ ظاہر کرتا ہے کہ یہ گروہ کنیوں میں رہتا تھا نہ کہ جدا جدا گھروں میں“ اور گھروں کی اس قسم کی ساخت سے یہ نتیجہ نکالے: ”اس سے خاندان کا ایک ایک پہوی کے کرنے یا

بہت سی بیویاں کرنے کا تصور ثابت نہیں ہوتا بلکہ جماعتی شادیوں اور ایک عورت کے کئی خاوند کرنے کا رواج ثابت ہوتا ہے۔“
 استفہاج بالا میں جماعتی شادیاں (یعنی کئی مردوں کا کئی مشترکہ بیویوں کے ساتھ شادی کرنا) یورپ کی بابت بھی صحیح نہیں ہے کیونکہ علم الانسیات کے آج کل کے عالم کہتے ہیں کہ ان میں شادی کل بہ رواج نہ تھا۔ (ملاحظہ ہو انیٹرایالوجی ص ۱۳۲) اب نہ تو خٹکوں کے موجودہ گھر زمانہ قبل از تاریخ کے ہیں اور نہ ان میں جماعتی شادیاں ہی ثابت ہیں اور نہ ہی یہ علوہ علوہ کو ٹھکے جدا جدا بیوی اور اس سے پیدا شدہ اولاد ہی کے لئے ہو سکتے ہیں کیونکہ خٹکوں کے وطن اور معاشرے میں کثیرالازدواجی متنوعات میں سے ہیں لازماً ان کے مشترکہ گھر میں ایسے علوہ علوہ کو ٹھکوں کا ہونا ہر بھائی یا ترپور کے کہنے (خاوند بیوی اور بچوں) کی رائٹس کے لئے بنائے جاتے ہیں خصوصاً اس لئے بھی کہ ان کو ٹھکوں کے علوہ علوہ مھن نہیں ہوتے۔
 چیرٹی کے دروازے بھی زمانہ ماقبل تاریخ کی یادگار ہیں۔ ان کی ساخت یوں ہوتی ہے کہ ایک پٹ کے دونوں (عموماً داہنی یا تھ کے) سروں میں کھلیں لگی ہوئی ہوتی ہیں۔ اوپر کی کھلی دیوار میں بنے ہوئے سوراخ میں چلی جاتی ہے اور پھلی پتھر یا لکڑی کے ایک سوراخ دار تختی میں جسے خرگئی کہتے ہیں۔ پٹ ان سوراخوں میں گھومتا ہے۔ اس قسم کے دروازے کی بابت بھی پرسی (جلد I ص ۶۱) کو سینٹ: شان [کھوروں] کی لکڑیاں دروازے بنانے کے کام آتی تھیں جو پتھر کے سوراخ میں گھومتے تھے۔ جن کے مرنے والے نے اُن کے طوفان (طوفانِ لوح) سے پہلے کے طبق میں پائے ہیں۔“
 زرکی میں ہمارے پشتو کے وقت کے سینکڑوں سال کے پرانے آبائی مکان میں چار پیلے تھے۔ جن میں سے دو پیلے ہمارے بنوں

چلے گئے کے بعد اب حال ہی میں پلاسٹر ٹریڈروں نے پیچھے ہیں۔
اس کتاب کے شروع کونے وقت میں کرک میں ایک ایسے
گھر میں اقامت پذیر تھا جس میں ایک کوٹھا تھا جسے چمڑی کا دھانہ
لگا تھا اور ۱۹۵۶ء میں بنایا گیا تھا!

بدشہ

ضلع کوٹاٹ میں خشکوں کے بہاڑوں میں سونا ٹمکھی، گندھک،
ابرک، سنگ جراثیم، سیلیکا، کچا لوہا، شادخ، گادی
مٹی، بیکنگ کھلے، چونے کا پتھر اور نمک وغیرہ بہ افراط پائے جاتے
ہیں۔ لیکن سوائے نمک کے باقی چیزوں سے استفادہ نہیں کیا جاتا۔
خشکوں کی آمدنی کا بنیادی ذریعہ زراعت ہے۔
بہ استثنائے حلقہ لیٹوئر، تحصیل ٹیری کے بعض زمینداروں کو
نواب صاحب کی جائیر میں سے، نمک کی آمدن میں سے تقریباً
۱۰۰۰۰۰ روپے ہزار روپیہ حکومت ان لوگوں کے حصے کے طور پر اور کانوں
کی حفاظت اور کانوں تک جانے والی سڑکوں کی نگہداشت
کے عوض دیتی ہے۔

بعض لوگ نمک کی کانوں میں مزدوری بھی کرتے ہیں۔
انگریزوں کی یہ پالیسی تھی کہ اس علاقے کو کسی قسم کی ترقی نہ
دی جائے تاکہ یہ مضبوط اور نڈر لوگ فوج میں بھرتی ہونے
کے لئے مجبور رہیں چنانچہ آج بھی آبادی کے دسویں حصے کے
مختمد نوجوان فوج، ملیشیا، بارڈر پولیس اور شاہی پولیس میں
لوکریاں کر رہے ہیں۔ پشت در پشت کی عسکری ملازمت نے ان
میں تنظیم کی صفت پیدا کر دی ہے جس نے ان کی قومی بہادری
سے مل کر ان کے لئے فوج میں عزت کا مقام دیا ہے۔
غربت کی وجہ سے خشک نہ تو جلد پیوی خرید سکتے ہیں اور

نہ بڑھ سکتے ہیں اس لئے آج سے کچھ عرصہ پہلے تک تو ان کی زمینوں پر
 ہونے والے ان کے امدادی آمدنی کے ان کے گزارے کے لئے کافی تھی۔ اور
 لوگ بنجر اراضیات کو آباد نہیں کرتے تھے لیکن اب تقریباً بیس
 برس سے الگڈوں کے کنارے اور پھاٹوں کے پہلوں پر بھی کاشت
 کرنے لگے ہیں جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اب انہیں جدید قسم کی
 زراعت کی ضرورت ہے۔

ویسے تو خشک زندگی کے تقریباً ہر شعبے میں ملتے ہیں لیکن
 سول سروس میں ان کی نمائندگی قابل افسوس حد تک کم ہے
 اور تقریباً یہی حال انجینیری اور ٹھاکری وغیرہ کا ہے۔ اس لیے کہ
 ہماری حکومت خشکوں کو سائنس کی تعلیم دلانے کے لئے مناسب
 بندوبست کر چکی ہے۔

۱۹۶۶ء میں شہزادہ جیوں کے چلے جانے کے بعد تجارت میں جو
 خلا پیدا ہوئی تھی وہ خشک اپنی غربت کی وجہ سے ابھی تک پُر نہیں
 کر پائے اور نہ سرمائے کی کمی کی وجہ سے تجارت وغیرہ میں نمایاں
 ترقی کر سکے ہیں۔ جو دکانیں ہیں ان میں بھی سامان کم اور سستے
 قسم کا ہوتا ہے۔

خشک معاشرے میں یہ نمایاں تبدیلی آئی ہے کہ ذرائع آمد و
 رفت کے بڑھ جانے کی وجہ سے اب خشک اپنے ساتھ گوڈی میں
 آٹا نہیں لے پھرتے۔ اسی طرح پانی کے پتکی بھی اب کم نظر آتے ہیں۔
 خشک اپنی چھوٹی چھوٹی قیمتی اشیاء بھی گوڈہ میں چھپا کر رکھتے تھے۔
 اسی لئے تو خان نے کہا ہے: ”د مرزا دیوان م او منڈہ پہ گوڈی۔“
 سفرہ م اندانی، خویشگی، زمند کرو۔“

مشرقی خشکوں کے معاشرے میں گدھا بھی ایک اہم مقام رکھتا
 تھا جس پر لکڑیاں وغیرہ لاکر کھکھکاتے تھے۔ اسی لئے ان کا محاورہ
 ہے: ”چہ خراو پتر دی۔“ تنغہ بہ بانہ کی۔“ مغربی خشکوں میں گدھے
 کی جگہ بیل استعمال ہونے لگا اور اب بیل کے ساتھ اونٹ بھی شامل ہو چکے ہیں۔

لوگ

لوگہ پشتو کے لفظ لوگہ یعنی دھواں کی تحریف شدہ ہندی صورت ہے جو خوائین پیری کے ہندو دیوان اصطلاحاً گھر کے معنی میں استعمال کرتے تھے کیونکہ جس گھر میں دھواں ہوتا تھا یعنی روٹی پکتی تھی اس سے فلنگ (مالیہ) بنا کرتے تھے۔

لوگہ کے لفظ پشتو کا صحیح لفظ اور بل (اورہ آگ + بل = روشن) ہے + لوگہ ایک پرانا آئین ہے جس کا وجود رگوید میں موجود ہے۔ اس وقت سیاسی اتحاد نہ تھا۔ قبیلوں کی وحدت ہی سب کچھ تھی + اور قبیلوں کی تنظیم بہت حد تک ایسی ہی تھی جیسے کہ آج کل کے پشتونوں کی + قبیلہ (جنہ) میں ضلع کی طرح آبادیوں کا ایک مجموعہ (دیس) ہوتا تھا جس میں کئی گاؤں (گروامہ) شامل ہوتے تھے + گاؤں کے گھروں میں ہر گاؤں کی اپنی خانگی آگ ہوتی تھی + لیکن اس وقت باقاعدہ فلنگ نہ ہوتے تھے۔ لوگ حفاظت کے بدلے میں راجہ کی اطاعت کیا کرتے تھے اور اسے اپنی خوشی سے تحفے دیا کرتے تھے۔

پشتونوں میں اور بل کی ابتداء ویش (نقیم) کے وقتوں سے ہوئی ہے۔ جبکہ پشتونوں میں ان کی جمہوریت پسند طبیعت اور اسلامی مساوات کے مطابق یہ رواج تھا کہ ایک قوم کی زمین قبیلوں میں + قبیلوں کی خاندانوں میں اور خاندانوں کی آدمیوں میں بانٹ دی جاتی تھی۔ ان میں پہلے یہ رواج تھا کہ جب کوئی جوان شادی کر لیتا تو اس کا علوہ اور بل بن جاتا تھا اور وہ گاؤں کی زمین میں اپنا حصہ لینے کا حق دار بن جاتا تھا چاہے وہ اپنے باپ کے ساتھ اکٹھا رہتا یا علوہ مکان میں۔ اگر وہ یہ چاہتا کہ از سر نو ویش کی جگہ تو کنڈی کے معبر اس کے خاندان کی زمین دوبارہ بانٹ کر اس کا حصہ اسے علوہ کر دیتے تھے۔

زمین کے ساتھ ہی اس کی ذمہ داریاں بھی عائد ہو جاتی ہیں اور بغرض مالیہ وہ اپنے حصہ ادائیگی کا مالیہ ادا کرنے کا ذمہ دار ہوتا تھا جو اس کے گھر پر جس سے لازماً دھواں (لوگہ) لگتا ہے تنخواہیں کیا جاتا تھا۔ اور مالیہ کا حساب یوں رکھا جاتا تھا کہ اس طرف یا پستی میں تنفہ لوگہ یعنی مالکزار ہیں +

یہ آٹے دن کے از سر نو تقسیم کا معاملہ اتنا پریشان کن تھا کہ بعد میں ایک مدت مقرر کی گئی کہ تنفہ (۵ یا ۱۰ یا ۱۵) سال سے پہلے زمینوں کی از سر نو تقسیم نہیں کی جائیگی + یہ مدت آبی اور بارانی زمینوں کے لئے یکساں نہیں ہوتی تھی + بارانی زمینوں کی تقسیم کی مدت عموماً پندرہ سال ہوتی تھی +

ولیش کے وقت نادار، لادلا، گاؤں سے مفرد اور غیر حاضروں کی زمینیں دوسرے مالکان لوگہ پر حسب رسد تقسیم کر دی جاتی تھیں اور جس کا حصہ انفراد ہونا ہوتا تھا اس کا حصہ دیگر مالکان کے حصوں سے وضع ہو کر اس کے نام لوگہ قائم کیا جاتا تھا + اس لئے پیمانہ ہمیشہ یکساں نہیں رہتا تھا + غیر شادی شدہ کو لوگہ نہ ملتا چاہے وہ عائدہ ہی کیوں نہ رہتا ہوتا +

ولیش کا نتیجہ یہ نکلا کہ خلوں میں بہت سے چھوٹے چھوٹے زمیندار بن گئے جو اپنی زمینیں خود بویا کرتے تھے + ان میں سوائے ان کے بڑی بڑی املاک نہ تھیں جو حاکمان وقت کسی کو خدمت کے صلے میں دے دیتے یا کوئی بدامنی کے دلوں میں زبردستی چھین لیتا - آج بھی یہی حالت ہے کہ تقریباً ہر خلع زمیندار ہے - ایسی خود کاشت زمینداری کا نتیجہ یہ بھی ہے کہ نہ تو یہاں ادنیٰ مالکان ہیں اور نہ پنجاب کی طرح بہت سے کمینوں کی خدمت کی ضرورت پڑتی ہے +

قدیم بندوبست سے پہلے (سرسری بندوبست کے وقت) خلوں

نے اپنی زمینیں آپس میں بانٹی تھیں + قبضہ زمینوں میں حقوق کی بنا پر اور مالیہ کی ادائیگی کی ذمہ داری کا اندازہ قبضہ پر قائم کیا گیا + لوگ کی صورت میں [مثلاً تپہ بارک میں] ملک شیخن حدود کے موصوں میں جو کہ مخصوص مالیہ ادا کرتے تھے [مثلاً تپہ سینی اور تپہ خورم میں] نہ تھا تقسیم + اور نہ ہی مالیہ سال کے آمدن کے مطابق تشخیص ہوا تھا +

چونکہ ویش کے وقت زمینوں کی اچھی اور بری چشت کو وہ نظر رکھا جاتا تھا اس لئے ایک خاندان کی زمینیں بڑے بڑے قطعوں میں اور یا ایک گاؤں کے مختلف ونڈوں (حصوں) یا مختلف گاؤں میں بٹی ہوئی پھری ہوئی تھیں + اور چونکہ مالکان اپنی اپنی زمینوں میں بانڈہ جات (چھوٹے چھوٹے گاؤں) یا اکثر ایک ایک گھربانڈے ہوئے ہوتے تھے اس لئے ایک خاص لوگ سے لیا جانے والا مالیہ دور دور کے گاؤں کے رہنے والوں سے جمع کیا جاتا تھا + لوگ کا جمع کرنا بہت مشکل کام تھا جو خان پیری کے کارداروں (اجارہ داروں) کے بس کا کام نہ تھا اور اکثر لوگ ان سے ویسے ہی رہ جاتے تھے لیکن جو وصول ہو جانے ان سے بھی انہیں بہت نفع حاصل ہو جاتا - مثلاً پہلے ٹوئرو ۱۰۰۰ لوگ تھا جو ہر ایک لوگ ۱۵ روپیہ فصل یا ۳۰ روپیہ سالانہ ادا کرتا تھا - ۱۸۸۰ء میں یہ رقم بڑھا کر ۲۶ روپیہ دہلانی فی فصل کر دی گئی + ۱۸۸۴ء میں ان ... میں سے صرف ۴۱۳ لوگ خان کے کارداروں کو مالیہ دیتے تھے - لیکن اگلے سے بھی کاردار کو بہت فائدہ تھا - کیونکہ کہ اس نے تپہ ٹوئرو ۱۸۵۰ء میں خان سے ۱۳۰۷۹ روپیہ اجارہ پر لیا تھا + ۴۱۳ لوگ سے ۲۶ روپیہ

درانی کے حساب سے وہ (۴۱۳ × ۲۶) = ۱۰۷۳۸ فصلانہ یعنی ۲۵۱۱۶ روپے سالانہ لیا کرتا تھا جو ایسٹ انڈیا کمپنی کے ۲۸۳۳ روپے کے برابر تھے - یعنی صرف ٹوئرو میں کاردار کو (۲۵۱۱۶ - ۱۳۰۷۹) =

۱۸۸۷ء کی روپے سالانہ بچت تھی!

مالیہ ادا کرنے والی چھوٹی جماعتیں موضع سے قدیمے مشابعت رکھتی تھیں اور قبیلے کی شاخوں کے ناموں سے مشہور تھیں + اور اگرچہ کاغذات مال میں لکھا ہوا ہوتا تھا کہ فلانی شاخ کے ذمے اتنے لوگ ہیں لیکن درحقیقت زمین کا صرف تھوڑا حصہ ہی اس شاخ کے بڑے گاؤں کے گرد و نواح میں واقعہ ہوتا۔ باقی زمین کا بڑا حصہ دودھ کے گاؤں کی زمینوں کے ساتھ ملا جلا واقعہ ہوتا۔ انگریزوں کی آمد سے بہت پہلے ہی قبیلوں کی زمینی زمینوں کا مشترکہ قبضہ منہدم ہو چکا تھا اور اس کی جگہ انفرادی قبضے نے پکڑ لی تھی۔ کیونکہ جب ایک قبیلہ کسی جگہ میں مستحکم ہو جاتا ہے تو اسے مشترکہ ملکیت کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔

زراعتی زمین کی افراط کی وجہ سے خلکوں کو مشترکہ ملکیت اور وقتاً فوقتاً ویش کی ضرورت بہت کم پیش آتی تھی + نوجوان اپنے آبائی گاؤں چھوڑ کر غیر آباد زمینوں پر اپنے لئے مکان بنا لیتے تھے۔

خان کی سہولیت اس میں تھی کہ بچائے زمین کے زمین دانے یعنی گھر یا لوگ پر مالیہ لگالے۔ جس زمین پر کوئی قبضہ کر لیتا وہ اس کی ملکیت سمجھی جاتی۔ اور اس کے حقوق قبضے کے مطابق گئے جاتے نہ کہ اس کے جدی حصے کے مطابق + قبضے سے حاصل کی ہوئی ایسی زمینیں عوامی تقسیم سے مستثنیٰ رہیں + ایسی زمینوں کی جدی حصے کے ساتھ بچے مطابقت نہ ہوئی۔ لیکن پیمائش کے نہ ہونے کی وجہ سے مالیہ گاؤں میں جدی حصے کے مطابق لیا جاتا تھا۔ یہ حالت بابرک اور دہ پٹیوں میں زیادہ اور سینی اور خرم پٹیوں میں مقابلتا کم تھی کیونکہ ان میں رواجی یا مشترکہ اطلاق کی بجائے ذاتی اطلاق کی تعداد زیادہ تھی۔

۱۸۸۷ء کے وقت نواب سرخواجہ محمد خان نے یہ

غلط اور بے بنیاد دعویٰ کیا تھا: ”میرے اجداد نے تحصیل ٹیری کی زمین وہاں کے قدیمی باشندوں سے زبردستی حاصل کی تھی۔ میں زمینوں کا مالک ہوں اور سب بارک میرے منافع ہیں۔“ اس دعوے کی کوئی تاریخی بنیاد نہیں ہے۔ تحصیل ٹیری کی زمین میں سب سے پہلے لفظی اور بارک بالاٹی ٹوٹہ پر قابض تھے۔ ان کے بعد اکوڑ خیلوں کے اجداد آئے اور کمرپوٹہ کے پاس کی زمین پر قابض ہو گئے۔ اس وقت ان کی اتنی حیثیت نہ تھی جتنی کہ انہوں نے بعد میں حاصل کر لی۔ خود اکو ملک جانی کے ہاتھوں تنگ آکر ترک وطن پر مجبور ہو چکا تھا جیسا کہ آپ اکوڑ خیلوں کے حال میں پہلے ہی پڑھ چکے ہیں اور آئندہ صفحات میں بھی پڑھ لینگے اور جن وجوہات کی بنا پر اکوڑہ کی اولاد نے باقی خشکوں کی ہمدردیاں حاصل کیں اور رفتہ رفتہ ان کے خان بن بیٹھے اس کی تفصیلات بھی آپ اس کتاب میں آگے ملاحظہ فرما لینگے۔

اکوڑ خیلوں کی اہمیت ضلع پشاور میں اکبر بادشاہ کے زمانے (۱۵۸۶ء) سے شروع ہوئی اور دن بدن بڑھتی گئی تھی کہ خوشحال خان I اور محمد افضل خان I کے زمانوں میں ان کی حیثیت قرون وسطیٰ کے بعض حاکموں جیسی بن گئی تھی اور وہ ویسے ہی لگان لگایا کرتے تھے۔ اور محمد افضل خان I تو لوگوں کو خلعت بھی دیا کرتا تھا۔ یہ رواج خواجہ محمد خان کے وقت میں بھی جاری تھا لیکن اس کے وقت خلعت کی بجائے ایک قمیص اور ٹپک شلوار دی جاتی تھی اور ان لٹھے کا جوڑا پانے والوں کو خان کے دربار میں لٹی چارپائی پر بیٹھنا پڑتا تھا۔

جس وقت نواب صاحب بالخابہ نے تذکرہ بالا دعویٰ کیا تھا اس وقت ایک طرف تو انگریز اس کی خانی کو ختم کرنے کی فکر میں تھے اور دوسری طرف ایک ایسے وفادار ہودنگار کا یکبارگی

خاتمہ بھی اپنے لئے فائدہ مند نہیں سمجھتے تھے + اس لئے انہوں نے اس کا دعویٰ جمنہ تو نہ مانا لیکن اس قدر تسلیم کر لیا کہ بارکوں پر اس کا یا اس کے باپ دادا کا کچھ غیر معمولی اثر ضرور رہا ہے۔ اس لئے علاقہ چند اور رعایتوں کے اس کے ساتھ یہ رعایت بھی کی کہ اسے تحصیل ٹیری کی زمینوں کا مالک اعلیٰ (تعلقدار) تسلیم کر لیا + اور زمینوں کے مالے میں اس کی چھ پیمہ فی روپیہ یعنی ۹۳ فیصدی تعلقداری بھی بڑھا دی + ایسا اس لئے ہوا کہ اگرچہ بارک شروع ہی سے اپنی زمینیں نواب کی اجازت کے بغیر بی بیع اور رہن کر سکتے تھے۔ لیکن ان کی ملکیت یہ رنگ اختیار کر چکی تھی کہ وہ نواب کو مالیہ اور کچھ اور مواجبات اور فوجی ورد بھی دیا کرتے تھے + امید ہے کہ آئندہ ہندو لیست میں تعلقداری کے اس بے وقت رقم کا بھی خاتمہ کر دیا جائیگا۔

ہندو لیستیں

راولٹی اپنی کتاب "سیلیکشنز" ص ۱۴۸ میں لکھتا ہے: خوشحال خان I کے وقت تک نکلون کے وطن کے حدود اچھی طرح نہ تھے متعین۔ یعنی پیر قبیلے کی ہر شاخ کی زمینیں نہ تھیں مقرر + اس لئے تمام زمینوں کی مساحت کی حدود مقرر کئے اور ایک کتاب میں درج کئے۔ اور ہر آدمی کے خاندان کے مقصود کی تعداد کے مطابق اتنی ہی زمین کاشت کے لئے ان کے نام کر دی + اس ہندو لیست پر ابھی تک عمل ہوتا ہے۔ اور جہاں تک مجھے علم ہے اس سے ابھی تک کوئی انحراف نہیں ہوا۔ اور پتھر کی چھوٹی چھوٹی برجیاں جو مختلف حدود ظاہر کرنے کے لئے بنائی گئی تھیں ابھی تک موجود ہیں + درانیوں اور سکھوں کے وقت میں نکلون کے علاقے میں

کسی قسم کا بندوبست نہیں ہوا تھا + انگریزوں نے ضلع پشاور کے خشکوں کے علاقے کا بندوبست تو ضلع کے باقی علاقوں کے ساتھ ہی ۱۸۶۱ء میں کر لیا۔ لیکن ۱۸۸۲ء میں ضلع کوٹاٹ کے بندوبست کے وقت خشکوں کے علاقے کو مستثناء رکھا۔

جنگ افغانستان ۱۸۴۱ء کے دوران خشکوں کے خان خواجہ محمد خان نے ۱۵۰۰ خشکوں کو مجبور کیا تھا کہ وہ بیگار پر (بلا اجرت) وادی کرم کے شرک کے بنے کے کام میں انگریزوں کو لہور بدرقہ اور منروہ مدد دیں اور ان کے کئی اونٹ بھی بیگار میں پکڑے تھے

تقریباً دو سال تک مختلف قسم کی مصیبتیں چھیلنے اور کئی خشکوں اور اونٹوں کے مرنے اور بیمار پڑنے کے بعد مارچ ۱۸۸۲ء میں بارکوں کی ایک بڑی تعداد جو ٹل میں مقیم تھی اپنے گھروں کو واپس بھاگ گئی۔ اور بارک بہ استثنائے دریش خیل اپنی نا سبھی اور انگریزوں کے حریف پراپیگنڈے کی وجہ سے بھاگے۔ انگریزوں سے بگڑنے کے اپنے خان سے باغی ہو گئے۔ یعنی دیوار نے کیل کو تو دیکھا کہ اسے چھید رہا ہے لیکن اس پر تھر کو نہ دیکھ سکا جو کیل کا سر کوٹ رہا تھا۔ اور علت اور معلول کو ایک ہی سمجھ کر جون اور جولائی ۱۸۸۲ء میں فوجداری اور دیوانی احکام ماننے سے انکاری رہے اور پیری توٹی کے جنوبی حصے میں ضلع کے جو قیدی تھے انہیں زبردستی پھرا لائے + اگست ۱۸۸۲ء میں انگریزوں نے بارکوں کے علاقے کے وسط میں اپنی فوجیں بھیج دیں۔ یہ جنگ بہت حد تک تو فوجی طاقت کے ذریعے آگست ۱۸۸۲ء میں ختم ہو گئی اور بارک مطیع ہو گئے لیکن بیو غر کے لوگوں نے مزید ایک سال تک مقابلہ جاری رکھا۔

خان کے بیگار سے نالان لوگوں کے کانوں میں انگریزوں کے

کارندہ یہ ڈالنے پر چھ کہ ان سب مصائب کا واحد علاج بندوبست ہے + اعد سادہ لوح بزرگ بہ استثنائے شلخ دریش خیل بندوبست کا جواب اپنے گلے میں ڈالنے کے لئے تیار ہو گئے + اکتوبر ۱۸۸۳ء میں بندوبست کا اعلان ہوا - ۱۸۸۵ء میں ٹکری نے بندوبست کی پورٹ پیش کی جس پر ۱۸۸۶ء میں منظوری کا حکم صادر ہوا +

دریش خیلوں کا علاقہ ۱۸۸۶ء کے بندوبست سے اس لئے بچا رہا کہ انہوں نے خٹکوں کے جنگ میں حصہ بھی نہیں لیا تھا اور ان پر خان نے لگان بھی کم لگایا تھا جو وہ خوشی سے ادا کرتے تھے - اس لئے خان ان سے اور وہ خان سے خوش تھے موضع ٹیری وغیرہ کا بندوبست ۱۸۹۳-۹۴ء میں ہوا +

ضلع کوٹاٹ کا دوسرا بندوبست ۱۹۰۵ء میں ہوا تھا - اس کے بعد آج تک کوئی بندوبست نہیں ہوا جس کی وجہ سے کاغذات مال اس قدر گندے اور پھیدے ہو گئے ہیں کہ بوقت ضرورت آدمی کو اپنے حقوق ڈھونڈنے مشکل ہو جاتے ہیں + اب یہ ہے کہ حکومت جلد بندوبست کا بندوبست کریگی +

فرنگیوں سے پہلے تپہ بزرگ میں ملک کا بندوبست پشتونوالے طریقے پر کیا جاتا تھا جو مختصر اور انگریزوں کے طریقے سے بالکل مختلف تھا + اس وقت خان ملنگ کے علاوہ کئی متفرق موابجات بھی لیا کرتا تھا جو خانی کے لواحقات سمجھے جاتے تھے اور جن میں بعض مہنگہ خیز بھی تھے مثلاً تھل کے لوگوں سے خان کے گھوڑوں کے لئے رسیاں بننے کے لئے بکریوں کے بالوں کی ایک مقررہ مقدار لی جاتی تھی!

بندوبست کے وقت ایسے موابجات ہیں سے سڑا کی تحقیقات کی گئی جن میں سے ۱۰ بند اور ۳ یعنی تیرنی (مال چرائی کی اجرت) کپھاری (لیو غر سے عیوی خیل کی پھکاری کے کارخانوں میں جلانے کے لئے

لکڑیاں کاٹنے کی اجرت) اور بونا (غیر زراعت پیشہ لوگوں سے اجرت) پینے دئے گئے +
 بندوبست جدید کے بعد لوگوں کے عام احتجاج پر یہ ۳ بھی بند کر دئے گئے +

نشہ

خشک شراب نوشی، بھنگ نوشی اور افیوں خوری نہیں کرتے۔
 بعض حصہ پیتے ہیں اور ناک اور منہ کی لنسوار استعمال کرتے ہیں۔
 ایک زمانے میں چلم کشی کی عادت بہت عام تھی لیکن ۱۸۸۳ء سے
 کچھ عرصہ پہلے قادیانہ طریقہ کے ملاؤں نے زیر سرکردگی ملا صاحب
 ٹھہری لفری اس بارے میں سخت کوشش کی۔ صلح کوٹاہ میں
 خٹکوں کے گاؤں گاؤں پھرے، چلموں کو توڑا اور لوگوں کو منع
 فرمائے + نتیجتاً باقی خٹکوں میں تو یہ عادت بند ہو گئی لیکن خان
 کا خاندان نہ تو ملاؤں کی بات سنتا تھا اور نہ ملاؤں کا ان پر کچھ
 بس چلتا تھا اس لئے ان میں چلم نوشی بدستور چلتی رہی۔
 [شرع میں تنباکو نوشی کے لئے کوئی حد مقرر نہیں ہے۔ تنباکو کی
 تجارت جائز ہے۔ اس کی حرمت میں علماء کا اختلاف ہے۔
 لیکن اکثریت کے مان مکروہ تحریمی ہے، صوفی اسے گناہ صغیرہ
 کہتے ہیں +]

لیکن چلم نوشی کی عادت چلی جانے کے بعد بھی تنباکو کے
 استعمال کی عادت جاری رہی۔ اور اب بچائے حق میں پینے کے لئے
 منہ میں ڈالنے کی لاگ بڑھ گئی۔ منہ کی لنسوار کو خٹکوں کے لیے
 میں کیپ یعنی نشہ کہتے ہیں + کیپ کی عادت اچھل بھی کافی
 ہے اور چلم نوشی کی عادت اب پھر بڑھ رہی ہے اگرچہ آج کل بھی
 کئی گاؤں میں چلم نہ شکل ہی ملتی ہے
 نہایت حال میں ناک کی لنسوار بہت استعمال ہونے لگی ہے

جس کی وجہ یہ ہے کہ کچھ عرصے سے اس علاقے میں نام نہاد
 شیخ اور خلیفہ حشرات الارض کی طرح بڑھ گئے ہیں جو اعلیٰ
 ناک کی لشوار کرتے ہیں اور لشوار اور ناک کے فضلے سے تفرقہ
 ہوئے ناگھ اور فعال لٹے پھرتے ہیں جن سے نفاست پسند
 طبائع کو ان سے اور ان کے طریقے سے گھٹن آتی ہے۔ حد یہ
 کہ یہ لوگ نہایت بے شری کے ساتھ ناک کی لشوار کے فائدے
 بھی بیان کرتے ہیں۔ اسے روشن دماغ کا نام دیتے ہیں اور کہتے
 ہیں کہ یہ نزلہ اور زکام کے لئے مفید ہے جیسے یہ شب گری
 اور سردی میں نزلہ اور زکام سے مرے جا رہے ہوں۔ یہ چلا
 یہ نہیں جانتے کہ بدبودار چیزوں مثلاً پیاز، لہسن اور لشوار
 کے رسیوں کے پاس نہ تو جنات آتے ہیں اور نہ فرشتے۔
 اسی لئے طریقہ میں ان اشیاء کا استعمال ممنوع ہے۔ لیکن ان
 باتوں کو کھڑے ہو کر دھبلا استعمال کرنے والے کیا سمجھیں۔
 اور جب علماء کلام نے والے خود ہی لشوار وغیرہ کی قسم کے عیوب
 میں گرفتار ہوں تو عوام کو کون سمجھا یگا؟

شمار

قد افضل خان خٹک نے تاریخ مرصع میں نری اور بولاقی
 تہوں کے ۸۷۵ گھروں کی تفصیل حسب ذیل دی ہے :-
 نری (جلد ۱۶، ۵ گھر)

حسن خیل ۲۰۰، فتح خیل ۲۵۰، جینی ۱۰۰، اویا خیل ۳۰۰، خلو
 زئی ۱۵۰، ڈونکر زئی ۵۰، ایسٹری اور لہٹی ۵۰۰، اندری ۲۵۰،
 میری کی اولاد کھلی زئی ۲۰۰، امن زئی ۱۰۰، پیریز ۱۰۰، وٹر ۵۰، خور
 ۱۰۰، اورلیس خیل ۱۰۰، رچر ۶۰، امرو ۵۰، اسمیل خیل ۲۰۰ +

بولاق (جلد ۲، ۱۹۰ گھر)

قوتی ۱۸۰، ہوتی ۶۰، خواجہ جیل ۴۰، اٹوخیل ۴۰، غوری زی ۳۰۰، در
ملک ۲۰۰، مندی ۹۰، مویشک ۲۰۰، خورم ۲۰۰، ساغری ۱۰۰۰،
سینی ۴۰۰، مٹکی ۲۰۰، نندک ۱۰۰ +

مندرجہ بالا شمار کی رو سے اس وقت تری میں ۱۷ تپے اور بولاق

میں ۳۱ تپے شامل تھے +

اگر عام حساب کی رو سے ایک گھر میں ۵ افراد گنے جائیں تو

اس وقت خشکوں کی کل تعداد $(= ۵ \times ۱۷۵) = ۸۷۵$ تھی +

انگریزوں کے آنے کے وقت ۱۸۵۹ء میں خشکوں کی آبادی کا
اندازہ ۵۰،۰۰۰ نفر لگایا گیا تھا + ۱۸۶۱ء کی مردم شماری کے وقت

ان کی تعداد ۲۳،۷۲۲ تھی۔ جن میں سے ۵۶،۲۶۰ ضلع کوہاٹ

میں، ۴،۰۰۰ ضلع بنوں میں (جب کہ اس وقت میانوالی بھی ضلع

بنوں میں شامل تھی) اور ۲،۳۵۵ ضلع پشاور میں تھے +

(۱۹۳۱ء کی مردم شماری کی رو سے صوبہ شمال مغربی سرحد میں

خشکوں کی تعداد ۲۰۰،۰۰۰ تھی اور آج اس سے بھی بہت زیادہ ہے +

آپ نے دیکھ لیا ہوگا کہ خورم تپہ تری میں بھی ہیں اور تپہ

بولاق میں بھی + تپہ تری میں جو چینی لکے گئے ہیں وہ تاریخ مرصع

کے ایک نسخے میں چینی لکے ہوئے ہیں۔ بعض انگریزوں نے اسے

چینی پڑھا ہے۔ آج کل یہ لوگ اپنے آپ کو چینی (بروزن سینی)

کہتے ہیں +

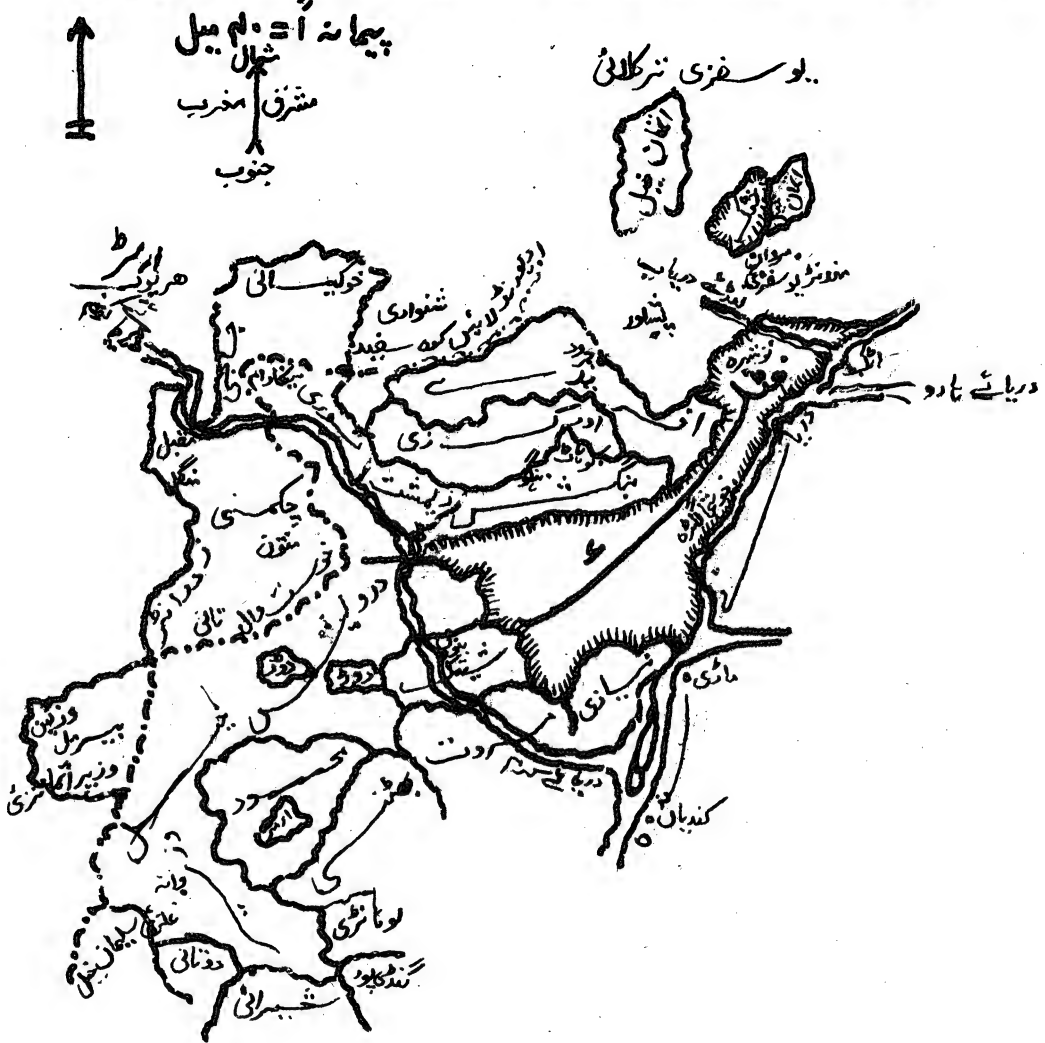
* * *

لنڈے دریا



پشاور کے خشکوں کی زندگی میں لنڈے دریا ایک اہم مقام رکھتا ہے کیونکہ ان کے کئی اہم اور تاریخی گاؤں اسی دریا کے کنارے واقع ہیں۔ کابل سے آنے کی وجہ سے لنڈے دریا کے کابل بھی کہتے ہیں۔ دادی پشاور کے پاس پہنچ کر اس دریا کی دو شاخیں ہو جاتی ہیں: اوپر کی شاخ کو سردریا یا ادے زئی کہتے ہیں۔ یہ شاخ چھوٹی ہے۔ اس سے نیچے کی بڑی شاخ کو ناگمان کہتے ہیں کیونکہ ادی کا گمان بھی نہیں ہوتا کہ یہ آجاتا ہے اور بہت سا نقصان کر لیتا ہے۔ ناگمان سے پھر ایک شاخ نکلتی ہے جسے شاہ عالم کہتے ہیں۔ یہ شاخ پھر ناگمان میں گر جاتی ہے۔ اور پھر ناگمان ادے زئی میں شامل ہو جاتا ہے۔ یہاں سے بعد یہ دریا لنڈے دریا کہلاتا ہے۔ دریا کے بتوں جس کے کنارے پشاور کا پرانا شہر آباد تھا اب محض ایک ہزار گئی ہے جو شاہ عالم میں گرتی ہے۔ بارہ بھی اسی دریا میں گرتا ہے۔

اس نقشے میں پشتونوں کی بڑی قسمت کرا لائری کا موجودہ وطن دکھایا گیا ہے، اس میں خٹکوں کی صرف دو بڑی آبادیاں دکھائی گئی ہیں۔



اس میں وہ فرضی خط بھی دکھایا گیا ہے جسے ڈیورنڈ لائن کہتے ہیں اور جو انگریزوں اور حکومت افغانستان کے زیر اثر قبائلی علاقوں کو میسر کرنے کے لئے فرض کیا گیا تھا لیکن کئی جگہ سے یہ خط غیر متعین ہے۔

حصہ چہارم
(قبیلہ شاخیں اور وصلی)

تاریخ

خط

فک عتاب

بدین (برائے دلیل)

نندہ [خیل] + ایسٹوری سگی

جلال خان (جلی خیل) قاصید سلطان دودن (داور خیل) سمیدہ سوری عنای (سمیدہ خیل)

شہری

دود خان نوجائی دشاگرد اسمعیل بنی

میرگل اشرف اللہ داد ملنگ ہاشم بزدک

منوہر مطلقہ بشر گوہر (بشر خیل) پیاں نور الہ نور (پیر خیل) (نور خیل)

نفرتی اپنے مورث اعلیٰ نفرت خان کے نام پر نفرتی مشہور

ہوئے ہیں +

مثلاً حقیقت موضوع ٹھی نفرتی ۱۹۸۸-۸۹ء کے بنتے وقت نفرتیوں نے بیان دیا تھا کہ نفرت خان بارک کے نکر دادا کا حقیقی پوتا تھا۔ یہ بیان پشتونوال حساب سے بھی صحیح نہیں بیٹھتا۔ کیونکہ موجودہ شجروں کی رو سے بارک کے نکر دادا کا نام تری ہے۔ اور نفرت خان تری کے بھائی تری کی کا پوتا لکھا ہوا ہے۔ البتہ اگر بارک کے نکر دادا سے اس کا ناسکہ نکر دادا مطلب لیا جائے تو معاملہ صاف ہو جاتا ہے + لیکن اب وقت یہ رہ جاتی ہے کہ نفرت خان کے موجودہ شجرے میں دسھ پشتوں کی کمی ہے جیسا کہ آپ ابھی ملاحظہ فرمایا ہیں اور درحقیقت وہ تری کا پوتا نہیں ہے بلکہ بہت نیچے کی پشت کی اولاد میں سے ہے۔ یعنی یکے حساب سے نفرت خان ایسوکا (جس کا نام بعض کتابوں میں لاجات افغانی میں ایسٹوری اور تاریخ خورشید جہان میں ایسٹوری بھی لکھا ہوا ہے اور جس کا جمع نام ظاہراً عینی تھا کیونکہ اس کے بھائی کا نام بھی ایک پنہر کے نام پر یوسف ہے) بیٹا نہ تھا بلکہ اس کے دوری پوتوں میں سے تھا + کیونکہ حیات افغانی میں بعض قبیلوں

کے شجروں میں کل ۲۵ پشتیں درج ہیں + حیات افغانی سنہ ۱۸۶۵ء میں اور مثل حقیقت موضع ٹھٹھی لفرتی ۱۸۸۶-۸۷ء میں لکھی گئی ہے اب اگر ان دونوں کا زمانہ ایک مان لیں تو چاہئے کہ لفرتیوں کے شجرے کی آخری پشت کا شمار بھی ۲۵ ہو۔ لیکن اگر ہم اس ۲۵ سے اوپر گنیں تو لفرت خان کا شمارہ (۲۵-۹) ۱۷ آتا ہے۔ اور چونکہ وہاں ترکی کے بیٹے ایسو کا شمارہ ۶ ہے اس لئے ثابت ہوا کہ ایسو اور لفرت خان کے دیہان (۱۷-۶) ۱۰ پشتیں گم یعنی ۷ تا ۱۶ گم ہیں۔ اور اگر ہمارے پہلے قائم کردہ شماروں کے مطابق گنیں تو پشت ۲۸ تا ۳۷ گم ہیں۔ اور ان کا شجرہ یوں ہوا:-

۵ ترکی ۲۶

۶ ایسو (عیسیٰ) یوسف ۲۷

۷ تا ۱۶ دس پشت گم ہیں ۲۸ تا ۳۷

۱۷ لفرت خان وغیرہ ۳۸

پرانی قلمی کتابوں میں لفرت خان کے باپ کا نام تاجن مرصع وغیرہ میں ایسو لکھا ہوا ہے + ایسٹوری اور ایسٹوری بعد کی کتابوں کی غلطیاں ہیں +

لفرت خان کے دو بھائی اور بھی تھے جن میں سے ایک کا نام مہند اور دوسرے کا ترکے تھا۔ ان کی اولاد علی الترتیب مہندی اور ترکی کہلاتی ہے + حیات افغانی وغیرہ میں جو لفرتی کے باقی بھائیوں کے نام لکھے ہوئے ہیں وہ یا تو لفرت خان کی اولاد کے بیٹے ہوئے نام ہیں یا لکھنے والوں کی لاعلمی کی دلیل ہیں۔ آجکل لفرتی خٹکوں سے تھل اور شین غر کے دامن میں، ترکی (شیری) میں اور مہندی خوٹہ اور زیرہ میں آباد ہیں۔ بہت عرصے پہلے آج سے بارہ پشت یا تقریباً ۳۶۰ سال پہلے

کی بات ہے کہ ان تینوں بھائیوں کی اولاد جو بڑے بھائی کے نام پر رجوعی طور پر لفرتی کہلاتے تھے دیپلی میلہ سے مشرق کی طرف شہان الگڈہ کے کنارے قافلہ تھے اور بارک I کے دادا میری کی اولاد ان کے پاس ہی برہ خوترہ میں دم کلی میں رہتے تھے۔ مثل حقیقت میں بیاں دیتے وقت لفرتیوں نے بارک I کا ذکر کیا ہے لیکن وہ بہت بعد کے زمانے کا آدمی ہے۔ تاریخ مرصع میں لفرتیوں کے ساتھ میری خیلوں کا ذکر آیا ہے۔ میری بارک I کا دادا تھا۔ پشتوں کے لحاظ سے بھی بارک I کا زمانہ لفرت کا ہے بہت بعد کا ہے۔ اگر لفرتیوں کے دس گمشدہ پشتوں کا لحاظ نہ رکھا جائے تو میری اور لفرت خان دونوں کا شمار ۲۸ آٹھ ہے۔ ایک مرتبہ لفرتیوں کی (جو تعداد میں کم تھے) کسی بات پر بارکوں سے (جو تعداد میں زیادہ تھے) لڑائی ہو پڑی۔ لفرتی اپنی کم تعداد کی وجہ سے مغلوب ہوئے۔ اور اپنا ٹھکانہ چھوڑ کر بیوغر کی طرف بڑھے اور رقبہ موسومہ بہ مہند والہ (مہند والہ احمد والہ) میں جو اب سراج خیل میں ہے اتر پڑے اور کچھ عرصے تک وہاں قافلہ رہے۔

زبان لفرتی اور ترکی زبان سے چل کر آئی کلمہ میں (جو اب لنڈا کر کے رقبہ میں ہے اور اس وقت قوم مروت کے قبضے میں اور ایک ویران جنگل تھا) جا بسے۔ مہندی اپنی جگہ پر رہے۔ ۱۸۸۶ء میں موضع احمد والہ خاص میں (جس کا اصلی نام مہند والہ ہے اور جسے پرانے ہندوستان کے وقت لفرتیوں نے احمد والہ یاد کیا ہے) اوتھ کی شاخ جید خان خیل اور دیس سرکے میں لنڈا آباد تھے اور انہوں نے ہندوستان قدیم کے وقت یہ بیاں دیا تھا: لنڈوں اور اوتھوں مالکوں نے بیان کیا کہ اس گاؤں میں ایک قوم آباد تھی جس کا نام احمدی [مہندی] تھا۔

اس وقت لندوں اور اوتدوں کی آپس میں دشمنی یا لڑائی نہ تھی۔ دونوں کٹھے یا ایک دوسرے کے نزدیک بیٹھے تھے۔ ان دونوں جبر خانیجیل کی آبادی بتوغڈی میں اور لندوں کی آبادی کندو چشمہ کے مقام پر تھی۔ اور دونوں جنوب یعنی تھل کی طرف ترقی کر رہے تھے۔

احمدی [مہندی] لہجہ میں کم اور کمزور تھے۔ اوتدوں اور لندوں کے معتد وقتاً فوقتاً ان کے مہمان بنتے رہتے تھے۔ مہمان نوازی میں مہندریوں کا بہت زیادہ زبان اور لہجہ صاف ہوتا تھا اور ان کے ساتھ دیگر نعر اور زیادتی بھی کی جاتی تھی۔ انہوں نے ایک مرتبہ باہمی صلاح کر کے اوتدوں اور لندوں کے بزرگوں کو دعوت پر بلا یا اور سب کو قتل کر ڈالا۔ اور بدلے کے خوف سے سب کوچ کر کے خوشہ، زیرہ اور پٹالہ کی طرف چلے گئے اور آج دن تک تحصیل کوٹاٹ کے ان علاقوں میں آباد ہیں۔ اس بات کو سات پشت گزرے ہیں۔“

اگر عام حساب کی رو سے ایک پشت کے ۳۰ سال لے جائیں تو یہ واقعہ ۱۸۳۷ء سے (۳۰ × ۲۱۰ =) ۲۱۰ سال پہلے یعنی تقریباً (۱۸۱۷ء - ۲۱۰ =) ۱۶۰۷ء میں پیش آیا ہوگا۔ اور یہ تاریخ صحیح نظر آتی ہے کیونکہ لہرت خان ہندو بستی قدیم سے ۹ پشت یعنی (۳۰ × ۹ =) ۲۷۰ سال پہلے گزرا ہے اور اس کا زمانہ (۱۸۹۷ء - ۲۷۰ =) ۱۶۲۷ء کے لگ بھگ ہوگا۔

مثلاً حقیقت موضع احمد والہ کے بیاں میں قوم (مہندی) اور گاؤں (مہند والہ) کے نام اس لئے غلط درج ہیں کہ یہ بیاں اصلی مالکان کے زبانی ہیں ہے۔ اور نئے قابضوں کے منہ سے ۲۱۰ سال کے بعد ایسی غلطیوں کا ازکاب بعید از قیاس نہیں ہے۔ کیونکہ کئی آئینہ حقیقت میں اوتدوں نے اپنے مورث اعلیٰ کا نام اوتد

کی بجائے اوید لکھوایا ہے!

اس بیان میں دوسری تاریخی غلطی یہ ہے کہ مہندیوں کے چلے جانے کے بعد اوتد اور لنڈا نہیں بلکہ لہرنی مہندوالہ پر دوبارہ قابض ہو گئے تھے۔ اوتد اور لنڈا یہاں اس وقت آ پائے جب لہرنی اسے چھوڑ کر موضع ٹھی لہرنی کی طرف بڑھے اور شوہ تک علاقہ قبضہ کر لیا۔ مہندیوں کی زیادہ تر آبادی آج کل خوڑہ میں ہے اور ان کا شہرہ مثل حقیقت خوڑہ میں ملیگا + بعض مہندی واقعہ مندرجہ بالا سے پہلے ہی خوڑہ کی طرف چلے گئے تھے اور ان کے مہندوالہ میں رہے ہیں۔ یہ ان کے رشتہ دار بھی ان کے پیچھے چلے گئے + مہندیوں میں سے کچھ ملک اکو کے وقت بھی خوڑہ میں آباد تھے کیونکہ اکو کے بڑے بیٹے بھیر خان کی ایک بیوی مہندی تھی [ملاحظہ ہو تاریخ موضع +] موضع ڈنگر زئی میں بھی ایک کنڈی کا نام مہندی ہے لیکن نیرولبت قدیم کے وقت اس کنڈی کے مالکوں نے بیان دیا تھا کہ ہمیں اس کنڈی کی وجہ تسمیہ نہیں معلوم۔

مہندیوں کے چلے جانے کے بعد بھی یارک لہرنیوں اور ترکیوں کو ستانے رہے۔ اسلئے کچھ عرصے کے بعد ترکی بھی اپنی کلی سے نکل پڑے اور گرگری کلی جاکر قابض ہوئے اور آج تک وہاں آباد ہیں + مثل حقیقت موضع ٹھی لہرنی میں لہرنیوں کا ترکیوں کی بابت یہ بیان "ترکی کی اولاد دلیں، گرگری اور گنڈہیری وغیرہ گاؤں کی طرف چلے گئے" صحیح نہیں ہے۔ یوں کہنا قرین صواب ہوتا کہ "ترکی کی اولاد گرگری گاؤں کی طرف گئے اور بہت عرصے کے بعد (۱۸۲۴ء میں) ترکی کی اولاد میں سے بعض لوگ دلیں کی طرف گئے اور وہ گاؤں آباد کیا" کیونکہ مثل حقیقت موضع دلیں مرتبہ ۱۸۹۳-۹۴ء میں لکھا ہوا ہے: ستر سال ہوئے ہوئے کہ [۱۸۹۴ء - ۷۰ = ۱۸۲۴ء میں] ابراہیم خیل کی اولاد آپس کی دشمنی کی وجہ سے گرگری سے [دلیں کو] آ گئے

اور وہ رقبہ جو وفیروں اور ہنگشتوں کے حد پر غیر آباد جنگل پڑا ہوا تھا اور جس سے کوئی بھی تعلق نہ دکھاتا تھا حاکم وقت کی اجازت سے آباد کیا اور اس پر قابض ہو گئے + دو چار سال کے بعد علی خیل اور کدی خیل کی اولاد کے جن لوگوں نے گرگری چھوڑی تھی اور یہاں آئے تھے انہوں نے اپنی ضرورت کے مطابق غیر آباد رقبہ آباد کیا اور اس پر قابض ہو گئے کچھ مدت کے بعد علی خیل کی اولاد اور کربوئے والے اپنی زمینیں چھوڑ کر اپنے اپنے گاؤں کو چلے گئے۔ صرف ابراہیم خیل اور کدی خیل کی اولاد بدستور قابض رہے۔“

لہریوں کے متذکرہ بالا بیان میں گتدیری کلی کا ذکر بھی بیجا ہے کیونکہ اس گاؤں کے رہنے اور بسانے والے بولاق تھے اور اگر ترکی کی اولاد میں سے کچھ لوگ اب وہاں پائے جاتے ہیں وہ یہاں گرگری سے اور بندوبست قدیم کے بعد آئے ہونگے۔ کیونکہ بندوبست ۱۸۹۳ء کے وقت اس گاؤں کے مالکوں نے یہ بیان دیا تھا: ”ہمارے جد اعلیٰ سرکی کا سلسلہ نسب بولاق ٹرک سے ہے + عرصہ چھ سات پشت کا گزرا ہے کہ سرکی کی اولاد میں سے ہمارے مودت (شیر ولد ہیمزاد اور) علاقہ بارک سے اس طرف آئے تھے ان رب مذکورہ وراثان نے حاکم وقت کی اجازت سے بنجر غیر آباد سے اس گاؤں کا رقبہ آباد کیا اور اپنے اپنے وسیع تک اس پر قبضہ کیا۔“

مہندویوں اور ترکیوں کے چلے جانے کے بعد لہری بھی ازنی کلی سے چلے گئے اور اپنے پرانے رقبے مہندوالہ پر دوبارہ قبضہ کر لیا۔ اس وقت موضع ٹھھی کا رقبہ مروت قوم کا اور تہل ایک ویران جنگل تھا۔ لہریوں نے آہستہ آہستہ یہ فوری شمشیر مروتوں سے قبضہ کیا۔ حیات افغانی (ص ۶۱) میں لکھا ہے کہ نواز خان ولد پہلو خان قوم مروت [جو ۱۲۳۷ھ کے حدود میں زندہ تھا] ترک کے مقام پر شہباز خان اکوڑ خیل سے جنگ کی۔ لیکن مروت بہت نقصان پا کر منہزم ہوئے۔ [نواز کا بیٹا عبداللہ یا ابو محمد ۲۲ جولائی ۱۸۶۸ء کو مر گیا]

اس لڑائی کے بعد گلبرگ خان ولد سلیم خان میاں داد خیل
نے (جو اپنے رشتہ دار سالار کی جگہ ملک بنا تھا) لشکر جمع کر کے
نہتر کے آؤردوں کو پرایا اور نہتر کا گاؤں جلا ڈالا۔
ٹھٹی لہری سے تقریباً ۱۱ میل جنوب کو، شین غر کے دامن میں
اور دو انگڑوں کے بیچ میں زرکی کلمہ پٹرا ہوا ہے۔ یہ استثنائے
ایسوی اور چند کامیگروں کے گاؤں کی تمام آبادی قوم گندہ خیل
پر مشتمل ہے + پشتو کے وقتوں میں یہ گاؤں اپنے حل وقوع
کی وجہ سے بہت محفوظ سمجھا جاتا تھا۔ تھل میں گندہ خیلوں کے
جتنے باندہ جات ہیں ان سب کے مالکان اپنے صدر مقام زرکی

سے نکل کر اپنی اپنی ملکیتوں پر آباد ہوئے ہیں + زرکی میں اور
اس کے آس پاس گندہ خیلوں اور لہندوں کی کئی لڑائیاں ہوئی
ہیں + ایک لڑائی میں غیرتناک شکست پانے کے بعد لہندوں نے پھر لہر کا رخ نہیں
کیا + زرکی کھلی کے مشرق کی طرف جو پیشین غر ہے وہ صرف گندہ خیلوں
کی ملکیت ہے۔ اگر کوئی اور لہری وٹاں سے لکڑی وغیرہ کاٹ کر لانے
تو زرکی کھلی والے اس سے تاوان وصول کرتے ہیں +

گندہ خیلوں کے مورث اعلیٰ گندہ کے بعد اس کا پڑپوتا نندہ شیور
پشتی گزری ہے۔ اس کا دور آج تک نندہ خالی کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔
مہنف کے بزرگوں میں سے تاج بیگ پشتو کے وقت میں زرکی سے
بنوں آبا تھا۔ اس کی موضع ٹھٹی لہری میں ۵۰۰ کمال زمین تھی +

زرکی والے یہاں نواز یوں اور فضول خیلوں اور چھوٹی چھوٹی بالوں
پر لوگوں کو زمین کے بڑے بڑے حصے پیش دینے کی وجہ سے غریب
ہو کر اپنی زمینیں بیچتے اور ان کے گوانڈی لہند (جو محنت کش اور زمینوں
کے شوقین ہیں) خریدتے رہے۔ اب بھی اگر ملکیت کی طرف سے گندہ خیل
کنزور ہیں لیکن باہمی اتفاق کی وجہ سے کوئی ان سے ٹکری لینے کی ہمت نہیں کر سکتا +

زردکی کے شمال مغرب کی طرف بارانی پانی کا ایک بڑا تالاب ہے جس سے قفل کے لوگ دس دس میل کے فاصلے سے آکر پانی بھر کر لیا کرتے تھے۔ ٹیری کی البسٹینٹ رپورٹ ۱۹۰۲ء ص ۳ پر لکھا ہے کہ سراج جبل کے قریب ایک چشمے سے بذریعہ نلکوں کے ٹٹھی لھری اور شنوہ گڈیخیل پینے کیلئے پانی کی ایک تجویز تھی۔ یہ تجویز اس وقت خرچ کے بہانے چھوڑ دی گئی تھی۔ لیکن مسلم لیگ کی حکومت کے زمانے میں اس پر عمل کیا گیا۔ اور قفل والوں کے پینے کے پانی کی تکلیف نہایت معمولی حد تک رفع ہو گئی ہے۔

امید ہے کہ حکومت اس چشمے سے ایک اور نل کے ذریعے مزید پانی لاکر اس تکلیف کو اور بھی کم کر دیگی۔

ٹٹھی لھری کے گنبد خلی طرف کے جنوب میں ایک بڑا قبرستان ہے جو مروتوں کا قبرستان کہلاتا ہے۔ اس کے آس پاس اب تو اور مردے بھی دفن کئے جاتے ہیں لیکن اصل قبرستان اس زمانے کی یادگار ہے جب مروتوں نے شکوں پر تاخت کیا تھا اور یہ کئی سو مردے چھوڑ کر بھاگے تھے۔ اس کے بعد ایک پرانے جس کا نام تور پر تھا لھریوں اور مروتوں کے درمیان صلح کی۔ اور تنگہ نے انگڑھ کے کنارے لکھ اوڈہ پہاڑی کے غزنی اختتام پر نشان لگا کر وہاں سے جنوب کا حصہ مروتوں کو دے دیا۔

لوگوں نے اس مقام پر پتھر پھینک پھینک کر ایک خولہ (بادگاہ) monument) بنایا جیسا کہ یہودی بنایا کرتے تھے جو تور پر خولہ کہلاتا تھا لیکن کثرت استعمال سے اب تور پتھر خولہ کہلاتا ہے۔ یہ خولہ ایک بیر کے درخت کے نیچے ٹٹھی لھری سے گنڈیری کی جانے والے رستہ کے مشرقی طرف واقع تھا۔ راقم اطراف نے اسے سالم حالت میں دیکھا تھا جب کہ اس کی اونچائی ایک گز کے قریب تھی۔ اب چند سال سے اس رستے پر چپوں کے چلنے سے اس خولے کے

مغزنی کمارے کو قدرے نقصان پہنچا ہے + بعد میں مروتوں کی
بر عہدی اور معاہدے کی شرائط کی خلاف ورزی کی وجہ سے انہیں
اس مقام سے تقریباً ۲۰ میل جنوب کی طرف ہٹنا پڑا +

تاریخ مرصع میں لکھا ہے کہ لوجانٹریوں [جو مروتوں کی بڑی
شمار کا نام ہے]، عیسائی خیلوں، سارنگوں، موسیانوں اور مرخینوں
نے لھریوں کے ساتھ کئی مرتبہ سخت لڑائیاں لڑی تھیں + لوجانی
دو دفعہ خوتہ پر حملہ آور ہوئے تھے - ایک دفعہ لوجانٹریوں نے خلیفہ

ماشی خیل کو قتل کیا - پھر میراخل [میری خیل] اور لھریوں نے
سارنگوں، موسیانوں اور موسیانوں پر غلبہ پایا اور انہیں لکی [جھ]
اب لکی مینا خیل کہتے ہیں] سے جلا وطن کیا جو وہ خوشاب چلے گئے +
جبکہ مروت بنوں کے علاقے یعنی تحصیل لکی کو آج سے تقریباً
۱۵۰ سال پہلے آئے تھے اور تاریخ مرصع میں ۱۳۶۱ھ تک کے

واقعات درج ہیں اس لئے ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ یہ لڑائیاں
[۱۳۱۵ھ - ۱۵۰ھ] ۹۳۵ھ اور ۱۳۶۱ھ کے درمیان لڑی گئی تھیں +
بعد ازاں خٹک مروتوں کو ماتے ماتے ان کو ان کے موجود
دہ عباسہ تک پیچھے دھکیل گئے +

موضع ٹھی لفری کی ۱۸۱۷ء کی آبادی میں ۳۶۶۶ مرد اور
۱۲۲۱ عورتیں ہیں - یہاں کل ۲۰۵۳ گھر ہیں جن میں ۲۲۳۰ خاندان
ہستے ہیں +

ہندوستان قدیم کے وقت ماہی کے لفظ نظر سے ٹھی لفری
کا جو موضع مقرر کیا ہے اس کا رقبہ غیر اقتصادی حد تک وسیع اور
چار ٹکڑوں میں بانٹا گیا ہے - اس جملہ رقبے میں صرف ایک
پٹوار خانہ ہے جس میں دو پٹواری کام کرتے ہیں لیکن اپنے کام
سے عہدہ برآ نہیں ہو سکتے کیونکہ ہر ایک ٹکڑا اتنا بڑا ہے کہ اس
کے لئے ایک علیحدہ پٹوار خانہ چاہئے + امید ہے کہ بہتر کارکردگی

کے پیش نظر حکومت آنے والے بندوبست میں یہاں چار پٹوار خانے اور کم از کم چار پٹواری مقرر کریگی۔

موضع ٹٹھی لفری میں صرف ایک مردانہ ٹائی سکول اور ایک ہی پولیس کی چوکی ہے۔ تھانہ کرک میں ہے جو یہاں سے پندرہ میل دور ہے۔ بیچ کی سڑک پیکار جیسی ہے جو زیادہ بارش پڑنے پر لیٹو غرائگڈ اور ترخہ الگڈ کی طبعانی کی وجہ سے بند ہو جاتی ہے ہنزدارج آمد و رفت بھی ناکافی اور تکلیف دہ ہیں اور چونکہ عزیت اور بے تعلیمی کی وجہ سے موضع ٹٹھی لفری میں واردات زیادہ ہوتے ہیں اس لئے امید ہے کہ حکومت یہاں مزید تعلیمی سہولیتیں بھی مہیا کریگی اور چوکی کو بھی تھانے میں تبدیل کریگی۔

ٹٹھی لفری کو نہ تو کوٹاٹ بنوں سڑک سے سیدھا رستہ آتا ہے نہ کوٹاٹ سے اور نہ بنوں سے۔ بنوں کوٹاٹ سڑک انگریزوں نے محض فوجی نقطہ نگاہ سے بنائی تھی۔ اس سڑک سے جو شاخ برتنہ سورڈاگ ٹٹھی لفری کو جاتی ہے وہ بجائے اس کے کہ کوشی الگڈ کے مغربی کنارے سے جنوب کو چلی جائے آگے شرق کو گڑوڑی کو لکل جاتی ہے۔

کوشی کے کنارے سے (جو سورڈاگ سے تین میل دور ہے) تھل کی طرف ایک سڑک بنانے کی تجویز عرصے سے موجود ہے لیکن نامعلوم وجوہات کی بنا پر اس تجویز کو سال ہا سال سے عملی جامہ نہیں پہنایا جاتا، امید ہے کہ حکومت اس طرف عنقریب توجہ مبذول فرمائیگی۔

ٹٹھی لفری سے ایک رستہ کرک کو مدکی پہاڑی پر سے ہو کر جاتا ہے۔ اس پر لدے ہوئے اونٹ بھی آتے جلتے رہتے ہیں، ایک جگہ پر جہاں سے پہاڑی پر اترتے اور پھرتے ہیں یہ رستہ قابل مرمت ہے۔ اس کے بننے سے ۵۰ میل کا رستہ ۹ میل

رہ جائیگا۔

ٹھٹی لفٹی کی تجارت وغیرہ زیادہ تر بنوں کے ساتھ ہے۔
 اگر یہاں سے ہر سٹہ منڈوہ بنن خیل تک موجود رشتے کو پختہ
 بنایا جاوے تو موجودہ مسافت آدھی رہ جائیگی اور اقتصادی نقطہ
 نگاہ سے بھی یہ شرک بہتر رہیگی کیونکہ نہ تو اس میں پہاڑوں پر
 ۱۳ میل تک اترنا اور چڑھنا پڑے گا نہ خطرناک اگلاؤں سے سالفہ پڑے گا۔
 ۱۹۰۴ء سے کچھ عرصہ پہلے انگریزوں نے کوٹاٹ سے ہر سٹہ نری
 ٹھٹہ اور کرک بنوں تک ریل گاڑی کی شرک بنانے کی تجویز کی
 تھی۔ [شروع میں کوٹاٹ سے بنوں تک کی آمد و رفت اسی نری
 اور کرک کے رشتے ہوتی تھی۔ حتیٰ کہ ۱۹۵۰ء میں بہادر خیل کی نمک
 کے کانوں پر قابو پانے کے لئے یہ موجودہ شرک بہادر خیل اور شور
 ڈاگ کے رشتے بنائی گئی۔] ریل کے رشتے کے لئے مساحت کا کام
 شروع بھی ہو چکا تھا لیکن پھر خرچ کے بھانے یہ کام ترک کر دیا گیا۔
 لیکن اب تو بفضل خدا حکومت بھی اپنی ہے، خزانے بھی معمور ہیں اور
 ہر علاقے میں ترقی کی تجویزوں پر عمل ہو رہا ہے۔ اچھا ہوگا اگر حکومت
 اس اہم، قابل عمل اور مفید تجویز کو بھی عملی جامہ پہنائے۔ یہ ایک
 ایسا ہی کارنامہ ہوگا جیسے ۱۸۸۳ء میں کرم گڑھی کی تجویز تو ہوئی
 تھی لیکن انگریزوں نے تشنہ تکمیل چوڑی تھی۔ لیکن جب پاکستان
 بن گیا تو یہ تجویز بھی مکمل کر لی گئی۔

ٹھٹی لفٹی کا سرکہ مشہور ہے۔ یہ سرکہ موہن یا کشمش سے
 بنایا جاتا ہے۔ ٹھٹی لفٹی کے شمال مشرق کو سراج خیلوں کے
 علاقے میں انگور کا ایک بڑا باغ تھا لیکن ان انگوروں سے سرکہ
 کبھی نہیں بنایا گیا۔ یہ باغ اب بوغرا اگلے نے برد کر لیا ہے۔

ایسوڑی

مثلاً حقیقت موضع ایسوڑی تپہ ٹھک چک کنارہ دریا نمبر پر گنہ
۵۱ تحصیل نوشہرہ ضلع پشاور کے مطالعے سے پتہ چلتا ہے کہ یہ
موضع ایسوڑ خان نے بسایا تھا جو موضع تیری تحصیل و ضلع کوٹاٹ
سے اٹھکویہاں آیا تھا۔

بعد میں مظفر بہاغت نہ ملنے ترکہ پوری موضع ڈنگری سے،
موجود ٹھک بہاغت ناداری موضع منی تحصیل نوشہرہ سے اور ٹیکہ
ٹھک بوجہ سقیم الحالی موضع تیری ضلع کوٹاٹ سے اور کچھ اور ٹھک
کسی اور جانب سے آئے اور یہاں آباد ہو گئے۔ مظفر خان پسی خیل
اور ٹیکہ محمد مندوی تھا، دونوں کو کل بقعہ دیہہ سے $\frac{1}{4}$ حصہ دیا گیا۔
وہ ٹھک جو کسی نامعلوم بہت سے یہاں آئے پہلے اور پیشہ
(اغلباً جہاں) سے گزارہ کرتے تھے۔ لیکن بندوبست سے عرصہ تین
پشت پہلے ان میں سے بہادر شاہ اور اورنگ شاہ بذریعہ سب سے
[تخصیص] بلحاظ قبضہ دیرینہ زمین مقبوضہ کے مالک قرار پائے۔
عہد سکھان میں یہ گاؤں تین دفعہ بوجہ سختی حاکم اور ایک دفعہ
انکے عہد میں اور ایک مرتبہ انگریزوں کے وقت بوجہ دیبا برد ہونے کے
ویران ہوتا رہا۔

دیبا بردگی کے بعد پہلی مرتبہ مالکان نے آبادی سائق کی جگہ اور
دوسری مرتبہ اس جگہ جہاں اب گاؤں آباد ہے یہ گاؤں آباد کیا۔
اور تہ آبادی سالقہ کو منروہ زمین بنا ڈالی، ایک بانڈہ معروف بہ
ایسوڑی دیہہ میں واقع ہے جس میں حصہ دار آباد ہیں۔
اجکل ایسوڑی دو جگہ آباد ہیں۔ ایک گاؤں جو ایسوڑی پائش
کہلاتا ہے بہت بڑا اور میدان میں سرے اکورہ سے براستہ سڑک
تقریباً ۵ میل کے فاصلے پر جنوب شرق کی طرف پڑا ہے، ایک چھوٹا
سا گاؤں جو اس گاؤں سے تقریباً ایک میل شمال مغرب کو پہاڑی

پر واقعہ ہے غالباً بود کی تعمیر ہے جہاں خوشحال خان خٹک I بھی
 محو خواب استراحت ہے + یہ گاؤں خان کے یہاں دفن ہونے کے بعد بنائے +
 تاریخ مریح میں گھروں کے شمار میں لھریٹیوں اور ایسوریلوں
 کے اکٹھے ۵۰۰ گھر رکھے گئے ہیں - ممکن ہے یہ کتابت کی غلطی
 ہو کیونکہ ان دونوں کا کسی وقت اکٹھا رہنا ثابت نہیں ہے -
 لیکن گمانِ اغاب یہ ہے کہ یا تو ایسوکے بھائی یوسف کی اولاد
 یا یوسف جل کی بچائے ایسور لکھا گیا ہے - یا یوسف اور اس کے
 بھائی اکبر کی اولاد ایسوری کہلاتی تھی + ضلع پشاور کے ایسوریلوں
 کا شجرہ نسب یہ ہے :-

ایسورخان

سلیم حلیم حلال

ایسور حلیم حسن

شفیق عمرخان بہادرخان

اشلہ جات حقیقت موضع ٹھی لہری مرتبہ ۱۸۶۶ء اور موضع ایسوری
 مرتبہ ۱۸۷۵ء میں لہری خان سے لے کر بنوعلست تک بھی ۹ پشتیں
 درج ہیں اور ایسورخان سے بھی - جس سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ
 دونوں ہم عصر تھے - لیکن ان کا اکٹھا رہنا یا آپس کا رشتہ معلوم نہ
 ہو سکا - لیکن ایک امر یقینی ہے کہ وہ آپس میں باپ بیٹا نہ تھے
 کیونکہ اگر ایسا ہوتا تو محمد افضل خان انہیں دو ناموں سے یاد نہ کرتا +
 موضع زرکی میں صرف ایک گھر ایسوریلوں کا آباد ہے - ان کے
 مورث اعلیٰ کا نام قطب شاہ ہے جو ایسوری کے ایک بڑے بانی ہیں
 قطب شاہ کا بیٹا اہل اور پونز گلاب (پیدائش ۱۸۵۶ء وفات ۱۹۳۶ء)
 زرکی والوں کے گائیک تھے + میں نے ضلع پشاور کے موضع ایسوری
 کے شجرہ نسب اور غیر حاضران میں نہ تو قطب شاہ کا نام پایا اور
 نہ اہل کا - بہ ہر حال یہ گھرانہ جواب سرکاری ملازمتوں میں ترقی
 کمر رہا ہے گندہ جیلوں کے گندہ میں وصلی طور پر شامل ہے + ان کے
 رشتے دونوں کے شجرے میں شاید قطب شاہ یا اہل کے نام مل جائیں +

بوگار

مزاری شہزادی

میرزا رضا بیگ ملکین شاہ احمد علی

بہائی خان میرزاخان لغنگ مشرف

مثل حقیت موضع ٹھہری لھری ۱۸۸۴-۱۸۸۵ء میں لھریوں کے شہر کے بعد بوگادوں کا شہر ان کے مودت اعلیٰ بوگار کے نام سے شروع ہو جاتا ہے۔ اور یہ پتہ چلانا نامکن ہے کہ بوگار کس قبیلے یا کونسے خیل سے ہیں۔ لیکن بعض لوگ کہتے ہیں کہ بوگار نصرت خان کا ایک نوکر تھا + وہی طور سے بوگار گندہ خیلوں اور اس لئے لھریوں کے ساتھ ہیں اور بوگار کو لغنگ خان نے راضی دی تھی مثل حقیت متذکرہ بالا میں لھریوں کے پہاڑ کے متعلقہ قبیلے یہ ہیں: "ہمارے موٹان کے درمیان کسی جھے یا پیمانے پر تقسیم نہیں ہوئی۔ جس نے جتنی زمین بذریعہ آبادی قبضہ کی اس کا مالک بن گیا۔ اسی طرح ان کے بعد ہم نے بھی حتی الوسع یعنی بھر مالک تھا جو جتنا لینا چاہتا تھا اپنے حتی الوسع قبضہ کر لیا۔ جھے اور پہاڑ کی مقدار کے بغیر قبضہ کے مطابق عمل درآمد ہے۔ صرف مالک ادا کرنے کے لئے اور ٹیری کے حاکم نوالہ صاحب کی طرف سے بیگار [بذریعہ چیمہ وغیرہ] کے انتظام کیلئے ۷۰ لوگ مقرر ہیں۔ اس لحاظ سے قووں کے یہ تین طرف مشہور ہیں: گندہ خیل ۲۳ لوگ، لگی خیل ۲۳ لوگ اور بدین خیل ۲۴ لوگ۔ اور ہر طرف میں پانی ہیں جن کا حال طرفوں کی کیفیت میں درج ہے۔"

اور لھریوں کے شہر کے اختتام پر گندہ خیل کے طرف کی کیفیت یوں درج ہے: "یہ طرف مودت گندہ کے نام پر گندہ خیل مشہور ہے۔ اور طرفوں کے مقابلے میں ملکیت کے تقے کی تقسیم

کے بغیر سب گاؤں کی مالگزاری کے ۷۰ لوگ پہانہ سے ۲۳ لوگ مال ادا کرنے کا مالک ہے۔ اور اس [طرف] میں مالگزاری کے ادا کرنے کی رو سے یہ تپے مقرر ہیں: ڈرخا خیل ایک لوگ، نذر خیل ایک لوگ، بشر خیل دو لوگ، فقیر خیل آدھا لوگ، اسماعیل خیل آدھا لوگ، ٹغان خیل آدھا لوگ، بنگی خیل دو لوگ، فتح خیل دو لوگ، جلی خیل نو لوگ، اور بوگارا ساڑھے چار لوگ +

اور تپی بوگاراہ کی کیفیت میں لکھا ہے: ”یہ تپی مورث بوگارا کے نام پر بوگاراہ مشہور ہے۔ اور کل طرف کے ۲۳ لوگ سے ۱۴ لوگ کی کیفیت ان کو حاصل ہے۔“

پہلے وقتوں میں لوگ کا مطلب وہ مالکہ ہوتا تھا جو ایک گھر پر لگایا جاتا تھا۔ لیکن انگریزوں کے دور میں عموماً ایک مورث اعلیٰ سے پیدا ہوئے ہوئے چند خاندان یا وہ لوگ جنہوں نے خربہ کے ذریعہ حقوق حاصل کئے تھے ایک لوگ میں شامل کئے جاتے تھے۔ (ملاحظہ ہو دی سیٹلمینٹ رپورٹ آف دی کوٹاٹ ڈسٹرکٹ، اور گزٹڈ آف دی کوٹاٹ ڈسٹرکٹ) اسلئے ہو سکتا ہے کہ بوگاراہوں نے بذریعہ خربہ طرف گندہ خیل میں حقوق اراضی حاصل کئے ہوں اور انگریزوں نے بندہ بستی کے وقت انہیں طرف گندہ خیل کا ایک تپہ لکھ دیا۔ حیات افغانی اور تاریخ خورشید جہان کی فاش غلطیوں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ دونوں نے بوگر خیل کو گندہ خیل کی اولاد لکھ دیا ہے + بوگاراہوں کا گاؤں بوگاراہ کہلاتا ہے اور ٹھہی لہرتی سے جانب غرب واقع ہے +

ٹغان خیل -

اپنے مورث اعلیٰ کے نام پر مشہور ہیں۔ ان کا حال بھی بوگاراہوں کی طرح ہے۔ انکی اصلیت بھی معلوم نہیں۔ لیکن طرف گندہ خیل میں ایک تپہ ہونے کی وجہ سے لہرتیوں کے ساتھ وصلی طور پر شامل ہیں +

فتح خیل

فتح خیل اپنے مورث اعلیٰ فتح کے نام پر مشہور ہیں۔ یہ بھی طرف گندہ خیل کی ایک تہی ہونے کی وجہ سے نصرتیوں کے ساتھ وصلی طور پر شامل ہیں + ان کے صحیح حسب نسب کا بھی پتہ نہیں چلنا کہ مثل دیگر وصلی شاخوں کے کون ہیں اور کب اور کہاں سے آئے اور کیونکر ماکہ اراضی بنے۔ لیکن اندازہ یہی ہے کہ خرا کی زمین بہت تھی اور آبادی کم تھی۔ فتح میں جس نے جہاں جانا وصلی طور پر کسی کا پمسایہ بن کر بذریعہ نو آبادی زمین پر قبضہ کر لیا۔

حسن خیل

حسن

سویں	عبدالجبار
خلاص	عبدالود
شاہد	دلوانہ خان محمد

حسن خیل اپنے مورث اعلیٰ حسن کے نام پر مشہور ہیں۔ یہ بھی دراصل لفرتی نہیں ہیں بلکہ کہیں باہر سے آئے ہیں۔ ان کے اصل اور نسل کا بھی پتہ نہیں ہے۔ لیکن وصلی طور پر یہ لوگ بغرض مالہ و کار بیگار داور خیل کے ساتھ شامل ہیں اور داور خیل چونکہ لفرتی ہیں اس لئے حسن خیل بھی وصلی طور پر لفرتی ہیں + حسن خیل موضع خدہ میں رہتے ہیں جو شہی لفرتی سے تقریباً دو میل مغرب کو ایڈ غر اللہ کے کنارے واقع ہے۔ آجکل پیرائے گاؤں کے پاس بوجہ خانگی دشمنی ایک تپا گاؤں بھی بن چکا ہے + سرٹے اکوڑہ کے بالمقابل مہری بانڈہ میں حسن خیلوں کی کافی آبادی رہتی ہے۔ مجھے اب کی مرتبہ یہ دیکھنے کا موقع نہ مل سکا کہ فتح اور پشاور کے حسن خیلوں میں کوئی تعلق ہے یا نہیں +

سیرک

سیرک اپنے مورث اعلیٰ سیرک کے نام پر مشہور ہیں۔
مالیہ اور ہنگامہ کے لئے یہ داوخیل کے ساتھ شامل تھے اس لئے
وصلی طور پر لھری ہیں +
سیرک میانکی بانڈہ سے شمال مغرب کی طرف لھریوں کی
آخری حد پر رہتے ہیں۔ ان سے آگے گڈی چلوں کی ملکیت شروع
ہو جاتی ہے +
سیرک ایک بہادر اور جنگجو شاخ ہے +

مندہ خیل

ان کا شہرہ ان کے مورث اعلیٰ مندہ سے شروع ہوتا ہے
ان کے دیگر کوائف بھی حسن خیل اور سیرک کی طرح ہیں اور یہ
بھی وصلی طور پر لھری ہیں۔ انہیں مقامی طور پر مینڈہ خیل کہتے ہیں +

پیری خیل

پیر محمد

امیر چارگل کلائی سید احمد بخشا اللہ جا
گل دین خود علم رکھنے والا چاند طوٹا زرخیز دلیورنگ دانگ

پیری خیل اپنے مورث اعلیٰ پیر محمد کے نام پر مشہور ہیں جس
کا اسم تصغیر پیری تھا۔ یہ لوگ وصلی طور پر لھری ہیں۔ ان
کا تپہ لھریوں کی شاخ بدین خیل کے ساتھ شامل تھا۔ پیری خیل
اس پسند لوگ ہیں +

ان کی بابت یہ قصہ مشہور ہے کہ ایک دن گندہ لگی اور بدین
(دہاء الدین) تینوں بھائی کسی طرف جا رہے تھے۔ رستے میں انہیں

ایک نوزائیدہ بچے بستے میں پڑا ملا۔ بہت چلاٹے کہ یہ بچہ کس کا ہے لیکن کچھ جواب نہ پایا۔ بدین نے کہا کہ اسے لیجانا چاہئے ورنہ یہیں صعوبت سے سر جائیگا۔ اس کے بھائیوں نے کہا کہ اسے یہیں رہنے دو اگر کوئی پیرائی (جن) ہوا تو مصیبت میں پھنس جائیگا۔ اس نے کہا کچھ بھی ہو میں تو لچاؤ لگا۔ وہ بولے کہ اچھا لے جاؤ لیکن اگر بل کمر بڑا ہو گیا تو اس کا حصہ بھی تمہارے ساتھ ہوگا۔ چنانچہ بدین اسے اٹھا لایا۔ لوگ اس بچے کو پیرائی (جن) لکاتے تھے۔ جب بڑا ہوا تو بدین نے اسے اپنے ماٹراد میں سے حصہ دیا اور اس کی اولاد اب پیری خیل یعنی جن کی اولاد یا پیری خیل یعنی پیری (پیر محمد) کی اولاد کہلاتی ہے

* * *

ملک اکبر

یکی خان و غیره ۲۰ بیبه

عالم خان C شهباز خان I بهادر خان و غیره ۱۱ پسران

(فیض) جهانگیر خان I شهباز خان I پیراز خان

۵ بهرام خان اشرف خان (هجری) و غیره ۶ بیبه

محمد افضل خان I عبداللہ خان نامدار خان و غیره

۱۰ (خان شہید) سعد اللہ خان I کاظم خان (شیدا) محمد علی خان و غیره ۱۱ کسان

اشرف خان

دینی خان

محمد علی خان

لشکر خان

سعاد خان I سید کا الملقب کوزل خان خوشحال خان I احمد خان I سردار شهباز خان I و غیره ۲۰ کسان شرافت خان

اشرف احمد ندر اللہ شایخوز قلیز سنگندر زبردست کلم خان منظم محمد بنصور نام علی حسن خان رسول خان

جنگ خان پیر خان میر خان سوزاز حبیب حسین شرقی جعفر خوشیلا عبداللہ کرم و خوشحال خان I و رسول خان و غیره

محمد افضل خان II جعفر و بیرو عباس خان خواص خان

ملفوظ خان محمد طرزا عبدالغفور خان سپین خان و غیره

کلم خان باز محمد خان (شکایان خان)

بادشست: کا کلم خان شیدا مورث خورنشین اکوڑه تھا۔ اور سردار شهباز خان III مورث خورنشین پیری + محمد افضل خان II جاگیر دار خود را خوار و خداد و در جعفر خان ولد میر خان جائیر دار بیلا ب + بلند خان ولد حسین خوشحال گڑه کا جائیر دار تھا۔

کرم دی اکوڑه کرم دی

اکوٹریخیل اکو (یا اکوٹری) کی اولاد اور اس کے نام پر اکوٹریخیل کہلاتے ہیں۔ اکو کے سونیالہ آنے کا حال آپ اس کتاب میں پڑھ چکے ہیں۔ یہاں وہ اپنے ساتھیوں کا سردار اور ایک بہادر اور شہور رانہن تھا جو اپنے گروہ کے ذریعے دریائے سندھ کے غزلی کنارے سے لے کر نوشہرے تک لاہور سے پشاور جانے والی شرک پر آنے جانے والوں مغل سافروں، سوداگروں اور قافلوں کو لوٹتا تھا۔ وہ خود ایک بے چہ میل کے فاصلے پر ایک پہاڑی میں رہتا تھا اور گھوڑی سے نوشہرے تک رانہنی کرتا تھا۔

اس زمانے میں یوسفزی، خلیل اور مہند بھی ایک سے آنے اور جانے والے مخلوں کو لوٹتے تھے۔ علاقے میں عام بد امنی پھیلی ہوئی تھی اور ہر فارسی بولنے والا قتل کر دیا جاتا تھا۔

۱۵۸۱ء میں اکبر بادشاہ نے اپنے بھائی مرزا جیکم سے لڑنے کے لئے ہندوستان سے کابل جاتے وقت شاہی شرک کی حفاظت کی غرض سے ایک کا قلعہ بنوانا شروع کیا۔ اور نیز ایک اشتہار کے ذریعے اس علاقے کے مخبر زمینداروں کو اپنے پاس بلایا۔

اس موقع پر مہندوں اور خیلوں نے اکبر سے کہا کہ لوٹ مار تو دراصل لٹائے دریا ب کے جنوب کے یوسفزی اور منڈر کرتے ہیں اور مفت میں بدنام ہم ہوتے ہیں۔ پہلے انہیں مطلع کیجئے۔ ہم تو شرک کی حفاظت سے رہے، یہی وجہ تھی کہ اکبر نے یوسفزیوں پر حملے شروع کر دیے جن کی وجہ سے بارہ سال کے عرصے میں یوسفزی اور منڈر بہت کمزور ہو گئے۔

عبدالرحمن خورم، میری خیلوں اور بعض ڈنگریوں نے اکو کا نام تجویز کیا کہ وہ اس علاقے میں بہت اثر اور رسوخ رکھتا ہے وہی یہ کام کر سکیگا۔ مان سنگھ اور دوسرے مغل سرداروں نے بھی اکبر کو یہی صلاح دی۔ اکبر نے اکو سے کہا کہ آپیں منصب دیو لگا شرک

کی حفاظت کرتے رہنا۔ اس نے کہا کہ منصب کی وجہ سے میرے لوگ
میرے ساتھ حسد کریں گے۔ اس لئے اکبر نے خیر آباد سے نوشہرے اور
تبی سے موسیٰ درہ تک کا علاقہ، زلوزی اور سپین خاک کے موضع
اور اکوڑے کے گڈر پر میر بھری اور جانوروں کے گرنے پر مھول
لینے کا حق اکو کو بطور جاگیر دے دئے۔ اکو کے چار بھائی اور بھی تھے۔
اکبر نے محض اپنی مطالب برآری کے لئے اکو کو یہ جاگیر دی تھی وہ نہ
دیے تو اکبر بھی اپنے باب بھائیوں اور دادا بابر کی طرح پشتونوں کا
جانی دشمن تھا اور طرح طرح کے بہانے تراشتا رہتا تھا۔ تعصب
کا یہ حال کہ اکبر نے ۱۱۲۴ منصبوں میں سے صرف نو پشتونوں کو
دئے تھے وہ بھی نہایت گھٹیا پائے کے یعنی ایک دو سوکا، ایک
تین سوکا، ایک چار سوکا، چار ایک ایک ہزار اور دو منصب
دو دو ہزار کے!

شاہی جاگیر دار بننے کے بعد اکو نے لنڈے درباب کے جنوبی اور
شمالی سرک کے شمالی کنارے ایک اونچی جگہ پر ایک چھوٹا گاؤں
بسیا جو پہلے تو ملک پور کہلاتا تھا لیکن بعد میں اکو کے نام پر سرک
اکوڑہ مشہور ہو گیا جس سے شمال کی طرف سرسیرہ غونڈی کے
یوسفزیوں کے مورچے صاف نظر آتے تھے اور اپنے لوگوں کو
اپنی جاگیر پر بسیا۔

اکو سے سعادت خان کے وقت تک اکوڑہ خشکوں کا دار الخلافہ رہا۔
اس کے بعد مشرقی علاقے کے خواہن اکوڑہ اور جہانگیرہ میں اور مغربی
علاقے کے خان پیری میں رہنے لگے۔

اب اکو نے لوگوں سے ملک لینا بھی شروع کیا۔ بولاق کے لوگوں
سے پیداوار کا چوتھا حصہ اور دو روپیہ فی ہل لیتا تھا۔ چاہی رقبے
سے فی کنواں ۱۵ روپے سالانہ اور اگر کنواں اکو کھد کر دیتا تو ۲۵
روپے سالانہ لیتا تھا۔ خیر آباد سے نوشہرے تک جو تری آباد تھے

رشتے میں اکو کے قریب تر تھے ان سے پیداوار کا دسواں حصہ اور
 تیرنی یعنی مال چراگی کا محصول اور ایک حصہ زمین کا ۳ روپیہ سالانہ
 محصول لیتا تھا۔ بیل غاشہ سے لے کر سینی خورم تک ہر گھر سے دو
 روپے لوگ لیتا تھا۔ یہاں ان سے ۵ روپیہ فی ماہ لیتا تھا۔ اس وقت
 علاقہ خشک ہیں صرف ۱۵ اور مالکین کی کانوں سے نمک نکالاجانا
 تھا۔ جبہ کی کان کا اکو خشکوں سے بیل کے نو باروں اور دوسری
 قوموں سے سات باروں کا ایک روپیہ محصول لیتا تھا۔ مالکین کی کان
 کا دس بیلوں یا تین اونٹوں کے بار پر ایک روپیہ محصول لیتا تھا۔
 یوسفزیوں سے جنگوں کے لئے اکو پر علاقہ کے خشک اپنی کمک
 کے لئے بلاتا تھا اور ہر قبیلے کے لوگ قوی تنگ کی وجہ سے اسے
 مدد کے لئے آدی بھجوتے تھے۔ بدین سبب وہ سب خشکوں کا ایک
 قسم کا خان سا بن گیا تھا۔ اس کے بیٹے بھی خان کے وقت بھی یہی
 حالت رہی + اس کے بیٹے شہباز خان کے وقت اتنا اور ہوا کہ مخلوق
 نے ایک مرتبہ اس سے جائزے لی تھی لیکن پھر لوٹا دی تھی + اس
 کے بیٹے خوشحال خان I کے وقت دو باتیں ہوئیں : ۱) شاہجہاں نے
 اس سے پہلی مرتبہ ہندوستان، بلخ اور بدخشان وغیرہ میں فوجی خدمات
 لیں اور ۲) جب وہ اورنگزیب کا اعلانہ مخالف بنا تو نہ تو بادشاہ
 اسے گرفتار کر سکتا تھا، نہ اسے شکست دے سکتا تھا۔ نہ اس کا
 اثر زائل کر سکتا تھا اور نہ ہی اس کی جاگیر ضبط کر سکتا تھا + اس
 کے پوتے محمد افضل خان I کے وقت اس نے بنوں وغیرہ میں پرا درشاہ
 ولد اورنگزیب کی فوجی خدمات کی تھیں + اس کے بیٹے سعد اللہ خان صرف
 شہید خان اور اس کے بعد کا زمانہ طوائف الملوکی کا تھا۔ پہلے نادر شاہ
 تھا (اس کے بعد احمد شاہ تھا اور اس کے بعد سکھ + سکھوں کے وقت
 اکوڑہ میں اکوڑیلوں کی شرقی شاخ کی خانی ختم ہو گئی۔ لیکن ٹیری
 میں اللہ کی مغزی شاخ کی خانی برائے نام آج تک باقی ہے +

ملک اکو، اس کے بیٹے بچی خان اور پوتے شہباز خان I کی پیدائش حکومت اور وفات کی تاریخیں ہم یوں متعین کرتے ہیں :-
 شہباز خان سنہ ۱۵۹۱/۹۲ء میں پیدا ہوا تھا۔ اور اپنے باپ کی وفات کے بعد ۱۹ سال کی عمر میں سنہ ۱۵۹۹ء میں اکوٹے کا حاکم بنا۔ یعنی کہ بچی خان ۱۰۱۹ء میں مرا تھا۔ سنہ ۱۵۹۹ء کے واقعات میں چونکہ تاریخ مرصع میں خان کی زبانی لکھا ہے کہ ”میرا باپ دادا اور پردادا بھی پچاس سال کی عمر میں مرے تھے“ اس لئے بچی خان کی پیدائش سنہ ۱۵۵۰ء = ۱۵۹۹ء/۱۵۶۱ء میں ہوئی + اور جب ۱۵۹۹ء میں اکبر اکو کو جاگیر دے رہا تھا تو اس وقت بچی کی عمر (۹۸۹ء - ۱۵۹۹ء) = ۲۰ سال کی تھی۔

اب جبکہ ۱۵۹۹ء میں بچی کی عمر ۲۰ سال کی تھی تو اس کے باپ اکو کی عمر بھی ۳۷ (۱۶+۱+۲۰ = ۳۷) سالوں سے کم نہ ہوگی۔ اس لئے اکو ۱۵۹۹ء - ۳۷ = ۱۵۶۲ء کے حدود میں پیدا اور سنہ ۱۵۶۲ء + ۵۰ = ۱۶۱۲ء کے حدود میں مرا ہوگا + اور یوں اس نے (۱۰۰۲ - ۹۸۹ =) ۱۳ سال سرداری کی ہوگی + حیات افغانی ص ۳۲۲ کا یہ بیان غلط ہے کہ اکو نے اکبر کی نوکری اختیار کرنے کے بعد ۱۴ سال حکومت کی یعنی وہ ۱۵۹۹ء + ۱۴ = سنہ ۱۶۱۳ء میں مرا۔ اب بچی خان کی سرداری کی مدت اکو کی موت سے شہباز خان I کی تخت نشینی تک (۱۰۱۹ - ۱۶۱۲ =) ۱۷ سال ہوئی۔

اکو اپنے بیٹے یوسف وغیرہ کے ساتھ نازو خان بولاق خشک کے ماتھوں بمقام موضع پیر سباک مارا گیا تھا + بچی خان مجہ اپنے فرزند عالم خان خشکوں کے بعض قبیلوں کے ماتھوں مارا گیا تھا۔
 سنہ ۱۶۱۲ء میں شاہجان نے یوسفزئیوں کا علاقہ ۱۲ ہزار روپے سالانہ ٹھیکے پر شہباز خان کو دیا تھا + شہباز خان سنہ ۱۶۲۱ء میں یوسفزئی قبیلوں کا تعاقب کرتے ہوئے مندر کمال زئی کے علاقے میں

دشمن کے ہاتھوں سر پر تھرکا گذار گئے کی وجہ سے مرا تھا +

شہباز خان کے بعد اس کا شہرہ آفاق بیٹا خوشحال خان I (پیدائش ۱۰۲۲ھ / ۱۶۱۳ء وفات ۱۱۱۵ھ / ۱۶۸۹ء) ۱۰۵۰ھ / ۱۶۴۰ء میں حکمران ہوا اور ۱۰۸۵ھ / ۱۶۷۴ء میں حکومت اپنے بیٹے پھری کو سونپ دی

۱۱۶۷ھ میں اورنگزیب کی طرف سے سید امیر خوافی کابل کا صوبدار اور مرزا عبدالرحیم شیعہ پشاور میں اس کا نائب مقرر تھے۔ عبدالرحیم بہا کو خان کے ذریعے یوسفزیوں کا دوست تھا + بہا کو خان کو خوش اور خان کو نقصان پہنچانے کی غرض سے عبدالرحیم نے بادشاہ سے ایک کی میزبانی کا حصول معاف کروایا۔ خان نقصان پا کر بھی کچھ نہ بولا + پھر عبدالرحیم کی انکسرت پر سید امیر نے بادشاہ سے کہا کہ جب تک چند زمیندار گرفتار نہ کر لئے جائیں تمہارا حکم نہ چلیگا۔ اس نے کہا کہ اختیار تمہارا ہے جو کچھ کرتے ہو۔ اس مہم اجازت کے تلے سید امیر نے ۱۲ یا ۱۹ جمادی الثانی ۱۱۶۷ھ / ۱۶۶۸ء کو خان کو پشاور بلوایا۔ وہ تیزی سے پہنچا جہاں یہ ۵۲ سال کا بڑھا پفسری پیرلوں میں دہلی روانہ کیا گیا +

تاریخ مرصع میں خان کی گرفتاری وسط جمادی الثانی ۱۱۶۷ھ میں لکھی گئی ہے۔ ہم گرفتاری کی تاریخ ۱۲ یا ۱۹ جمادی الثانی یوں متعین کرتے ہیں +

خان "دستار نامہ" میں جو ۱۰۷۶ھ کو دستخط ہوئے قید کے دنوں میں لکھی گئی تھی لکھا ہے (ص ۱۰۲): اس دن جب یہ واقعہ پیش آ رہا تھا رجال الغیب روبرو مغرب میں، دن چمکے گا، کہ اس طرف کو ممانعت تھی، میں پشاور کو ان کے سامنے چل پڑا + اور کلیات ص ۱۱۹ میں کہتا ہے:-

درخ وہ دجھے رجال الغیب دو برابر تلہ مخرب رویہ دوا پدا مانہ کپڑا نظر

رجال الغیب جنس متصرفین اہل تکوین اور لشتویں غائبان اور سنسکرت میں جوگئی کہتے ہیں کہ سیر کے صاحب سے یہ لوگ جمادی الثانی کی ۱۲، ۱۳، ۱۹ اور ۲۷ تاریخ کو مغرب میں ہونگے۔ لیکن ۱۴ اور ۲۷ تاریخیں تو وسط ماہ میں نہ ہونے کی وجہ سے خارج از بحث ہیں۔ نیز ۱۴ تاریخ کو جہرات اور ۲۷ کو سینچر کا دن تھا۔ اب رہ گئیں ۱۲ اور ۱۹ تاریخیں۔ چونکہ یہ دونوں جمعے کے دن آتی ہیں اس لئے ہم یقین سے کہہ سکتے ہیں کہ خان ۱۲ یا ۱۹ کو گرفتار ہوا تھا۔ رجال الغیب کی رونا نہ سمجھ معلوم کرنے کا بھی شعر تو یہ ہے: کنبخ بائش کنبخ بئش - کنبخ بائش کنبخ امش + لیکن دستار نامہ ص ۹۸ اور فضلنامہ ص ۲۳۶ دونوں میں یہ شعر ایسا غلط لکھا ہوا ہے: کنبخ بائش کنبخ بئش - کنبخ بائش کنبخ امش + اس لئے اہم شعر کا مندرجہ بالا دو کتابوں میں اس طرح غلط چھپنے سے یہ نتیجہ نکلتے ہیں کہ ان دونوں کتابوں کا اصل مسودہ نہ تو خان کے ہاتھ کا لکھا ہوا تھا نہ اس کی نظروں سے گزرا تھا۔ اور ان کتابوں میں اس قسم کی اور بھی بہت سی غلطیوں کا امکان ہے۔ یہ تو شاید کوئی نہ کہیں کہ خان جیسے جید عالم کو صحیح شعر معلوم نہ تھا + اگر معلوم نہ ہوتا تو وہ حملے کے دن (جس مغرب میں کیونکر لکھتا؟) ۵ ذوالحجہ ۱۰۷۹ھ / ۹ مئی ۱۶۶۶ء کو قید سے رہائی پانے کے بعد خان کو دہلی میں نظر بند رکھا گیا اور وطن جانے کے لئے یہ شرط لگائی گئی کہ اپنی بیویاں اور لڑکے اور لڑکیاں بیرغمال بٹھا دے تو وطن جاسکتا ہے۔ خان نے یہ شرط نہ مانی۔

سید امیر خوافی سات سال (۱۶۶۱ - ۱۶۶۸) تک کابل کا صوبیدار رہا۔ اس کی بہت ناز پروری کی وجہ سے یوسف زئی حد سے گزر گئے اور انہوں نے بہا کو کی زیر سرکردگی مغلوں سے کئی لڑائیاں لڑیں لیکن ہر بار شکست کھاتے رہے۔ آخر جب پٹنادر کے پہاڑی علاقے

میں عام سرکشی شروع ہو گئی تو اورنگ زیب نے امن بحال کرنے کی امید پر خان کو کابل کے لئے صوبہ دار مرزا پراسپ عرف مہابت خان کے ساتھ ۱۰۷۹ھ / ۱۶۶۸ء میں اپنے وطن کو رخصت کر دیا۔
 ۱۰۸۱ھ / ۱۶۷۰ء میں جب مہابت خان کی جگہ امین خان کابل کا صوبہ دار مقرر ہوا اور ۱۰۸۳ھ / ۱۶۷۲ء میں جب اس کی جگہ پھر مہابت خان وند علی مردان خان مقرر ہوا تو وہ پھر خان سے مخلوں کی اطاعت کی امید رکھتا تھا۔ لیکن خان کے اٹار کرنے پر اس نے خان کے بیٹے بہرام خان کو لالچس دے کر باپ کے برخلاف اکسایا اور خان کو دشمنی کرنے پر مجبور کیا۔ اس وجہ سے ۱۰۸۳ھ کے بعد خان مخلوں کی اعلانیہ مخالفت کرنے لگ گیا۔

سینہ ۲۰ ۱۰۸۳ھ / ۱۶۷۲ء کو قندھار میں نے پشتونوں کے ہاتھوں ایسی شرمناک شکست اٹھائی تھی کہ باقی سب ساز و سامان جنگ کے علاوہ اپنی بیوی، بیٹی اور ماں بھی میدان جنگ میں چھوڑ کر بھاگا تھا۔ پھر کٹریہ میں مخلوں کو شکست ہوئی جو قندھار میں کی شکست کا بدلہ لینے آئے تھے۔

ان شکستوں کا بدلہ لینے کے لئے اورنگ زیب ایک زبردست فوج لاکر خود تو فوج کے قاعدے کے ساتھ حسن ابدال میں بیٹھ گیا اور محل فوجوں اور مہروں کو پشتونوں میں منتشر کر دیا، بادشاہ ربیع الثانی ۱۰۸۵ھ / ۱۶۷۴ء تک دو سال حسن ابدال میں ٹھہرا رہے اور کچھ نمایاں کامیابی حاصل نہ کر سکنے کے بعد واپس ہندوستان لوٹا۔
 خشکوں کے بارے میں اورنگ زیب کی سیاست محض ناکامیاب اور نامناسب تھی۔ اسے بہاؤ خان کے دوستوں بتی اپنے راشنی نوکروں خوافی اور شیعہ کے کہنے پر بلا وجہ اور بلا تحقیق خان کو گرفتار نہیں کرنا چاہئے تھا۔ اور نہ ایک ایسے وقت میں جب جرنیل جلال خان الملقب بہ دلیر خان جو روہیلہ اور اہل میں داؤد زئی

اور بہادر خان یوہیلے کا چھوٹا بھائی اور دریا خان یوہیلے کا بیٹا تھا اور جس کے خان کے ساتھ اچھے تعلقات تھے اورنگزیب کے لئے ہندوستان میں تلوار کے جوہر دکھانا تھا اورنگزیب کو محمد امین کے ذریعے خان کو مخلو کی اطاعت پر مجبور کرنے اور یوں خان کو اپنا اعلیٰ دشمن بنانا مناسب تھا۔ نہ ایک ایسے وقت میں جب کہ ہندوستان میں چاروں طرف اورنگزیب کے (انگریز، مرہٹہ، سلاطین دکن، راجپوت، جاٹ، ست نامی اور سکھ دشمن سرگرم عمل تھے اور اورنگزیب کا انحصار صرف پشتون پر ہو سکتا تھا اسے ہندوستان کے سب دشمنوں کو اپنی بن مانی کرنے کے لئے اور اپنی طاقتیں جمع اور منظم کرنے کے لئے چھوڑ کر اور صرف دریائے سندھ کے اس پار ہندوستان کی بھاری شاہی فوج ہند سے نکال کر صرف ایک خوشحال خان کو (جو اورنگزیب کا علی دشمن بھی نہ تھا) شاہی سرک کو بھی بغیر محفوظ نہ بنانا تھا) مطیع کرنے کے لئے دو سال تک دارالافتاء سے بہت دور حسن ایدال میں دو سال کے لئے ٹھہرنا مناسب تھا۔ ایسے ہی ایک موقع پر ہند کے ایک پشتون بادشاہ نے اس طرف آکر یہاں کی بغاوت فرو کرنے کے مشورے کے جواب میں کہا تھا کہ مجھے پہلے انڈونی دشمن سے پنٹنا چاہئے۔ اگر ہند ہے تو کابل کہیں گیا نہیں اور اگر ہند گیا تو کابل کچھ محض نہیں رکھتا۔ اسے وقت اورنگزیب کو بھی پہلے ہند کی اور پھر انکس کے اس پار کی فکر کرنی چاہئے تھی۔ لیکن اس کی نا عاقبت اندیشی نہ حرکت سے ہند کی حکومت اس کے مرنے کے ۱۵ سال بعد ہی اس کے خاندان سے جاتی رہی۔

یہ بعض لوگ جو کہتے ہیں کہ خان کو اورنگزیب کی اسلامی حکومت کی مخالفت نہ کرنی چاہئے تھی یہ دورِ حاضرہ کے "اسلام خطرے میں ہے" کے غیر اسلامی نعرے سے متاثر ہیں اور اسلام سے بعض

نا بلد میں + اسلام میں تو صرف ایک حاکم ہے۔ اللہ تعالیٰ: الْحُكْمُ لِلَّهِ۔ اور کسی حاکم کا کیا مطلب؟ اور اگر اونٹنک زیب کی حکومت اسلامی تھی تو خان کی سہی تو اس سے بھی زیادہ اسلامی تھی یعنی پشتونوں کو مغلوں کی غلامی سے نجات دلانا۔ اور حق کے لئے لڑنا۔ اور یہ کون کیاہے کہ یا تو خان اسلام کا اورنگزیب سے کم شہنشاہی تھا۔ یا اگر وہ اپنے مقصد میں کامیاب ہو جاتا تو یہاں اکبر جہانگیر یا شاہجہاں کی طرح حکومت بناتا۔ بلکہ یہ کہ اس کی مخالفت خاص مدافعت نہ تھی۔

یہاں "اولی الامر منکم" کا مسئلہ بھی آڑے نہیں آتا کیونکہ یہ تو اورنگ زیب اس وقت ہندوستان بھر میں سب سے زیادہ مہم تھا نہ اجماع نے اسے خلیفہ منتخب کیا تھا نہ اس نے پشتونوں کو اعلیٰ کلمتہ الحق کے لئے مغلوب کیا تھا بلکہ وہ تو ایک موروثی حکمران تھا جو بادشاہ بننے کے بعد کافی نیک مسلمان ثابت ہوا۔ اور دشمنوں کی حیثیت تو بالکل ہی جدا گانہ تھی وہ تو کبھی مفتوح ہوئے ہی نہ تھے محض ایک اقتصادی سودا بازی کی رو سے شاہی سرک کی حفاظت کے بدلے اکبر نے انہیں جائیداد دی تھی۔ اگر اورنگزیب کا دل نہ چاہتا تھا تو اپنی رعایت واپس لے لیتا۔ فردین کے ذریعے خان سے اپنی اطاعت منولنے کا کیا مطلب؟ یہ بھی نہ بھولنا چاہئے کہ اس زمانے میں وفاداری ذاتی تھی۔ خان بادشاہ کا وفادار تھا۔ اور جب بادشاہ نے اس کے ساتھ ظلم کیا تو گویا ساری مغلیہ سلطنت نے اس کے ساتھ ظلم کیا۔ اور ظالم کی اطاعت کو جسے مذہب میں روا ہے؟ کو لٹا منصف المزاج کہہ سکتا ہے کہ خان کا پشتونوں کو مغلیہ سلطنت اور اس کے مافیہ نوکروں سے نجات دلانا اسلامی حکومت کو نقصان پہنچانے کے مترادف تھا۔ اسلامی حکومت میں بھی ایسے مظالم ہوتے ہیں وہ بھی خلیفہ کے علم سے؟

اگر مغل صدیوں تک پشتونوں کے پیچھے لٹھ لے کر نہ پھرتے اور اویزنگریب افریدیوں، مہندوں اور جنگلوں کو اس قدر کمزور نہ بناتا تو خان شاید یہاں اسلامی حکومت قائم کرنے میں کامیاب ہو جاتا اور پشتونوں کو سکھوں اور انگریزوں کی غلامی کے دن نہ دیکھنے پڑتے۔ لیکن اُس وقت بھی خان کی سامی کا یہ نتیجہ نکلا کہ پشتون مغلوں کی غلامی سے تو محفوظ رہے۔

سنہ ۱۶۷۴ء سے کچھ عرصہ پہلے خان نے اپنی بیگم اپنے بیٹے بھری کے سر رکھی اور خود مغلوں کا اعلانہ صریف بن گیا کیونکہ مغلوں کے عمل سے اُس پر ثابت ہو گیا تھا کہ مغل تیمور کے وقتوں سے پشتونوں کو مٹانے پر تیلے ہوئے ہیں اور انہیں آپس میں لڑا لڑا کر کمزور کر رہے ہیں

خان نے تھتہ (خبر)، دوآب، نوشہرہ، کوٹ، گنداب (سنہ ۱۶۷۳ء) خاپس (۱۶۷۴ء) کٹرہ اور مہندوں کے پھاٹوں میں مغلی فوج کو شکستیں دی تھیں۔ بعض جنگوں میں ایل خان (فریدی اور دیر) خان مہندوں بھی خان کا ساتھ دیا تھا۔

ہر دشمنی کی طرح پہلے تو خان کی مغلوں سے دشمنی بھی ذاتی محسوس کی وجہ سے تھی لیکن بعد میں قوی رنگ اختیار کر گئی جیسا خان سے پہلے خابجہان لودی نے شاہجہاں سے اپنی بغاوت کو قوی تحریک میں بدل کر مغلوں سے ہندوستان چھیننے کے لئے استعمال کی [ملاحظہ ہو مائٹل لاء جلد I ص ۲۳۰-۲۳۱]۔ لیکن لودی اور خان کی جنگوں میں یہ فرق تھا کہ (۱) اُس کا میدان عمل ہندوستان اور خان کا سندھ کے اس پار۔ (۲) اس کی تحریک کا اثر ہند سے اٹک کے اس پار پشتونخواہ کو بھی پہنچا۔ خان کی تحریک پشتونخواہ سے ہند نہ پہنچ سکی۔ اور (۳) لودی کی جنگ جارحانہ اور خان کی جنگ اپنے حق و قیام کی وجہ سے مدافعتی تھی۔

خٹکوں، افریدیوں اور مہندوں کی یہ کوشش تھی کہ اپنے وطن کو
مخلوں سے آزاد کریں۔ کیونکہ محل ان کے ساتھ ہمیشہ سے بدسلوکی
سے پیش آتے تھے۔ سابقہ بادشاہ تو پشتونوں سے زیادہ تعرض نہ
کرتے تھے لیکن اورنگ زیب نے ان کا وطن تپیانے اور انہیں محکوم
بنانے کے منصوبے پر عمل شروع کیا تو پشتون بھی اپنی آزادی کی
حفاظت کرنے کے لئے لڑنے پر مجبور ہو گئے۔
اورنگزیب کی اسلامی حکومت میں پشتون کے ساتھ جو غیر منصفانہ
رویہ برتا جاتا تھا اسکی بابت نکولس منوسکی (جلد ۲ ص ۲۵۷ اور
ص ۲۶۶) لکھتا ہے: ”اورنگزیب ویسے بھی پشتونوں پر اعتبار
نہ کرتا تھا۔ اس کی بادشاہی میں ایک سو قلعے تھے لیکن ایک کا
حاکم بھی پشتون نہ تھا۔ اس نے سب مخلوں، راجپوتوں اور سیدوں
کو دے رکھے تھے۔“

خٹک، افریدی اور مہند سات آٹھ سال تک مخلوں سے لڑتے
رہے تاکہ اپنا وطن ان سے آزاد کریں۔ پشتون اپنے ان جنگوں کو
جہاد اور مخلوں کے غیر اسلامی کاموں کو مغلوں کی کہتے تھے۔ ان تین
قبیلوں کے علاوہ باقی پشتون اپنی بے اتفاقی اور یوسفزئی خٹکوں
سے اپنی دشمنی اور مخلوں سے راضینہ کی وجہ سے ان جہادوں
میں حصہ نہ لیتے تھے۔ اور اورنگزیب پشتونوں پر عدم اعتماد کیوجہ سے انہیں پند نہ
تاریخ مرصع میں لکھا ہے کہ اورنگزیب کی حکومت کے آخری دس سالوں
میں اس کا کوہاٹ اور بنوں پر کوئی اثر نہ تھا اور کئی کئی سال تک
کابل کا کوئی صوبیدار نہ ہوتا تھا + اس سے پہلے بھی وہ خان کے
ساتھ جتنی لڑائیاں لڑ چکا تھا ان سب میں شکست کھائی تھی +
خان اور مخلوں کی سب لڑائیاں میدانی علاقے میں ہوئی تھیں
یا وجود رس کے محل مارتے رہے۔ خان ایک سمجھدار سیاستدان
تھا۔ ہر کام میں اہل خان اور دریا خان اس سے مشورہ

کہتے تھے۔ خان ایک زبردست منظم تھا اور مغلوں کے برخلاف
پشتونوں کی تنظیم کے لئے یورے پشتونخواہ میں پھرا تھا۔
خان کا اصلی نام خوشحال بیگ خان تھا۔ کئی معتبر کہانوں اور
اس کی کئی کتابوں پر اس کا یہی نام لکھا ہوا ہے۔ عبدالقادر خان
گلدستہ میں لکھا ہے: ”کہ عقل، ہوش، کشتی، کہ دیگ وہ
یہ پشتانہ کہے خوشحال بیگ وہ۔“

خان کے بڑے بھائی کا نام جیل بیگ ہے جس پر وہ آج بھی موسم ہے۔
خان نے اورنگزیب کے بادشاہت کے پہلے چھ سال میں اگر
اورنگزیب کی کچھ تحریف کی بھی ہو تو اس سے لگاڑ پیدا ہونے کے
بعد وہ سب کچھ بھی اپنی کلیات سے نکال دیا اور اپنے نام سے
بھی بیگ کا لفظ ہٹا دیا۔ اب کتابت میں صرف اورنگزیب کے بیان
شدہ محبوب باقی ہیں۔ خان نے تنگ تخت نشینی میں اورنگزیب کا ساتھ دیا تھا۔

خوشحال خان ۱۷۷۱ء سے ۱۷۷۲ء (جس سال خان اہل خان
نے مغلوں کا نوشہرہ کا قلعہ فتح کیا تھا) لے کر اپنی زندگی کے آخری
دو سال تک مغلوں سے لڑتا رہا۔ اپنی عمر کے آخری دو سالوں میں
جبکہ اس کی عمر بھی ۷۶ سال کی ہو چکی تھی، اہل خان اور دریا خان
بھی مر چکے تھے، اس کا بڑا لڑکا بھری بھی مغلوں کی قید میں تھا۔
اس کا دوسرا بیٹا بہرام خان مغلوں کا طرفدار اور باب کا اعلیٰ
بدخواہ تھا۔ کلہوڑی کی سرداری بھی خان کے ہونے پر اور افضل خان I

کے ماتھے میں تھی جو ۱۷۷۵ء یا ۱۷۷۶ء میں پیدا ہوا تھا اور اس
وقت (۱۰۹۸ میں) ۲۲ یا ۲۳ سال کا ایک نو عمر اور کم تجربہ کار جوان
تھا اور بہرام اور محل خان کی گرفتاری کے فکر میں تھے اور شاہی
فوج سے کئی برس لڑنے کی وجہ سے خان کے حدود ذرائع بھی
تقریباً ختم ہو چکے تھے وہ افریدیوں کے پہاڑوں کے طرف گیا اور
وفات پائی۔

خان کا بیٹا اشرف خان ایک آزمودہ کار اور جیالا لڑکا اور بلند پایہ شاعر اور صاحب کلیات ہے۔ پشتونوں میں پہلا شخص ہے جس نے اپنے اشعار میں اپنے نام کی بجائے تخلص کا استعمال کیا۔ وہ پانچ تخلص رکھتا تھا۔ سب سے مشہور تخلص ہجری ہے۔ بے نقط اشعار میں اکرم تخلص کرتا تھا۔ اس کے کلیات میں بہت سی اندرونی شہادت اور اس زمانے کے رسم و رواج اور زیورات وغیرہ پر کافی مواد پایا جاتا ہے۔ اس کا اکثر کلام حبیبہ اور ہندی شاعری سے متاثر ہے۔

ہجری کی کلیات کے ایک نسخے کے حاشیے پر کسی نے یہ لطافتی شعر لکھ دیا ہے: زہ یہ بند اوونگ نہ ہم چہ بہ خلاص ہم
ہندی کثرہ رحکار زہری کا کا ہم

کا کا صاحب ہجری کے ۱۶۳۳ء میں قید ہونے سے ۲۰ سال پہلے ۱۶۳۳ء میں وفات پا چکے تھے۔

شیرخان بنگش کے وقت کوٹاٹ میں ترین خان کی سرداری میں جو مغلیہ فوج تھی اسے بنگشوں نے روندنا تھا۔ کابل کے صوبدار امیرخان نے ہجری کو لکھا کہ ترین خان کی کمک کرو اور بنگشوں کو تباہ اور برباد کرو۔ ہجری نے اور سب کچھ تو کیا لیکن جب بنگشوں کو شکست ملی تو نہ تو ان کا تعقب کیا اور نہ ہی انہیں لقصان پہنچایا۔ امیرخان نے اور بنگزب کو ہجری کی شکایت لکھ بھیجی کہ پشتونوں کا پالنے کیلئے اور بنگشوں کے ساتھ رعایت کی ہے اور بنگزب تو پہلے ہی سے دار کے بیٹے تیار تھا یہ بہانہ بنا تھا لگا تو ہجری کو ۱۰۹۳ھ / ۱۶۸۲ء میں قید کر ڈالا جہاں یہ شمع حریف لٹنے میں گل ہو گئی۔

پشتون کی وفاداریوں کے صلے میں انہیں اس سے پہلے بھی سزائیں مل چکی ہیں + اور مریہ کے والد کے وقت کا ایک واقعہ

سنہ ۱۶۴۷ء میں نذر محمد خان حکمران ملخ نے شاہجہان سے آخری بار بغاوت کر کے شاہجہانی فوج سے شکست کھائی تھی جس کی بنیاد پر شوال سنہ ۱۶۵۷ء تک شاہزادہ مراد اور اس کے لور شاہزادہ اورنگ زیب نے کی تھی۔ اس جنگ میں (اور اورنگیوں کی جنگ میں) بہادر خان روپے لے جو شاہجہان کی فوج میں پنج ہزاری ذات اور پنج ہزار دو اسپہ سے اسپہ منصبدار تھا اور اس ہم میں سلماؤں کی ہراول فوج کا سردار تھا بہت جرأت دکھائی تھی۔

لیکن بدخواہوں نے شاہجہان کے کانوں تک یہ بات پہنچائی کہ بہادر خان نے نذر محمد خان کا تعاقب نہ کیا اور بہادر خان کی سستی کی وجہ سے سجد خان نے اورنگیوں کی جنگ میں ہزیمت اٹھائی۔ کینہ پرور شاہجہان نے بہادر خان کی وفاداری اور جاساری کو پس پشت ڈالتے ہوئے کاپی اور غنوج میں بہادر خان کی ۳۰ لاکھ روپے کی جاگیر ضبط کر ڈالی۔ بہادر خان سنہ ۱۶۴۹ء میں قندھار میں مرا جہاں وہ اورنگزیب کے ساتھ ہم پر گیا تھا۔ [ملاحظہ ہوں بادشاہ نامہ جلد ۱ ص ۳۸۰-۱، ۵۵۳-۴، ۶۶۶، ۶۹۱-۲، اور مآثر الامراء جلد ۱ ص ۲۲۰-۱، ۲۲۳ وغیرہ]

محمد افضل خان I اورنگزیب کے بیٹے شاہ عالم کا (جو بعد میں بہادر شاہ کے لقب سے ہندوستان کا بادشاہ بنا) شکاری دوست اور مددگار تھا جسے مغلوں نے سنہ ۱۶۹۸ء میں گرفتار اور خان کی موت کے بعد رہا کیا تھا۔ بہرام خان اسے آرام سے نہ چھوڑتا تھا لیکن جب بہرام ۱۶۹۸ء میں مر گیا تو اس نے سنہ ۱۷۰۱ء تک آرام سے حکومت کی۔ ^{بہرام خان کا حکم بہادر خان نے اپنے شاہزادے} بہرام خان کا صاحب کے پوتوں نے حصول مملکت کے لئے محمد افضل خان سے کئی لڑائیاں لڑی تھیں لیکن ہر بار شکست کھاتے رہے۔ محمد افضل کا کارنامہ تاریخ مرصع ہے۔ یہ پشتونوں کی پہلی مروج تاریخ ہے جو ایک پشتون نے پشتو زبان میں پشتو نثر میں لکھی۔ خاک کے پیاہن پر مبنی ہے۔

محمد افضل خان کا پشما محمد علی خان اکوڑہ میں رہتا تھا اور اپنے والد کے بڑھاپے کے دنوں میں حکومت کیا کرتا تھا + راضی کا ایک اور پشما سعد اللہ خان عرف شہید خان (پیدائش ۱۱۹۹ھ / ۱۷۸۶ء) باب کی زندگی میں باب سے ناراض ہو کر اپنے باب کے دشمن غیاث الدین عرف حاجی بابا (ولید قیاس الدین ولد آزاد گل ولد کا کا صاحب) کے ساتھ ٹبری میں رہتا تھا + [اس دن سے لے کر آج دن تک ایک حاجی خیل یہاں خان کے ساتھ ٹبری میں رہتا ہے + ٹبری کی اہمیت اور اکوڑ خیلوں کی فخری شناخت کا دارالخلافت بنا اسی وقت سے شروع ہوتا ہے + اس کے بعد کے حالات حقیقتاً تاریخ اکوڑ خیلان سے تعلق رکھتے ہیں اور ہماری کتاب کے جملہ موضوع سے باہر ہیں اس لئے ہر جہد کہ وہ بہت بسط اور دلچسپ ہیں لیکن سر دست چھوڑ دئے گئے ہیں +

بارک

تف پیرہ دیمہ واٹھ بارکو۔ لادما پیرہ ہم کہ نہ بارکیم (خان)
خٹکوں میں بارک نام کے دو قبیلے ہیں (۱) چنچو وغیرہ کا بھائی
بارک۔ اور (۲) بیر کا بھائی بارک +
ذیل میں ہم بیر کے بھائی بارک کے حالات لکھتے ہیں :-

۱۹۷۰ء یلین
۳۹ء ۶۰ء دس پشت گم ہیں
علا بارک

گل (گاری)

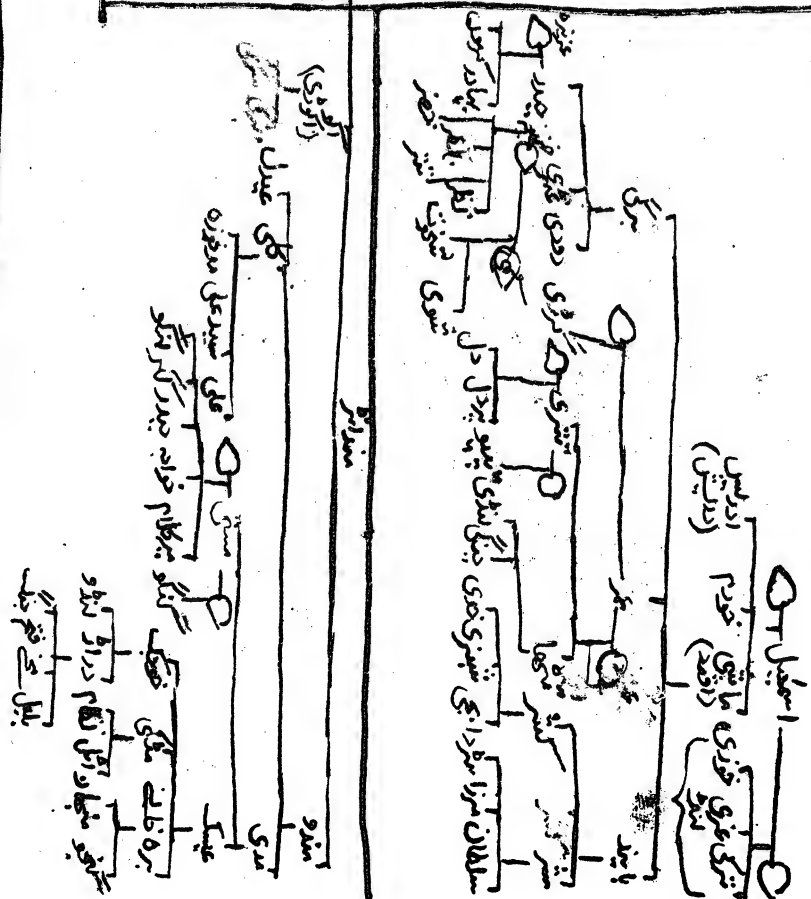
مندوٹر

مندوٹر (کو) دینی
(کو) دینی

مدی کھی عبدل

عیسک مٹی

امین (مشرقی)
محمد خان سرگت میان خان گڑی پشی باغی

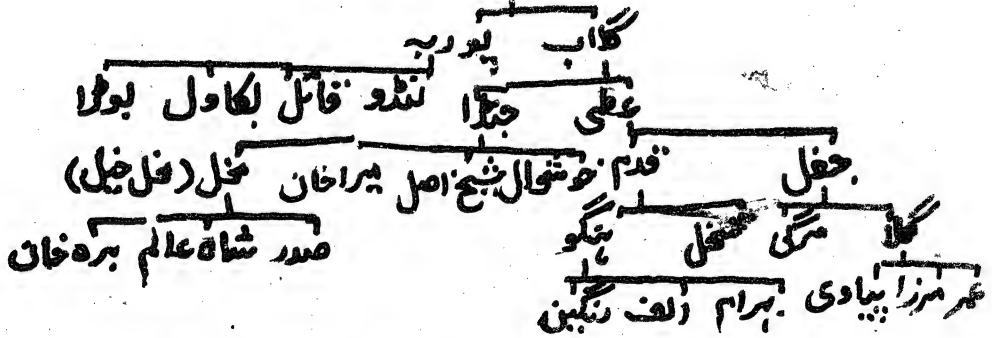


ابتداء میں بارک برہہ توتراہ میں لہریوں کے مشرق میں رہتے تھے
الفسٹن (جلد ۲ ص ۱۹) لکھتا ہے کہ اس کے وقت میں بارک دونوں
خاتوں یعنی اکوٹہ کے خان اور پیری کے خان سے آزاد تھے اور
خود مختاری کی حالت میں رہتے تھے +

محمد افضل خان تاریخ مرصع میں لکھتا ہے کہ اس وقت بارک
کی خانی ماشی خیل (یعنی اوڑد میں جو کہ گلزی ہیں) اور عیسک میں
(جو کہ ان کے ترپور اور منڈاٹر ہیں) بٹی ہوئی تھی + آج مفلوک
الحال ہونے کے علاوہ ان دونوں شاخوں میں خانی کی کوئی خوش
یا بُو نہیں پائی جاتی +

گڈی خیل

گڈی



یہ شاخ اپنے مورث کے نام پر گڈی خیل مشہور ہے - یہ پہلے برہہ
توتراہ میں دم کلی میں رہتے تھے - جب ان کی اعداد برہہ گڈی اور ان کی
ملکیت ان کے گزارے کے لئے کافی نہ رہی تو وہ آہستہ آہستہ
دیال سے عیسیٰ خیل (پنجاب) کے گاؤں چا پری، کرنڈی، چشمٹی اور
مٹی خیل کو کوچ کرتے رہے - وہاں بنجر زمینیں آباد کیں اور کچھ عرصہ
رہے - پھر ان میں سے بعض خاندان پہاڑوں میں واقع میدان اور خوشہ
کو چلے آئے اور لاوڑت لیکن قابل کاشت زمینوں پر قبضہ نہ کیا +

اس وقت اس علاقے میں پہاڑ کے دامن میں عام طور پر قوم مروت کا ویران جنگل پرا ہوا تھا۔ لیکن سب قوم یہ چاہتی تھی کہ یکجا ہو جائے اور سب مل کر رہیں۔ پھر زمین کے ٹکڑے پر قبضہ کریں اور اسے آباد کر لیں۔

گڈخیل (جو کثیر التعداد تھے) اور دران خیل، کمال خیل، ترن، کوٹانہ، مینا خیل، مونا خیل، لشمہ خیل، کلی خیل اور قتا خیل جو بعض بارک کی اولاد اور بعض اور قوموں سے ہیں اور سب وصلی اور ہمسایہ کے طور پر گڈخیلوں کے ساتھ رہتے تھے سب نے اتفاق کیا اور اس پسے موجودہ علاقے کو آگئے۔ مروت کے غیر آباد علاقے پر زبردستی قبضہ کر کے دخل حاصل کر لیا۔

گڈخیلوں نے جب شہنہ غرہ کے دامن میں شہنہ الگڈہ کے کنارے گاؤں آباد کیا تو وہ الگڈہ اور مالکوں کے نام پر شہنہ گڈخیل کہلا یا۔ یہ ان کا سب سے شہور گاؤں ہے۔

پھر گڈخیل بہت زیادہ اراضی کا مالک ہے۔ زمین بھی اچھی ہے اس لئے بہت مالدار ہیں۔ موجودہ تہذیب سے بہت دور اور پہاڑوں کے پیم میں میدان وغیرہ میں رہنے کی وجہ سے یہ لوگ موجودہ تہذیب کی برائیوں سے بہت حد تک بچے ہوئے ہیں۔ ملکیت کی زیادتی، تعلیم کی کمی اور دوسرا کوئی روزگار نہ رکھنے کی وجہ سے ان میں قتل مقابلے کے واردات بہت ہوتی رہتی ہیں۔

ان کی جو زمینیں ٹھل میں ہیں وہ بارانی لیکن عمدہ چشیت کی ہیں۔ فادیلوں میں چشے بھی پائے جاتے ہیں۔ یہ لوگ آج کل لہریوں کے جنوب اور جنوب مشرق کی طرف رہتے ہیں۔

گڈخیلوں میں جو کہ منرٹی ہیں اب بہت سی چھوٹی چھوٹی شاخیں اور بھی بن چکی ہیں۔ اگرچہ گڈخیلوں اور منریوں کا مذاہب بھی مشترک ہے لیکن گڈخیلوں نے ایک منریوں سے علوہ چشت اختیار کر لی ہے۔

ماشنی خیل (اوژدہ)

تحصیل کرک کی کوٹی مثل حقیقت ایسی نہ ملی جس میں ماشنی یا مشی یا اوژدہ کا نام بطور مودت اعلیٰ لکھا ہوا ہو اور نیچے اس کی اولاد درج ہو + موضع کرک کے مثل حقیقت ^{۱۸۸۶} میں عمر اور بائندہ سے شجرے چلائے گئے ہیں جو یہ دونوں ماشنی گئے بیٹے ہیں - اور دفعہ اول میں اوژدہ کی بجائے اوید لکھا ہوا ہے - جیسے یا تو بیان دہندوں کی بتیسی جھڑگئی ہو یا نو لیسندہ پرے درجے کا احق ہو + دیگر مواضع کی مثل حقیقت میں بائند کا نام بائین، یا سڈہ وغیرہ لکھا ہوا ہے - میں نے ماشنی کے پیشوں کے نام ان گاؤں کے مثلہ جات حقیقت کے دفعہ اول حصول ملکیت وغیرہ کے مطالعے سے لکھے ہیں جہاں ماشنی خیل رہتے ہیں + لیکن ان میں ماشنی کا نام کہیں ماشنی اور کہیں مستی لکھا ہوا ہے + اس سبب بھلیاں کے پیش نظر ممکن ہے کہ میں نے برگی وغیرہ کے بارے میں کوٹی غلطی کی ہو +

ماشنی خیلوں کا علاقہ چوں کہ بہت لمبا ہے اس لئے انہیں اوژدہ (دبے) کہتے ہیں +

اوژدہ پہلے سوٹھوترہ میں انبا (زہیا) نای چٹے کے آس پاس آباد تھے - ان کے ساتھ لنڈ (ترکی، غوری اور خوزی کی اولاد) اور منتری بھی کبیر کلاہ میں آباد تھے -

مروت خیلوں کے علاقے میں تاخت کیا کرتے تھے - آخر سردار شہباز خان II نے اوژدوں، لنڈوں اور منتریوں کی مدد سے کوزہ ٹوٹترہ اوید ^{شمالی} تہل مروتوں سے لے لے - اس علاقے پر جو اس وقت غیر آباد تھا اوژد اور منتری نے قبضہ کر لیا اور مکاں رہنے لگے + اور اوژد مشہور خیل سے گڑوڑی تک (کرک، تپیو، وغیرہ میں اور لنڈ بلازین کے زقبے میں) جو اب موضع کمنہ میں ہے) آباد ہو گئے +

جب آٹھ لاکھ ہجرت کی وجہ سے اوژدوں کا اکٹھا گزراہ مشکل

ہو گیا تو ان میں سے بزرگی کے بیٹے حیدر خان کی اولاد اپنے بھائیوں سے بکھر کر پہلے بتو غنڈی میں بسے۔ کچھ عرصے کے بعد لوڑ میلہ اور متر غوثہ میں (جواب گٹروزی کے حد میں ہے) آباد ہو گئے۔ پھر اور آگے کو بڑھے اور لہمر کا رقبہ بھی لے لیا جو اس وقت ایک ویران جنگل اور قوم سروت کے قبضے میں تھا۔

حیدر خان کی تین بیویوں گئی، خزینہ اور عزیزہ سے اس کے اہل بیت ہوئے تھے جن کی اولاد ان کی ماؤں کے نام پر کئی خیل، خزین خیل اور عزیز خیل اور مجموعی طور پر حیدر خان خیل کہلاتے ہیں۔ پھر حیدر خان کے ایک بیٹے بہادر خان نے بہادر خیل کے رقبے پر قبضہ کر لیا جس کا حال پہلے لکھا جا چکا ہے۔

سردار شہباز خان کے ساتھ کیرکھ سے منزوں، اوڈوں اور نڈوں کے چلے جاتے اور مفتوحہ علاقوں میں بس رہنے کی وجہ سے کیرکھ غیر آباد ہو گیا تھا۔ اور ویران ہو گیا تھا۔ لیکن کچھ عرصے کے بعد کچھ مالکان واپس کیرکھ کی کوچے گئے اور اپنی جدی زمینوں پر قبضہ کر لیا لیکن باقی زمینیں بدستور غیر آباد رہیں۔ پھر آہستہ آہستہ شاخ کلی خیل اور منزی کے لوگ ادھر ادھر کے گاؤں سے آتے تھے اور غیر آباد زمین کو آباد کر کے آبادی بناتے تھے۔ پھر لوہاروں، پراچوں، کلاؤں، ندگروں اور سیدوں نے بھی جو شاخاتے منزی اور کلی خیل کے ہمسایہ تھے مالکوں کی اجازت سے بھر زمین آباد کر کے قبضہ بنا لیا۔

اب کیرکھ میں دو آبادیاں ہیں: ایک منزوں کی جھے ڈم کہلاتے ہیں اور دوسری کیرکھ نام سے کیرکھ کہلاتی ہے۔ یہ دونوں آبادیاں جدا جدا ہیں لیکن گاؤں کا مجموعی نام کیرکھ شہر ہے۔

لنڈ

گنگائی ترکائی سنگائی
 احمد چیرن فام جانتان
 خنای فنی خان پیو
 غری سیرکی سیری

ترکائی یا ترکی، خوزائی یا خوزی اور غری تینوں بہائیوں کی سلاہ
 اس لئے لنڈ کہلاتی ہے کہ ان کا علاقہ لنڈہ یعنی کوتاہ ہے +
 جب یہ بلا زمین میں رہتے تھے (دیکھو اوڑدوں کا حال) تو ان
 کی اوڑدوں سے دشمنی چھڑ گئی اور اوڑدوں نے انہیں مار مار کر
 بلا زمین سے آوارہ کر دیا +

ترکی خیل اور غری خیل نور محمد وغیرہ میں اور خوزی خیل نرئی خورہ
 کے کنارے چھروں میں رہنے لگے + یہ علاقہ (جسے کہ پہلے لکھا جا
 چکا ہے مروت کا اور غیر آباد جنگل تھا) سب لنڈوں نے مل کر
 نرئی خورہ کے کنارے ایک قلعہ بنایا۔ لیکن ان کے کسی کام نہ
 آیا کیونکہ اوڑدوں نے حملہ کر کے جلا دیا۔ اس قلعے میں اس زمانے
 کی جلی ہوئی گندم جو رسد کے لئے جمع کی گئی تھی ابھی تک موجود ہے +
 ۱۸۳۳ء سے کچھ عرصہ پہلے جب سکھوں کی حکومت کمزور پڑ گئی
 اور انہوں نے یہ علاقہ سلطان محمد خان بابر نرئی کو دے دیا جو
 خود تو پٹساوہ میں رہتا تھا لیکن اس کا بیٹا خواجہ محمد خان بابر نرئی
 کوٹاٹ میں رہتا تھا اور خواتین ٹیری میں طوائف الملوکی کے
 بن جانے سے یہ علاقہ حاکموں کے تشدد سے قدرے مائوں ہوا
 اور یہاں امن جیسا بن گیا تو خوزی خیلوں نے بمعہ دیگر وہلی انوم
 کے جو کہ ان کے ساتھ تھے نرئی خورہ کے آس پاس کے علاقے پر
 قبضہ کر لیا + انہوں نے پہلے تو یو غرا لکڑ کے کنارے ایک کمر ڈیلے
 پر ایک بڑی آبادی بنائی جو پہلے کمر کہلاتی تھی لیکن اسے اسی نام
 کی ایک دوسری جگہ سے ہیر کر کے لے بعد میں یہ ایرادٹی نام قوم

لنڈ کر کہلائے لگی۔ بعد میں یہ لوگ اس کمر سے اپنی زمینوں کی طرف بھی گئے اور وہاں بھی مکانات تعمیر کئے۔
لنڈوں کا صدر مقام لنڈ کر اور دوسری قابل ذکر جگہ چوکارہ ہے جہاں پر بہت گتے ہیں۔ اگر انہیں قلعی بنا کر ان سے سربہ اور شربت وغیرہ بنائے جائیں تو مالکان کی آمدنی بڑھ جائیگی۔ پرانے بڑے بڑے پیر تو سب کاٹ دیئے گئے ہیں ورنہ یہاں لاکھ لاکھ ایک چھوٹا کارخانہ بھی قائم کیا جاسکتا تھا۔

لیسن خیل

چینی

اک عینی لیس سبکی

آدم

غالب

سنت

پہادر خان جابر

(لنڈ کر)

جیات خان

(کستور محل کا صاحب)

غازی خان

(لاول)

سکوکو

عفان

لاٹن گل

شہنشاہ اسماعیل گل

عبد الحليم

(ضیاء الدین)

محمد الدین

شکود الدین

برمان الدین

مازگل

(زین العابدین)

قیاس الدین

عباس

دلدار

پہادر خان کوکا کا صاحب کا والد ہونے کی وجہ سے لوگ ایک صاحب اور اس کے تینوں بیٹوں کی اولاد کو ایک خیل کہتے تھے۔ جب کا کا صاحب نے شہرت اختیار کر لی تو اس کی اولاد کا کا خیل یا بیالٹان کہلانے لگے۔

ایک خیل اور کا کا خیل کئی گاؤں میں

(افضل گل حسن خیر الدین غنی دل رحمت خان)

آباد ہیں، کا کا خیلوں کی آبادی کا مرکز موضح زیارت کا کا صاحب ہے
 کا کا صاحب کے یہاں دفن ہونے کے بعد اس کی اولاد بھی اپنے آبائی
 گاؤں میلہ سے (جو زیارت سے ۲ میل جنوب مغرب کو واقع ہے)
 یہاں چلی آئی۔

خٹکوں میں کا کا خیلوں نے بہت ترقی کی ہے۔ کیونکہ ہر علاقہ کے
 پشتونوں انہیں تجارت وغیرہ میں ہر قسم کی رعایت دیتے ہیں۔

اکوڑی

اکو
 ترقی سرکی

کیل اہل ارکٹ قادر محمد مگر
 اکوڑی منڈانٹر کی ایک چھوٹی سی شاخ ہے جو اپنے مورث کے
 نام پر اکوڑی کہلاتے ہیں۔ ان کی زیادہ تر آبادی تپی خوا میں
 رہتی ہے۔ بعض اکوڑی اپنے آپ کو اکوڑ خیل سمجھتے گئے ہیں۔

اوریا خیل

بہ روایت تاریخ مرصع یہ لوگ اپنے مورث اعلیٰ اوریا
 کے نام پر اوریا خیل مشہور ہیں۔ کہتے ہیں کہ غوریہ خیل خیل
 کی ایک بیوہ انٹرو خیل خٹکوں کے پاس آئی۔ وہ اپنا ایک بیٹا
 بھی ہمراہ لائی جس کا نام اوریا تھا۔ اس لڑکے کو بیٹی (ولڈ انٹرو)
 نے پالا اور جب جوان ہو گیا تو اپنے قبیلہ میں اس کی شادی کرادی۔
 اوریا کی اولاد کو اوریا خیل کہتے ہیں اور اصلی طور پر بی خیلوں (تیرلوں)

میں داخل ہیں۔
 پشتونوں کے رواج کے مطابق اوریا خیل بھی خٹک ہیں کیونکہ
 خانہ داماد کی اولاد ہیں۔

سوریا خیل

بٹی کے منہ بولے بھائی مہندی نے اس بیوہ کے ساتھ شادی کی جو اودیا کی ماں اور غوریہ خیل قبیلے سے تھی اور جس کا ذکر ابھی گزر چکا ہے۔ اس شادی سے جو لڑکا پیدا ہوا اس کا نام بروہن اوریا سوریا رکھا گیا۔ سوریا خیل مہندی کی شاخ ہے۔

ڈنگری (آدم ری)

غوری خان

ربین الدین
ہیرام خان
نادر
سکندر مظفر

تاریخ مرصع وغیرہ میں لکھا ہے کہ ڈنگری کسی غوریہ خیل کوگی ری کی اولاد ہیں اور حیات افغانی میں لکھا ہے کہ یہ کسی تریق کی اولاد ہیں + یہ دونوں بیانات غلط ہیں + ڈنگری دراصل غوری خان عرف ڈنگر بابا کی اولاد ہیں جس سے ان کا شجرہ آٹھویں پشت میں ملتا ہے جو تقریباً (۱۹۷۰-۱۹۸۰) [۲۲۰ = ۸۳۰] یعنی ۱۹۷۰ کے زمانے کا آدمی ہے۔ یعنی محمد افضل خان I سے تقریباً سو سال پہلے کا۔
شل حقیقت موضع ڈنگری مرتبہ ۱۹۷۰ میں ایسے کوئی آثار نہیں ہیں جن سے ڈنگریوں کا خٹک کے علاوہ کسی اور قبیلے سے ہونا پایا جاوے۔

محمد افضل خان نے غوری خان اور غوریہ خیل کے ناموں میں دھوکا کھایا ہے۔ اگر یہ خٹکوں سے علاوہ کوئی اور ہونے لویہ بھی منگلی کی طرح صاف کہہ دیتے کہ ہم فلاں قبیلے سے ہیں۔
محمد افضل خان نے چونکہ ڈنگریوں سے بہ زور زمین حاصل کی تھی اس لئے ان کے متعلق ایسا لکھ گیا +

کرلاٹری پہنچے ہیں ڈنگر کا مطلب ہے ڈنلا + خوشیا خان I نے شینکوں کے پیر کا نام ڈنگر پر لکھا ہے۔ اور کرلاٹریوں میں ایسے نام اب بھی پائے جاتے ہیں۔ لیکن چونکہ قبیلوں کے پہلے میں ڈنگر (یعنی ہنری معنی ہیں) ہل کو کہتے ہیں اس لئے ڈنگر زیوں کے پڑوسی جہل کی وجہ سے ان کے نام کا مذاق اڑاتے تھے۔ حتیٰ کہ اب کچھ عرصے سے ڈنگر زیوں نے اپنا اور اپنے گاؤں کا نام بدل کر آدم زئی رکھ لیا ہے۔ موضع ڈنگر زئی میں علاوہ غوری خان کی اولاد کے گلزادہ خٹک، ورافضل خان خٹک (مصنف تاریخ سرحد)، اکبر خان مہندی خٹک اور محمد گل خٹک کی اولاد بھی آباد ہے اور چند قبیلے غیر خٹک پشتونوں وغیرہ کے بھی۔

ڈنگر کے ساتھ بابا کا لفظ یہ ظاہر کرتا ہے کہ وہ کوئی نیک آدمی تھا۔

خلوزی

ڈنٹر (ولد بیری) قبیلے کے دو بھائی علوان اور ملیخان صحران میں کیرڈی (جبری جیسے) لگائے ہوئے تھے + ایک فائر العقول سا نوجوان ان کی کیرڈی کو آیا اور چند سال ان کے ساتھ رہا۔ آخر ایک دن اس جوان کے بھائی اسے ڈھونڈنے ہوئے آئے اور اسے پا کر جانا کہ اسے اپنے ساتھ لے چلیں۔ لیکن وہ ان کے ساتھ نہ جاتا تھا۔ اس جوان کا نام رشید، باپ کا نام یعقوب اور وہ غوریہ خیل خلیل تھا۔ کہتے ہیں کہ کہاں بہت زور سے کھینچنے کے سبب اسے نظر لگ گئی تھی۔ اور کہ وہ بیان کا رشتہ دے کر علی خان کی کیرڈی تک پہنچا تھا۔ رشید کے حسب اور نسب کا پتہ پا کر کہ امیل پہے علی خان نے خلو نامی اپنی ٹرکی رشید سے بیاہ دی۔ ان کے پانچ بیٹے ہوئے ان بیٹوں سے یہ اولاد باقی بچا جو اب اپنی ماں کے نام پر خلوزی کہلاتے ہیں۔

یہ تو ریا لب لباب محمد افضل خان کی تاریخ مرصع کا۔ اس کے
 برخلاف مالکان قوم جلوزئی نے مثل حقیقت مرصع جلوزئی (رقبہ
 خشک پر گنہ ۱۰۴ تحصیل نوشہرہ ضلع پشاور)۔ مثل حقیقت ۱۸۷۹ء
 کے وقت یہ ناقابل قبول بیان دیا ہے کہ ان کا سلسلہ ان کے مورث
 اعلیٰ جلو خان سے چلتا ہے جس کو عرصہ دس پشت کا ہوا کہ اس
 وقت کے حاکم سردار محمد افضل خان [مصنف تاریخ مرصع] نے بہ
 نظر آبادی دفتر خشک کے ۱۴ سیروں سے ایک سیر رقبہ دیا تھا۔
 تاریخ مرصع کے بیان کے مطابق رشید کی اولاد بوجہ اس کے
 علی خان کا خانہ داماد ہونے کے خشک ہیں۔ اس کی اولاد کا
 بجلٹے اپنے باپ کے اپنی ماں کے نام پر کہلانے کا سبب یہ ہے
 کہ وہ دیوانہ سا تھا اور خلو ہی اپنی اولاد کی نگہداشت کرتی تھی۔

درشی

وصلی طور پر قبیلہ خشک کے ساتھ شامل ہیں + بہادر خیل
 کے پاس جو درشی خیل رہتے ہیں ان کی بابت انگریزوں کے
 وقت کی لکھی ہوئی کتابوں میں لکھا ہے کہ خورم کی طرح یہ
 بھی وصلی طور پر ماشی خیلوں اور دونوں کے ساتھ شامل ہیں +

کنڈی

یہ بھی وصلی طور پر قبیلہ خشک کے ساتھ شامل ہیں

درک

درک بھی وصلی طور پر قبیلہ خشک کے ساتھ شامل ہیں +

مخلکی

تاریخ مرصع وغیرہ میں لکھا ہے کہ مخلکی کسی مغل کی اولاد ہیں جو مغل فوج سے جدا ہو کر بولاق کو آیا۔ یہاں کچھ عرصہ رہا اور ایک بولاق لڑکی سے شادی کر لی اور برابر حصہ پایا اور بولاق الواس میں وصلی طور پر شامل ہو گیا۔ یہاں بھی وہی خانہ داماد کا قصہ چلا ہے۔
مخلای ساعزی قبیلے کی شاخ درے پی میں شامل ہیں
بندولست خانہ کے وقت مخلکیوں نے بیان دیا تھا کہ ہمارے مورث کا نام مغل تھا جو قمر افضل خان [۱۶] کے ہاں لوکر تھا۔ اور خان نے لوکری کے عوض اسے موضع مخلکی کی زمین دی تھی۔ مغل نے وہاں بہ گاؤں آباد کیا۔ پھر مغل وقتاً فوقتاً اور خشکوں کو بھی آبادی کے لئے جگہ دیتا تھا۔ ۳۲ سیروں میں اس گاؤں کا دفتر ایک سیر ہے۔

سینی

تاریخ مرصع اور جہانگیر نامہ میں لکھا ہے کہ سینی سینی کی اولاد ہیں جو اصل میں دلازاک تھا۔ سینی نے آگر بولاق کی [یا بولاق قبیلے میں کسی کی] لڑکی سے شادی کی اور یہیں کا ہو کر رہ گیا اس لئے وصلی طور پر بولاق الواس میں داخل ہو گیا۔ سینی ساعزی قبیلے کی درے پی شاخ میں شامل ہیں۔
سینی قبیلے کی بڑی آبادی ٹیری کے شمال میں تپہ سینی خرم میں رہتی ہے۔
سینٹرل ایشیا حصہ ۱ جلد ۲ ص ۵۰ میں سینچیوں کو کھن خان ولد مورث کی اولاد لکھا ہے۔

خورم

خورم تری میں بھی پائے جاتے ہیں اور بولاق میں بھی۔ تاریخ
مرصع میں دونوں کے گھروں کی تورات جدا جدا دی گئی ہے۔ اور ہم
نے بھی شجروں میں انہیں دونوں جگہ دکھایا ہے + پتہ تری میں
جو خورم میں وہ بھی غالباً بولاق میں کہیں رہتے تریوں کے علاقے میں ہیں۔

خورم

انبی طاہرا حمزی گروخان
تاسم جلی مای حسن تھا کلینس ارڈ بک

دکتر خیل کو کہ مرزا پیر علی ملا پیر محمد شکر شاہی جو جعفر دلا سیلوی دلی گلی شیرخان نواز
ہندوستان ۱۸۹۶ء کے وقت خورم میں لے جایا تھا کہ ہمیں
ہمیں معلوم کہ ہمارا موٹ خورم کہاں سے آیا اور اس دفعہ پر قبضہ کیا۔
ضلع کوٹاٹ کے سیشنلٹ رپورٹ ۱۹۰۰ء (ص ۴۸) میں لکھا
ہے "کہا جاتا ہے کہ سینی اور خورم ہر دو پردیسی ہیں" یہاں
لکھنے والوں نے یہ غلطی کی ہے کہ سینی کے ساتھ خورم کا نام بھی
ملا دیا ہے جس کی وجہ یہ ہے کہ اس وقت ملکی انتظام وغیرہ
کے لئے سینی اور خورم ایک حلقہ بنایا گیا تھا۔
در حقیقت خورم کے خشک ہونے میں کوئی شک و شبہ نہیں
ہے۔ اگر کوئی بات ہوتی تو محمد افضل خان تاریخ مرصع میں خورم
کا ذکر بھی وسیلی قبیلوں کی ذیل میں کر دیتا۔
خورم کا علاقہ سینی کے گاؤں کے ارد گرد ان کے جنوب کی طرف
خوشا لکڑہ سے لیکر جٹہ اسمیل خیل تک پڑا ہوا ہے۔ یہ علاقہ
بہت دیران ہے جس میں یا تو پہاڑ ہیں یا بڑے بڑے اگلے۔
قابل زراعت زمین بہت کم ہے اس لئے اس علاقے کے لوگ بھی
بہت غریب ہیں۔ لیکن باوجود غربت کے خورم دیندار اور امن پسند
لوگ ہیں اور سادہ بھی ہیں۔

نہ پیری میں ابتداء ہی سے خورموں کی تعداد کم تھی اس لئے ان کا
رقبہ بھی یہاں کم ہے + اس علاقے میں جب خورم کی اولاد بڑھ
گئی تو انہوں نے آپس میں تقسیم کر لی: خورم کا گاؤں اور شنبوہ
قد زئی کے حصے میں آئے + جب قد زئی کی اولاد بڑھ گئی تو مٹھا
گلیش اور اکراش کے پیشوں ولی اور کلی نے آپس میں گاؤں کو بہ حوالہ
چار حصوں میں بانٹا اور شنبوہ کا غیر آباد رقبہ مشترکہ چھوڑ دیا۔

پہلے پہل قد زئی نے اپنی موصومہ لوگ میلہ میں آبادی بنائی تھی۔
اور وہاں رہنا شروع کیا تھا اور اس گاؤں کا نام اس کے باپ
کے نام پر خورم مشہور ہو گیا۔ چند سے بعد یہ گاؤں کسی نامعلوم
وجہ سے غیر آباد ہو گیا۔ پھر اس گاؤں کے مالکوں نے ہند نامی
پہلے پیر آبادی بنائی۔ یہ نئی آبادی بھی دو تین مرتبہ وزیروں
اور بہادر خیل اور دھول کے ماتحتوں سمار ہوئی پیری کے حکم محمد رسول
خان کے وقت مالکان نے اپنی اپنی زمینوں کے سروں میں کوٹھے
بنائے اور یہ گاؤں بسایا جواب بھی موجود ہے اور اسی پرلے
نام پر خورم کہلاتا ہے۔

الفنسلین اپنی کتاب جلد ۲ ص ۵۰ میں لکھتا ہے کہ بادک کے
شمال کے خشک سانولے اور ہندوستان کے بعض لوگوں کی طرح
لباس پہنتے تھے۔ لیکن طور و اطوار میں مقابلہ زیادہ پس ماندہ تھے۔
بولاق خورموں کی ایک بڑی شاخ موٹک ہے جو وزیرہ، غرلی
اور گری میں رہتے ہیں۔ سببی کی آبادی زیادہ ترکمبٹ، لاجی مخد خیل
وغیرہ میں پائی جاتی ہے +

خورم کے بڑے بڑے گاؤں اسماعیل خیل، کبریو سم، دار پٹی،
نیکہ، برگدی، نہ تنگی، ورشم، درکون، سن، مالکین اور سودل ہیں +

ساعری

ساعر خان

مکڑی [بنی] تروہ چلی روزی شان

ساعر خان کی اولاد ساعری کہلاتے ہیں۔ ساعری بھی پہلے
ماک اکو کے ساتھ خوڑہ کوگٹے تھے لیکن جلد ہی شکر درہ اور مندرکہ
کو جو شکر درہ سے قریباً تین میل دور ہے لوٹ آئے۔ اب کی مرتبہ
انہوں نے الوانڑوں (وان) کو شیکست دے کر بگایا اور قریباً کالا
باغ تک علاقہ قبضہ کر لیا۔ یہاں چار پشت تک رہنے کے بعد درہ
سندھ کو پار کر کے پنجاب میں ضلع راولپنڈی تک پہنچ گئے اور الوانڑوں
کو مکھڑ اور اس کے آس پاس کے علاقے سے بھی نکال دیا۔ اور
گرتہ کپڑی، کمی اور جھب تک علاقہ پکڑ لیا، اور ابھی تک ان علاقوں
پر قابض ہیں، یہ لوگ بارکوں کے شمال کی طرف بستے ہیں و
ساعریوں کا ہمیشہ ایک سردار رضا تھا جو کبھی ایک اور کبھی
دوسرے جیل (شاخ) سے ہوتا تھا۔

احمد شاہ ابدالی نے ۶۰ نومبر ۱۷۶۲ء میں ۱۲۰۰
روپے بخشے تھے) کے بدلے میں کالا باغ کا علاقہ معاذ خان ساعری کو
دیا تھا۔ معاذ خان اس رقم کی نہائی یعنی ۳۰۰ روپیہ کالا باغ کے
خود اعظم خان (دیکھو ص ۷۷ کتاب ہذا) کو ازراہ دوستی اور پیالے
کی وضعی کے انتظام کے لئے دیا کرتا تھا۔ ۱۲۰۲ء میں بادشاہ محمود
شاہ سدوزئی نے محال کالا باغ کا حصول خود اعظم خان کے نام کر
دیا اور معاذ خان کا دخل ختم کر دیا۔

ساعریوں کی سرداری پہلے تو شادی خان کے گھرنے میں تھی۔ لیکن
احمد شاہ بادشاہ کے وقت عباس خان نے شادی خان کے خاندان
کے آفری حکمران کو مکھڑ سے نکال دیا اور شادی خان کا خاندان

اب تقریباً بیست ہے + ^{خانی کرناٹک} عباس خان مکھڑ میں اور اس کا بھائی نجم خان اس کی طرف سے شکر درہ میں نائب تھا اور ملک کے لقب سے پکارا جاتا تھا۔ اس لئے عباس خان کی اولاد خان خیل اور نجم خان کی اولاد ملک خیل کہلاتی ہے +

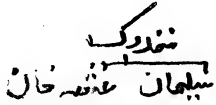
عباس خان اور اس کی اولاد نے دو تین پشت تک سرائی قبیلے کی خانی کی +

آج سے تقریباً ۱۵۰ سال پہلے غلام مصطفیٰ خان نے عباس خان کے خاندان کے آخری حکمران غزن خان کو مکھڑ سے نکال دیا اور خود مکھڑ کا خان بن گیا + ^{۱۹۹۹ء} میں غزن خان کا بیٹا رحمت خان بہت تنگی کے دن گزار رہا تھا +

غلام مصطفیٰ خان کی اولاد حیدر خیل کہلاتی ہے - حیدر ان کا مشہور اعلیٰ تھا جو چھ سات پشت پہلے گزر چکا تھا - غلام مصطفیٰ خان الحاق کے وقت زندہ تھا اور ^{۱۹۹۹ء} میں اس کا بیٹا غلام حیدر خان مکھڑ میں رہتا تھا اور ضلع پٹی اور ضلع کوٹاٹ پر دو کا جاگیردار تھا +

تاریخ مریض میں لکھا ہے کہ ساغر نندوک کا سگہ اور مروت کا سویتلا بھائی تھا - ساغر نے بیٹی عورت کی تھی اور اپنی بیوی کے ساتھ اپنی خسرگئی (خسر نے) جا کر عمر بیتلے لگا - اس کے چھ بیٹے ہوئے - تین کے نام ترہ، بنگی اور مکوڑی ہیں - اور باقی کے تین گلی، روزی اور شان دے سے تپتی کہلاتے ہیں +

ساغر کے بیٹوں کا نام پیدا کرنے کی وجہ سے ان میں اور ان کے ماٹوں میں حسد اور دشمنی پھوٹ پڑی - ساغر بچہ اپنے بیٹوں کے اپنے بھائی نندوک کے پاس آیا - یہاں مروت اس کو اپنا حصہ نہیں دیتا تھا - اور ساغر بہ زور اس لئے اپنا حصہ جدا نہیں کروا سکتا تھا کہ مروت کی اولاد زیادہ تھی + تب ساغر نے نندوک، یعنی اور مغلی اپنے ساتھ ملائے - اپنے پردے سے تپتی نام لکھا اور مروت سے اپنا حصہ علودہ کر لیا +



شروع شروع میں ہنگی خیلوں نے اپنا سب علاقہ وڈوں میں بانٹا تھا۔

اور پر خیل نے ایک یا ایک سے زیادہ ونڈ حاصل کئے تھے۔ مالکان اراضی نے مزروعہ زمین کے علاوہ علاوہ قطعے اور ان کے ساتھ بخر زمینوں پر قبضہ کیا تھا۔ اکثر لوگ اپنی ملکیتوں میں بنائے ہوئے گھروں میں رہتے تھے۔ ان کا پہاڑی علاقہ صرف بکریاں، بکھریں، گائیں اور گھوڑے وغیرہ چرانے کے لئے موزوں ہے۔

عرصہ ڈیرہ یا دو سو سال کا ہوا ہوگا کہ کوٹلی اور شہاڈت میں بہت سا علاقہ بمبلی خیل کے خانوں نے خشکوب سے چھینا تھا۔ قندقی لحاظ سے ساغری علاقے کے شمالی بنگلی خیل اور شکر درہ ٹوٹرے کا ایک حصہ ہے۔

فروری ۱۸۹۱ء میں ایلفنٹن علاقہ بنگلی خیل سے چشتی کو گیا تھا جو شکر درہ کے قریب ہے اور وہاں سے مالکین اور شادی خیل کے رستے کو پاٹ گیا تھا۔ اس نے غلطی سے ان لوگوں کو بارک سمجھا ہے جو بنگلی خیلوں کے مغرب کو رہتے ہیں۔ اس نے لکھا ہے کہ یہ ایک خود سر قبیلہ ہے جو بادشاہ گروی کی حالت میں اور پیری کے خان سے خود اختیار زندگی بسر کرتے ہیں۔

تحریکیں

ملک کو افہار سے آزادی دلانے کی سب تحریکوں میں خٹکوں نے بڑا جو

کر حصہ لیا ہے جن کا مختصر حال حسب ذیل ہے :-
(۱) ہجرت - ۱۹۲۱ء میں اکثر علماء نے فتویٰ دیا تھا کہ ہندوستان دار

الحرب ہے جہاں نماز جمعہ باجماعت نہیں پڑھی جاسکتی۔ اس لئے کسی اسلامی مملکت کو ہجرت کرنی لازم ہے۔ اس لئے عہدہ سرحد کے کئی لوگوں کے ساتھ کئی خٹک بھی افغانستان گئے تھے۔

لیکن ایک تو انگریز لوگوں کو جلانے نہ دیتے تھے۔ دوسرے وسائل بارہواری بھی کم تھے اور تیسرے حکومت افغانستان بھی لٹنے لوگوں کا انتظام نہ کر سکی۔ اس لئے بعض لوگ نورماں سے جلا لوٹ آئے۔ اور انہیں آپیکہ کر بعض لوگ دہلتے ہی سے لوٹ آئے۔ آخر کچھ عرصے کے بعد سب ہی لوٹ آئے۔
(۲) خلافت - اس تحریک میں بھی کئی خٹک شامل ہوئے تھے۔

(۳) خاکلہ تحریک میں شامل ہونے والے ارکان کی تعداد کم تھی۔
خٹکوں کی تہذیب کے پیش نظر عورتیں اس تحریک میں شامل نہ ہو سکیں۔

(۴) خدائی خدمت گار، شرح پوش یا کانگریسی۔ یہ تحریک بہانہ ۱۹۲۳ء میں شروع ہوئی۔ دسمبر ۱۹۲۳ء میں تحصیل ٹیری میں سوہوشوں کی کل تعداد ۶۰۰۰ تھی۔ ان میں سے دو ہزار زبردفعہ چالیس سرحدی گرفتار ہوئے اور ۲۰۲ ماہ سے لے کر ۳۰ سال تک سزائیں پائیں۔ ۱۹۲۲ء میں

دو بارہ گرفتار ہوا ہوں۔

(۵) مسلم لیگ - اس تحریک کی بنیاد علاقہ خٹک میں ۱۹۲۲ء میں پڑی۔

اور بہت سرعت سے تمام علاقے میں پھیل گئی۔ پاکستان بننے سے کچھ عرصہ پہلے ۱۹۴۷ء میں کانگریس حکومت کے برخلاف جو تحریک سول ناافرمانی چلی تھی اس میں خٹکوں نے کثیر تعداد میں حصہ لیا تھا اور گرفتار ہوئے تھے

اس تحریک میں رزقم اطروف بنوں سے بہ جیتنٹ دکیٹر ضلع مسلم لیگ اور موسس و ناظم اعلیٰ غازی لپٹوں گرفتار ہو کر قید ہوا تھا۔

پشتونستان۔۔ ہمارے کے بعد تحریک پشتونستان اور طلحے پشتون
 کی تحریکیں بھی کچھ عرصے کے لئے ابھری تھیں لیکن رفتہ رفتہ ماند پڑ گئیں۔
 (۴) جہاد کشمیر۔۔ یہ تحریک چونکہ عسکری جوہر دکھانے کا موقعہ میسر
 کرتی تھی جس میں تلک مہارت تامہ رکھتے ہیں اس لئے وہ اس
 میں جوق در جوق شامل ہو گئے۔ فوج کے تربیت یافتہ پیشروں نے
 فوجی طرز پر پلٹنیں منظم کر کے انہیں باقاعدہ تربیتیں دینی شروع کیں۔
 زار بعد تلک مجاہدین نے محاذ کشمیر پر قابل قہر کارنامے انجام دیے۔

حکوتین اور حملہ آور

ہخامنشی (۵۵۰-۳۳۱ ق۔م) نے خشکشا (سستاجہری) پر حکومت کی تھی۔ یہ خشکشا کے پرانے ایرانی اور یونانی نام ہیں۔ یونانی (۳۲۷-۳۰۵ ق۔م) - ۳۳۱ ق۔م میں سکندر کی فتح نے ہخامنشی کے آخری تاجدار داریا کوڈومینس کو شکست دی تھی۔ سکندر کا مورخ ابیان یونانی زبان میں لکھی ہوئی اپنی کتاب "انا با سسٹاں" میں لکھتا ہے کہ اس جنگ میں دارا کی فوج میں ہندی قبائل یعنی خشک اور افریدی وغیرہ شامل تھے۔ چونکہ سکندر کا رخ دوسری طرف تھا اس لئے وہ خشکوں پر حکومت نہ کر سکا۔

یہ جو بعض مورخین کہتے ہیں کہ افریدی سکندر کی فوج کے ان جنگجوؤں کی اولاد ہیں جو افریدیوں کے علاقے چیم اور تیراہ میں رہ گئے اور ان کا خون افریدیوں کے خون سے مل گیا۔ اور اپنے کیم کے ثبوت میں افریدیوں کے خدو و خال، چہرہ، مہرہ اور خصوصاً عقابی نالوں کی طرف اشارہ کرتے ہیں یہ محض لغو ہے کیونکہ ہندوستان یا یونان کی کسی تاریخ میں سکندر کا ان علاقوں میں سے گزرنا ثابت نہیں ہے اور سکندر کے حملے سے ۱۵۰ سال پہلے پرودقت نے افریدی قوم کا ذکر کیا ہے۔

موریہ (۳۲۲-۱۹۰ ق۔م) - موریہ خاندان کے بانی چندرگپت نے ۳۰۵ ق۔م میں سکندر کے نائب سیلیوکس کو شکست دی جس نے دریائے سندھ کے مشرق کا تمام یونانی علاقہ بمعہ غزنی و قندھار بلوچستان اور وادی پشاور چندرگپت کے حوالے کیا۔ چندرگپت کے پوتے اشوک کی موت کے ساتھ موریہ خاندان ۲۲۷ ق۔م میں ختم ہوا۔

یونانی باختری (۱۸۵-۹۷ ق۔م) موریہ خاندان کے بعد انہوں نے وادی پشاور پر حکومت کی۔

سکہ (۹۴ق ۲-۱۵۰) سکوں نے ۹۴ق ۲ میں درہ سمنوں میں فوج کشی شروع کی تھی۔ انہوں نے سیستان، غزنی اور قندھار پر بھی حکومت کی تھی اور پیواڑ (کرم)، ٹوچی (بنوں) اور گول (ڈیرہ اسماعیل خان) کے دروں کے رستوں پشتونوں کے علاقے میں بھی اتر آئے تھے۔

ہندی پارہین (۵۵۰-۵۵۱) سکے کے بعد ہر سر عروج آئے اور دیرا سنیہ کے کناروں تک حکومت کی۔

کشان (۵۵۰-۵۵۱) سکے میں کشانوں نے پارہین کے علاقے کا مشرقی حصہ فتح کیا۔ باختر کو فتح کرنے کے بعد مشرقی ایران یعنی موجودہ افغانستان اور پاکستان کے علاوہ ہند میں تھرانک کا علاقہ فتح کیا۔ اس خاندان کے راجہ کنشک کی شمالی راجدھانی پشاور تھی جو بدھ مذہب کا گہوانہ بن چکی تھی۔ کنشک کے زمانے میں بدھ بھلے ایک بزرگ کے خلاف مانا جانے لگا۔ پشاور کے سب باشندے بدھ مذہب کے پیرو تھے۔ اسی بادشاہ کے زمانے میں پشتون تہذیب اور پندرہ تمام القبا میں پھیل

ساسانی (۲۲۵-۶۳۶)۔ اس ایرانی خاندان کے ایک بادشاہ اکبر اور اس کے بیٹے شاپور نے کشان بادشاہی کا خاتمہ کیا اور مشرق کی طرف دریائے سندھ تک کا علاقہ اپنے زیرِ تصرف کیا۔ ساسانیوں کے مقبوضہ علاقے کو (جس میں وادی پشاور، ڈیرہ جات، سندھ اور افغانستان کا بہت سا علاقہ شامل تھا) کوشاںشہر اور اس علاقے کے نائب کو کوشاںشاہ کہتے تھے۔

ہن (۴۵۵-۵۵۰)۔ ساسانیوں کی حکومت کے دوران ہی میں ہنوں کے ملے شروع ہو گئے تھے۔ پشتونوں نے خان کالفا ہنوں کی زبان سے اذ کیا ہے۔

سہرائی۔ ۵۶۸ء میں دریائے سندھ تک کا علاقہ خسرو نوشیروان نے سفید ہنوں سے فتح کر لیا تھا۔

عرب (۶۴۲-۶۸۷ء)۔ سنہ ۶۴۲ء میں عربوں نے ساسانیوں کے آخری تاجدار یزدجرد ثالث کو شکست دی، دیگر فتوحات کے بعد حرت معلوہ کے گورنر عبدالرحمن نے کابل فتح کیا، اس کے نائب المہلب ابن علی سفرہ نے باندہ (بنوں) اور الاءور (لاہور، ضلع پشاور) پر حملہ کیا تھا۔ لیکن کوہ سلیمان کا علاقہ عرب تسلط سے مبرا رہا۔

سامانی (۷۵۱-۹۹۹ء)۔ وقت کے ساتھ ساتھ خلفائے راشدین بنو امیہ اور عباسیوں کی حکومتیں بھی گزرتی گئیں۔ آخر سامانیوں کا زمانہ آیا۔ یہ ایرانی النسل تھے۔ ان کا مذہب اسلام اور دارالافتاء بلخ اور غزنوی (۹۹۰-۱۱۹۲ء)۔ ساسانیوں کے ترک غلاموں کے اس خاندان کے حکمران سبکتگین نے ۹۷۸ء میں ٹھک اور دیگر پشتون قبائل کی مدد سے جیپال کو شکست دے کر دہرائے سندھ کے شمال کی طرف کا سب علاقہ فتح کیا۔

غزنوی دور سے پہلے کیرلاٹری قوم کے دلازاک قبیلے نے لنڈے دینا کی جنوب کو پٹاور کا تمام میدانی علاقہ اور دہرائے سندھ کے مشرق کو چیمہ کا علاقہ فتح کیا تھا۔

غوری (۱۱۷۱-۱۲۰۶ء) ملک سیف الدین والی غور نے ہر امشاہ

غزنوی (۱۱۱۸-۱۱۵۹ء) کو ہندوستان بھگا دیا۔ اس نے واپس آ کر غزنی پر حملہ کیا اور سیف الدین کو گرفتار کر کے قتل کر دیا۔ غزنویوں میں علاء الدین چالووز نے ہر ام شاہ کو شکست دے کر غزنی اور بست جلا دے، غوریوں کے زمانے میں بہت سے پشتون قبائل

نے اپنے موجودہ پہاڑی اور میدانی علاقوں اور ہندوستان کی طرف کوچ کیا تھا۔ انہی کے زمانے میں پنی اور سنگل بنوں آئے تھے۔

سلیجوق۔ سنہ ۱۱۵۱ء میں سلطان سنجر سلجوقی نے علاء الدین کو شکست دے کر گرفتار کر لیا۔

چالووز کے بعد اس کے پیچیدوں خیاٹ الدین اور مخر الدین (محمد

ابن سام، شہاب الدین [محمد غوری نے ۱۱۸۳ء میں غزنی فتح کیا۔ بڑا
بھائی غیاث الدین غور پر حکومت کرتا تھا اور چھوٹے بھائی محمد غوری کو
غزنی میں اپنا نائب مقرر کیا۔

محمد غوری نے خشک، غلزی اور دوسرے پشتون قبائل کی مدد سے
ہندوستان میں فتوحات حاصل کیں۔ ۱۱۸۶ء میں آخری غزنوی حکمران
خسرو ولد ہرام شاہ سے لاہور فتح کیا۔ ۱۱۸۹ء میں رٹے پتھورا عرف
پرتھوی راج سے شکست کھائی اور ۱۱۹۱ء میں اسے شکست دے کر
ہند میں اسلامی حکومت کی پہلی داغ دی۔

محمد غوری ۱۲۰۶ء میں قتل کر دیا گیا۔ وہ لادلا تھا۔ اس لئے دیلی
میں اس کے تخت پر اس کا ترک بیملوک قطب الدین ایبک اور غزنی
کے تخت پر اس کا ایک اور بیملوک ایبالدز قابض ہو گئے۔

ترکمان۔ ۱۱۵۳ء میں غزنی ترکوں کی ایک شاخ ترکمان نے شمال کی
طرف سے آکر سنجر کو شکست دی۔ انہوں نے دس سال تک
غزنی اور اس کے نواحی علاقوں کرم اور گردیز پر حکومت کی۔

بعض مورخین کا خیال ہے کہ بالائی ہنگش کے باشندے یعنی توری،
سنگل، مقبل، خاچی اور خوگیا نثری شاید ان ترکمانوں کی اولاد ہوں
اور اپنی تائید میں اس بھونڈے استدلال کے علاوہ کچھ نہیں پیش کر
سکتے کہ توری، اور توریانی ہم صوت ہیں۔ قطع نظر دیگر قبائل کے کرم
کے توری آج بھی کہتے ہیں کہ ہم ترک ہیں اور اسلام لانے سے پہلے ہمارا

مذہب شدنی بونی [یعنی الحاد یا بدھ مت] تھا۔

خوارزم شاہ۔ ۱۲۱۵ء میں خوارزم شاہ نے ایبالدز سے غزنی کا
تخت اور ابا سندھ تک کا علاقہ فتح کر لیا۔ اور غزنی کی حکومت اپنے
بیٹے جلال الدین کے حوالے کی۔

چنگیزی۔ چنگیز خان نے ۱۲۱۹ء میں محمد شاہ خوارزم شاہ ۱۲۲۱ء میں
میں جلال الدین خوارزم شاہ کو شکست دی۔ چنگیز خان ۱۲۲۷ء میں مر گیا اور

غزنی اور کابل کا علاقہ اس کے بیٹے چغتائی کے ماتھے لگا۔ جو ان علاقوں کی غربت اور دشوار گزاری کیوجہ سے ان پر تسلط جمانے سے باز رہا۔

۱۳۷۹ھ میں تیمور نے ہرات، سیستان اور قندھار فتح کرنے کے بعد پشتونوں کے پہاڑی علاقے پر حملہ کیا۔ اور ۱۳۹۳ھ میں لودیوں اور شیرانیوں کی مدد سے ہندوستان فتح کیا۔
 لودھی (۱۴۵۱-۱۵۲۶)۔ ۱۷ ربیع الاول ۸۵۵ھ / ۱۴۵۱ھ کو بہلول لودھی ہندوستان کے تخت پر بیٹھا۔ ۶۵۵ھ شہان ۹۲۳ھ کو مرگیا۔ اس کا بیٹا سکندر ۹۲۳ھ میں مرگیا۔ اور اس کا بیٹا ابراہیم ۸ ذیقعد ۹۲۳ھ کو تخت نشین اور ۷ رجب ۹۳۲ھ کو مرا۔ لودیوں کے زمانے میں دیپاٹے سندھ کے اس بادشاہ کا سب علاقہ تیموری شہزادوں کے زیر تصرف رہا۔
 منل۔ - بابر نے ۱۵۲۶ھ میں ابراہیم لودی کو شکست دی۔ بابر ۱۵۵۵ھ میں پشاور کو فتح اور کوٹاٹ اور بنوں اور دیگر علاقوں کے پشتونوں کو کئی مرتبہ لوٹ چکا تھا۔ لیکن اس نے پشتونوں پر حکومت کبھی نہیں کی تھی۔ بابر کی موت پر اس کا بیٹا پچایوں ۱۵۳۳ھ میں تخت نشین ہوا۔

سوری۔ - ۱۵۳۹ھ میں شیر شاہ سوری نے جس کا مسکن غور اور مادری زبان پشتو تھی پچایوں کو شکست دے کر ہند سے بھگا دیا۔ شیر شاہ ۱۵۴۵ھ میں اور اس کا بیٹا اسلام شاہ ۱۵۵۱ھ میں مر گئے۔

منل۔ - اسلام شاہ لودی کے تخت کے تین دعویدار آپس میں لڑ رہے تھے کہ پچایوں نے ایرانی فوج کی مدد سے ان سے بادشاہی چھین لی۔
 پچایوں نے تخت نشینی کے وقت اپنے بھائی کامران کو کابل،

قندھار اور غزنی کی نیابت دی تھی + شیر شاہ نے ہمایوں کو شکست دی تو کامران بھی ہمایوں کا اعلانیہ مخالف بن گیا + ہمایوں نے ۱۵۴۵ء میں کامران کو ناکامران بنایا۔ ۱۵۵۱ء میں کامران نے جیلوں اور مہندوں اور خٹکوں کی مدد سے ہمایوں کی عسکرگاہ پر ناکام حملہ کیا + کامران پشاور شہر پر ہراٹے نام حکومت کیا کرتا تھا +

ہمایوں کے بعد اسکا ایک بھائی اکبر ہندوستان کا اور دوسرا بیٹا مرزا حکیم کابل کا حکمران بنا + مرزا حکیم اکبر سے بگڑ بیٹھا۔ اور ۱۵۵۱ء میں حکیم کی موت سے پہلے اکبر پشتونوں پر حکومت نہ کر سکا + اکبر نے پشاور ۱۵۶۶ء اور کوٹاٹ ۱۵۸۷ء میں فتح کئے + اکبر کے زمانے میں خٹک شاہی سرحد کے محافظ اور جاگیردار تھے + اکبر ۱۵۸۱ء/۱۶۰۵ء میں مرزا جہانگیر ۱۶۰۵ء - ۱۶۲۷ء، شاہجہان ۱۶۲۷ء/۱۶۵۸ء اور اورنگزیب ۱۶۵۸ء - ۱۷۰۷ء/۱۷۱۸ء کے اوائل دور میں بھی خٹکوں کی وہی حالت رہی۔ لیکن جب اورنگزیب نے انہیں غلام بنانا چاہا تو وہ ۱۷۰۵ء سے اورنگزیب کے اعلانیہ دشمن بن گئے جو حالت تقریباً ۱۷۹۱ء تک رہی + اس وقت سے لیکر مغلیہ دور کے اختتام تک خٹک کم و بیش خود مختار رہے +

نادر شاہ (۱۷۳۹-۱۷۴۷ء)۔۔۔ نادر نے دہلی فتح کرنے کے بعد محمد شاہ مغل سے دریائے سندھ کے اس پار کا علاقہ بھی لے لیا لیکن خراسان میں شورش کی وجہ سے یہاں تسلط نہ جاسکا + چونکہ نادر کی فوج کی اکثریت پشاور اور اقلیت بنوں کے رہنے والے ہندوستان گئی تھی اس لئے کوٹاٹ کے خٹک اس کے ہلے سے محفوظ رہے + پشاور کے پہاڑی علاقے کے خٹک اور دیگر پہاڑی قبائل نادر سے تمام عرصہ آزاد رہے لیکن میدانی علاقے کے خٹک، مہمند، داؤد زئی، گیلیانی اور محمد زئی اپنے امیروں کے ذریعے نادر کو فتنہ دیا کرتے تھے +

نادر کو ۱۷۱۷ء میں احمد شاہ قاجار نے قتل کر دیا تھا۔

درانی (۱۷۴۷-۱۸۱۵ء) - نادر کی موت کے بعد پشتونوں نے

نادر کے فوجی دستے کے محافظ احمد شاہ ابدالی کو جو سدوزیوں میں سے تھا قندھار میں ڈیر دوران کا لقب دے کر اپنا بادشاہ تسلیم کیا۔ اس نے پہاڑوں کے کمرانٹری قبیلوں کو مطیع کرنے کی کوشش کبھی نہیں کی۔ ناں سرپٹوں کے خلاف جہاد میں خٹکوں نے اس کی مدد کی اور فتح پانے کے بعد اس نے بھی خٹکوں کے خان کو نوازا۔

احمد شاہ کی موت کے بعد اس کا بیٹا تیمور شاہ (۱۷۳۳-۱۷۹۳ء)

بادشاہ بنا۔ وہ خٹکوں کے معاملات میں قدرے دست اندازی کیا کزن تھا۔ تیمور شاہ کی موت میں بغول یوسفی صاحب حضرت میاں عمر صاحب چکنی کا بھی ہاتھ تھا (دیکھئے ص ۴۲۲)۔ میاں صاحب نے ۱۷۷۹ء میں تیمور شاہ پر حملہ کیا تھا لیکن ناکام رہا۔

تیمور کے بعد اس کا بیٹا زمان مرزا، شاہ زمان کے نام سے

۱۷۶۱ء سے ۱۸۰۰ء تک بادشاہ رہا۔ اس نے اوائل ۱۷۹۹ء میں لاہور

کا ضلع رنجیت سنگھ کو دے دیا تھا۔

محمد (۱۸۰۰-۱۸۰۳ء و ۱۸۰۹-۱۸۱۱ء) نے اپنے سوتیلے بھائی

شاہنیرمان کو تخت سے اتار کر اندھا کر دیا۔ ۱۸۰۳ء میں شاہنیرمان کے

سگے بھائی شاہ شجاع (۱۸۰۳-۱۸۰۹ء و ۱۸۳۹-۱۸۴۲ء) نے ۱۸۰۳ء

میں حمود سے کابل کا تخت چھین لیا۔ ۱۸۰۹ء میں حمود نے دوبارہ تخت

حاصل کر لیا اور ۱۸۱۸ء تک حکمران رہا۔

۱۸۱۸ء میں حمود نے اپنے بارکزی وزیر فتح خان ولد پانڈہ خان

کو قتل کر دیا۔

بارکزی (پانڈہ خیل ۱۸۱۸-۱۸۳۴ء) - بارکزیوں نے فتح خان کے

۲ بھائیوں کی سرکردگی میں بغاوت کر کے حمود کو ہرات بھاگ دیا۔

اور ۱۸۱۸ء میں پشاور اور کوات کے حاکم بنے۔

بارکزی خٹکوں کے خواتین کو خٹک کا علاقہ اجاسے پر دیا کرتے تھے اور خوب سودا بازی کیا کرتے تھے لیکن ان کے عہد میں خٹک اندرونی طور پر خود مختیار رہے +

۱۸۱۱ء سے ۱۸۲۶ء تک بدامنی رہی ۱۸۲۳ء میں کابل کا بادشاہ محمد اعظم خان بھی مر گیا۔ آخر ۱۸۲۶ء میں دوست محمد خان (۱۸۲۶ء - ۱۸۶۳ء) کابل کا بادشاہ بن گیا۔ ۱۸۲۶ء میں یار محمد خان پشاور کا حاکم بنا اور سلطان محمد خان بھی اس کے ساتھ پشاور میں رہتا تھا۔ ۱۸۲۹ء میں یار محمد خان فوت ہو گیا اور اس کی بجائے سلطان محمد خان پشاور اور ملوقات پشاور کا حاکم بن گیا۔ اس کے بھائی پیر محمد خان اور سید محمد خان بھی اس کے ساتھ پشاور میں رہتے تھے +

۱۸۳۲ء میں شاہ شجاع نے پشاور وغیرہ ریجیب سنگھ کو اس شرط پر دے دی کہ وہ کابل سے دوست محمد خان کو پھلانے میں شاہ شجاع کی مدد کرے گا +

سکھوں نے ابھی دوست محمد خان شاہ شجاع کے مقابلے کے لئے شروع ہی رہا تھا کہ سکھوں نے ۱۸۳۲ء میں پشاور دوست محمد خان کے بھائی سلطان محمد خان سے چھین لیا۔ جو پھر اپنے بھائیوں کے دوست محمد خان کے پاس کابل چلا گیا + شاہ شجاع نے قندھار پہنچ کر جولائی ۱۸۳۲ء میں دوست محمد خان سے شکست کھائی + ۱۸۳۳ء میں دوست محمد خان سکھوں سے لڑنے چھوڑ دیا۔

لیکن چونکہ سلطان محمد خان سکھوں کا امدادی تھا اور جو سکھ پرمخال ہوئے تھے انہیں رکا کر دیا تھا۔ اس لئے دوست محمد خان بلا مقابلہ کئے واپس چلا گیا + اس امداد کے بدلے سکھوں نے کوٹاٹ اور پشاور سلطان محمد خان کو بطور جاگیر دے دی۔ لیکن ان اضلاع کا فوجداری اور دیوانی انتظام پری سنگھ نلوہ کو سونپا + جب سکھ چھوڑ کا قلعہ بنائے گئے تو محمد اکبر خان ولد دوست

ہمد خان نے ۳۰ اپریل ۱۹۳۷ء کو سکھوں کو شکست دی۔ ہری سنگھ مارا گیا اور سکھوں کی دو توپیں بھی ہمد اکبر خان کے ہاتھ آئیں لیکن درانی سرداروں کی بد عہدی کی وجہ سے نہ تو جہرود پکڑ سکا نہ پشاور پر تسلط جاسکا۔ اور چند دنوں کے بعد واپس جلال آباد چلا گیا۔ اکبر خان ۱۸۲۷ء میں مر گیا۔

جنگ ۱۸۳۷ء کے بعد سکھوں نے اٹک کے اس پار کا علاقہ دوبارہ بارہ بار کنڑی بھائیوں میں بانٹ دیا۔ جس میں کوٹاٹ سلطان ہمد خان کو ملا جو اعلیٰ مرتبہ ہمد ظاہر شاہ موجودہ بادشاہ کابل کا مورث اعلیٰ ہے اور جس کے بیٹے بچی خان کی رعایت سے کابل کا شاہی خاندان بھی خیل کہلاتا ہے۔

۱۸۳۷ء میں پشاور فتح کرنے کے بعد سکھوں نے پشاور کے اکوڑ جیلوں کی خانی تقریباً ختم ہی کر دی۔ لیکن کوٹاٹ میں ان کی خانی برائے نام آج تک باقی ہے۔

۱۸۳۷ء سے ۱۸۶۹ء تک کے حالات یہاں سے لے اہمیت نہیں رکھتے۔ انگریز (۱۸۴۹ء - ۱۹۴۷ء)۔ مارچ ۱۸۴۹ء میں سکھوں کو دوسری اور آخری شکست دینے کے بعد انگریزوں نے پنجاب اور سکھوں کی اٹک کے اس پار کی تمام مقبوضات پر قبضہ کر لیا۔ انگریزوں نے بھی حسب سلاطین سابق خان خٹک کو اس کا علاقہ مقررہ اجارے پر دیا۔

پاکستان۔ ۱۹۴۷ء میں پاکستان بننے سے سب پاکستانی علاقہ ہمد اختیار پھر پاکستان کی بعض دیگر ریاستوں کی طرح آج تک ریاست شیر کا بھی نام ادغام نہیں کیا گیا۔ نواب صاحب کوٹاٹ بھی تعلقہ داری اور قادی دی جاتی ہے۔ اور اٹک کی گاؤں کی آمدنی کا کچھ حصہ لیو غر کے باقی خٹکوں میں تقسیم کیا جاتا ہے۔ یہ دونوں چیزیں موقوف ہیں۔ اور تقسیم ہو کر اب بعض لوگوں کو صرف چند آٹے سالانہ ملا کر لے ہیں۔

غلطنامہ

اس غلطنامے میں چند غلطیاں میری اپنی ہیں۔ لیکن زیادہ تر وہ ہیں جو پریس والوں نے اس کتاب کی سنگساری کرتے وقت اور مجھے ان کا پروف دکھائے بنا چھاپ کر رکھی ہیں + میں نے اپنی کی ہوئی غلطیوں پر x کا نشان لگا دیا ہے۔

ص	سطر غلط	صحیح	ص	س	غ	صحیح
۱۶	۲۲	لڑکا	۶۰	۲۶	۲۲۷۳	ص ۲۵
۱۷	۱۸	رحمت	۶۵	۱۷	عباس	الاشوری
۲۳	۲۵	ک	۱۸	۱۸	دھل رلقوری	اہل القبور
۲۵	۱۱	یا	۲۰	۲۰	رمانا	رچانا
۲۶	۱۶	سکھوں	۲۲	۲۲	پیسا	چچا
۳۰	۱۱۵۶	پشتون	۶۸	۳	ٹٹے پی کے سال	ایک سال بعد
۳۱	۶	جو	۷۰	۴	لکھا	(زائد ہے)
۱۱	۱۱	سیگمٹک	۷۱	۲۲	تاج	تاج
۲۳	۱	ظفر پشتو	۸۳	۱۷	پشتین	پشتیں
۱۱	۱۱	کی	۸۷	۱۳	سمات	سات
۱۱	۱۱	مورخانہ	۹۸	۷	کیرانی	کیرانی
۲۲	۲۲	رگوید	۱۲	۱۲	روپے	لوپے
۵۰	۷	رکھے	۲۲	۲۲	۲۳۷	۲۵
۶۰	۶	جنکا	۱۰۰	۸	خو	۱
۱۷	۱۷	خصوصاً	۱۳	۱۳	وجہ	فصہ
۲۱	۲۱	تاہید	۱۴	۱۴	تیرودت	تحریرات
۲۲	۲۲	مانگنے	۱۰۱	۲۲	چند	چند
۱۱	۱۱	چھڑک	۱۰۳	۳	۱۰۳	قبیلہ دلازاک
۲۵	۲۵	پڑوسی	۱۰۵	۶	علاقہ	علاقہ

میچ
خالسار
فوج

غ
خالسار
فوج

ص س
۱۳ ۳۰۷
۲ ۳۰۹

* * *

میچ
اشنفر
۹۷۷

مٹربن
حال

۵۷۷

۸۵۲

جنگوں

پشتوں

کے مکان

رتیلی

مالکان

تکلیف ہے

اس کا

توروسر

بنجر

کی

۷۹

متنفسوں

حقہ

محل

صرف

پکارتے

کو حسن

۲۰۰

غ
اشنفر
۱۷۷

مٹربن
حاصل

۵۷۷

۸۵۲

جنگوں

پشتوں

کے

رتیلی

مالکان

تکلیف

اس

توروسر

بنجر

کے

۷۹

متنفسوں

حقہ

محل

صرف

پکارتے

کو حسن

۲۰۰

ص س
۲۵ ۱۰۵
۲۰ ۱۰۷

۲۰ ۱۰۸
۱۲ "

۲۲ "

۲۵ "

۷ ۱۳۰

۱۰ ۱۳۱

۵ ۱۳۹

۱۶ ۱۴۹

۱۸ ۱۵۹

۹ ۱۶۱

۱ ۱۷۱

۱۲ ۱۸۱

۱۸ "

۲۲ ۲۲۲

۲ ۲۲۲

۱۸ ۲۲۲

۷ ۲۲۷

۷ ۲۲۷

۱۹ ۲۲۷

۷ ۲۲۷

۲۱ ۳۰۰

۱۷ ۳۰۳